

الآن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون

مقام گنجشک

رحمۃ اللہ علیہ

معارف حقائق اور تاریخی واقعات کا حسین مرقع

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے مشائخ عظام و خلفاء درخشاں، تازمانہ حال، اور آپ کی حیات طیبہ کے مستند تاریخی حالات، ملفوظات و تعلیمات، مسلک اولیاء پر اعتراضات کے فشر آن و حدیث کی روشنی میں جوابات، سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اُوراد، وظائف، اشغال و مراقبات،

تالیف

مولانا الحاج (کپتان) واجد بخش سیال چشتی صابری



یا رب چه چشمه ایست محبت که من ازو
یک قطره آب خوردم و دریا گریتم

در منقبت شہید عشق حضرت خواجہ قطب الدین نختیاراوشی

شہید عشق مولائے قریب رحمانے جناب خواجہ قطب الدین امام دین ایمانے
 امام عاشقانِ درمند و طالبانِ حق امام بسلانِ بے دلانِ سوختہ جانے
 امامِ عارفان و واصلانِ اولیاء اللہ امام مقبلان و مستربانِ پاک جانے
 زینع لافانی اللہ زالا اللہ بقا باللہ چه خوش خوش جان کجاں پر سپر آئمہ رحمانے
 دلش انگر تنش انگر، جگر انگر بعشقِ حق بنحاک و خون غلیظہ بلرزائید دورانے
 بملکِ عشق و مستی انقلابے کرد برپائے جہانے را خرد گم شد ہمہ عالم چه خیرانے
 زمیں جنبہ فلک جنبہ بجنبہ این ہمہ عالم چون قطبِ جہاں قصد سپارِ جانِ جانانے
 بنازد حسن و شیدائی بنازد حسن و زیبائی بایں شیرے جواں مردے کہ باشد فخر انسانی
 طفیلِ خواجہ قطب الدین معین الدین فرید الدین الہی واحد خود را نواز از لطف و احسانے
 فرید الدین مہر اکمل ترا باشد درخشندہ الہی تا ابد جاری بود دریائے فیضانے

سگِ دریاں کینہ بے نوا و احد چنان خواہ

کہ باشد چترِ رحمت بر کمرش تا دور دورا

در منقبت حریق عشق شیخ الاسلام گنجشکر ^{رحمۃ اللہ علیہ}

فرید الحق سرید الدین ولی اللہ شہنشاہ ہے

حبیب اللہ صغی اللہ حنیبل اللہ نبی جا ہے

سلاطین خاک بوس و خاکروب خاکسارانش

مشائخ خاک پا و خاک راہ و خاک درگا ہے

جناب قطب عالم رکن عالم غوثِ دو عالم

فقیرے دستگیرے دیں پناہ مشعل را ہے

کرم کوشش و کرم گستر کرم پرور، سخی سرور

جہاندارے، جہاں بانے، جہاں پرورشہنشاہ ہے

یہ اقلیم ہدایت آفتابے فیض عالم مشعل روشن

یہ ملک حسن و خوبی شاہِ خوباں بل شہنشاہ ہے

یہ ملک فقر و عرساں شہسوارے کمال و اکمل

یہ ملک زہد و طاعت بے مثال و انبیا جا ہے

فانی اللہ بقا باللہ، سميع اللہ بصیر اللہ

خدا بیٹے، خدا دانے خدا جوئے خدا خوا ہے

طیب قلب بیماراں حکیم رازدارِ کل !

حبیب و نوازے و پذیرے کجکلاہ مانے

ہمیں واحد کمینہ سگ غلامے رافقیرے !

نوازش کن شکر گنجے شکر بائے شکر شاہ ہے

شکر بتے شکر دہنے، شکر سنجے شکر کام

شکر نامے شکر ریزے شکر بیزے شکر گا ہے

شکر خیزے شکر دانے شکر کانے شکر کو ہے

شکر گوئے شکر جوئے شکر خوارے شکر خوا ہے

در منقبت مولائے کائنات

فاتح اعظم مجاہد فی سبیل اللہ علی لافتحی الاعلیٰ لاسیف الایسفیہ
 خاتم جبر و شجاعت فاتح بدو حنین رافع ابواب خیبر و ارفع اعراض
 زوج خاتون بہشت والد حسن و حسین جسم اوجہم نبی و لحم اوجہم نبی
 من مدینۃ العلوم و بابا و باشد علی ایں ثنائے آن علی از دہن پاک آن نبی
 یو تراب و خاکار و صاحب نان شعیر شد قہار و شیر زداں بر عدو دین علی
 فخر دنیا، فخر عقبے فخر جن و انس ہم فخر عالم ہم ملائک انبیاء مولا علی
 قادری و سحر و رمی زیر بار منتش چشتیاں را قبلہ مقصود باشد ہم علی
 سجدہ گاہ ہر ولی و نور چشم ہر ولی گوہر مقصود عالم تکیہ گاہ ماعلی
 منظر نور حسد او جانشین مصطفیٰ جان عالم نور عالم غوث عالم ہم علی
 منبع علم و ہدایت مصدر فیض و کرم معدن جود و سخا و ہم عطا مولا علی

واحد سیکس چہ اند مدحت مولا علی

مصطفیٰ و ہم خدا شد مدح خوانت ماعلی

در منقبتِ خواجہ خواجگانِ خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ

معین الدین، معین الحق، معین دل، معین جاں

معین بے کسان و عاجزان ہم گنہگاروں

معین عاشقان و سالکان طالبانِ حق

معین واصلانِ عارفان و طلبگاروں

معین عاصیان و ناقصان ہم سببِ کاروں

معین بے نوا یاں خستہ جاناں ہم شرمساروں

معین دین و ایمانے معین بزمِ ایقانے

معین ہر کس و ناکس گدا و شہنشاہوں

مشائخِ رامد و گارے سلاطینِ را پناہ گاہے

حکیمانِ را خرد آموز و مطلوبِ طلبگاروں

حبیبِ قلبِ مضطربوں جاںِ احتیاجوں

سکونِ عاشقان و ہم شفا سے قلبِ بیماروں

ضیائے حق، ضیائے دین، ضیائے اس جانوں

ضیائے بے سحر خیزے، شہنشاہِ ضیاباروں

زادِ عظمتِ خواجہ چہ سے پرسی تو اے جانم

نفسِ گم کردہ سے آید ملائک در حضورِ شان

سنخی اکبر، کریم اکبر، حسین ہادی و رہبر

پناہ واحدِ مسکین جنابِ خواجہ دوران

حمد و شکر تبارت و ملہن

رہت من روف من مولائے من کریم من
قبلہ من تدریر من کعبہ من یرحم من
آقائے من حبیب من موس من آیس من
حافظ من غنار من ناصر من جلیس من
مالک من الہ من فتاد من خدائے من
رازق من رزاق من صنار من پناہ من
ساتی من نگار من رونق من ہسار من
مونس دلتواز من عظمت من دستار من
دلست من جہان من عزت من حیات من
امید من نوید من شادی من نشاط من
راحت من رضائے من شوکت من جلال من
سلوت من سکون من زینت من جمال من
سود من زیان من مونس من نگار من
روح من روان من سوز من تبار من
مقصد جہد من جہاد من طاعت حق نماز من
بہر من سراق من گریہ دل گداز من
غایت سوز من گداز من کاوش من جنون من
آہ من بکائے من تالہ داشکب خون من
بخت من نصیب من دولت من بہائے من
تکیہ من پناہ من درد من دوائے من!
داحد خستہ بے نوا خاک درت سگب ثنا
ساکین کوئے رانظنہ کرم نگار من!

نعت سرور کونین

سرورِ سراں رسول اللہ

دبیرِ دلسراں رسول اللہ

شاہِ شہنشاہاں رسول اللہ

مالکِ دو جہاں رسول اللہ

کعبہ انس و جاں رسول اللہ

قبیۂ کن فکاں رسول اللہ

ماویٰ بے کساں رسول اللہ

ملجائے عاصیاں رسول اللہ

سایہ دو جہاں رسول اللہ

مایہ دو جہاں رسول اللہ

ساقی دو جہاں رسول اللہ

شایع عاصیاں رسول اللہ

واحد بے نوا طلب کند

راحت دو جہاں رسول اللہ

در منقبت مخدوم پاک سید علاء الدین علی احمد بر اصحاب

محبوب رب العلیین مخدوم صابر کلیری
محبوب جملہ چشتیاں مخدوم صابر کلیری
مطلوب جملہ طالبان مخدوم صابر کلیری
حامد و محسود حق مخدوم صابر کلیری
بادی انس و جان مخدوم صابر کلیری
مولائے ما آقائے ما مخدوم صابر کلیری
معتوق جملہ عاشقان مخدوم صابر کلیری
مقصود جملہ اولیاء مخدوم صابر کلیری
مقبول جملہ عارفان مخدوم صابر کلیری
صابر و شاکر سخی مخدوم صابر کلیری
عاشق و معشوق حق مخدوم صابر کلیری
شاہد و عنائے ما مخدوم صابر کلیری

واحد گدائے بے نوا و خستہ را

بنوا از اکرم مخدوم صابر کلیری



الآن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون

مقامِ گنجشک

معارف و حقائق اور تاریخی واقعات کا حسین مرقع



تالیف

مولانا الحاج (کپتان) واجد بخش سیال چشتی صابری

ناشران و تاجران کتب
عزیز سٹورنٹ اردو بازار لاہور

الفجرا

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

بار دوم جون 2000ء

محمد فیصل نے
تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی
قیمت - 150 روپے

خواجہ من فرید من آقائے من فرید من
 خواجہ لامکان من ساکن ملک پاکپتن
 چشم و چراغ خواجگان بلجائے بکیساں
 سجدہ گو ملک توئی مقصد و در فلک توئی
 فانی صفات حق توئی باقی بذات حق توئی
 راحت من سکون من شفقت من حبیب من
 قبلہ من فرید من کعبہ من فرید من
 قبلہ دو جہان من مولائے من فرید من
 ماوائے من فرید من منجائے من فرید من
 قبلہ انس و جان ہم آقائے من فرید من
 منظر ذات حق توئی آقائے من فرید من
 خواجہ من فرید من آقائے من فرید من

واحد خستہ بے نوا خاک درت گاہِ شما

افتادہ بر در شما آقائے من فرید من

نعت محمد چار بیار حاجی خواجه قطب فرید

بابا فریدؒ

کے اُن پروانوں کے نام

جو

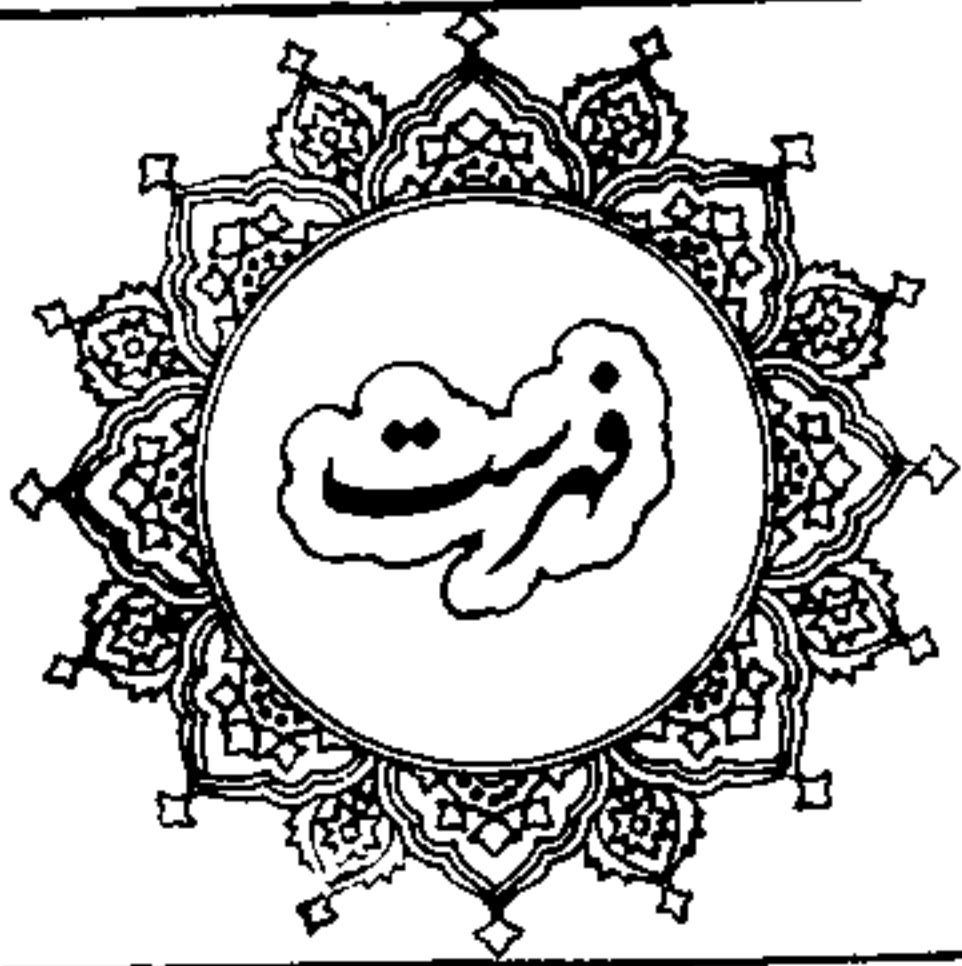
ہر سال لاکھوں کی تعداد میں

فرید فرید کے نعرے لگا کر

بہشتی دروازے سے گذرتے ہیں

از صد سخن پیم یک نکتہ مرا یاد است

عالم نشود ویران مائیکہ اباد است



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
			مقدمہ
۳۹	بلند کی مقام عبودیت یا بشریت	۱۷	مشرب اہل اللہ کی شاندار فتوحات ماضی اور حال میں
۴۱	مقام جامعیت	۱۸	مغربی ممالک روس اور چین میں تصوف کی کامیابی
۴۳	نور اور بشر کا مسئلہ	۱۹	روح کی ایکڑ انکس :
۴۴	آپ کے دن میں ستر بار توبہ کرنے کی	۲۱	آسمان پر جہان :
۴۵	اصلی وجہ	۲۲	فرانس کے ایک سائنسدان کا انکشاف :
۴۶	حضور اقدسؐ کی توبہ کی ایک اور وجہ	۲۳	ایک روسی سائنسدان کا انکشاف :
۴۷	عارفین کے نزدیک	۲۴	برصغیر ہندوستان پاکستان چشتیوں کا ورثہ ہے :
۴۸	آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت مصدر	۲۶	لفظ چشتی کی وجہ تسمیہ :
۴۹	کائنات - حقیقت محمدیؐ -	۲۷	نسبت چشتیہ کی خصوصیت :
۵۰	ظہور حقیقت محمدیہؐ		
۵۱	نبیؐ کے در ثناء -		
۵۲	آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت عارف باللہ		باب نمبر ۱
۵۳	آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت رحمة اللعالمین		ذکر مشائخ عظام فرید الدین گنج شکرؒ
۵۴	آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت سید المرسلین		ذکر پاک سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ
۵۵	آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت خاتم النبیین		احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۵۶	من اللہ وشارع اعظم -		حلیہ مبارک
۵۷	ذکر پاک حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ		کالات ظاہری و باطنی
۵۸	نظائر		آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت موجب کائنات

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	
۱۳۸	حضرت قاضی شیب	۶۰	حضرت خواجہ حسن بصری	
۱۳۹	حضرت قاضی جمال الدین سلیمان	۶۱	حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد بن زید	
۱۴۰	اولاد امجاد حضرت گنجشکرہ کی ولادت	۶۵	حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض	
۱۴۱	حضرت بی بی فریم خاتون کی کرامت	۶۹	حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم	
۱۴۲	ابتدائی تعلیم	۷۲	حضرت خواجہ ہذلی بن مرعشی	
۱۴۳	سلسلہ طریقت	۷۳	حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ بصری	
۱۴۴	حضرت شیخ الاسلام کی بیعت، مجاہدہ و خلافت	۷۵	حضرت خواجہ مشاد علی دینوری	
۱۴۵	حضرت خواجہ گنجشکرہ کی عظمت و مجاہدہ	۷۷	حضرت خواجہ ابواسحاق شامی	
۱۴۶	خلافت کے بعد ہانس کورواگی	۸۰	حضرت خواجہ ابوالاحد ابدال حشمتی	
۱۴۷	حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سے ملاقات	۸۲	حضرت خواجہ ابو محمد محترم حشمتی	
۱۴۸	اجودھن میں آمد	۸۸	حضرت خواجہ ابویوسف حشمتی	
۱۴۹	صوم ماؤدی پھوڑ کر صوم دہر اختیار کرنا	۹۰	حضرت خواجہ قطب الدین مودودی حشمتی	
۱۵۰	حضرت گنجشکرہ کا کھانا کیا تھا	۹۶	حضرت خواجہ حاجی شریف زبیدی	
۱۵۱	حضرت سلطان اشانخ کی شان و شوکت کی اصل وجہ	۹۸	حضرت خواجہ عثمان ہارونی	
۱۵۲	ذات حق میں بے پناہ استغراق	۱۰۷	حضرت خواجہ خواجگان معین الدین	
۱۵۳	وجہ تسمیہ گنجشکرہ	۱۱۲	حشمتی اجیری	
۱۵۴	چلہ معکوس	۱۳۲	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	
۱۵۵	ادب شریف میں آمد اور چلہ معکوس	۱۳۵	باب نمبر ۲	
۱۵۶	صلوۃ معکوس کا ثبوت حدیث نبوی سے	۱۳۸	شیخ الاسلام گنجشکرہ کا سلسلہ نسب حالات زندگی	
۱۵۷	چلہ معکوس کے متعلق حضرت گیسو راز کی وضاحت	۱۳۹	تاریخ کے آئینہ میں	
۱۵۸	ماداپیر حضرت خواجہ معین الدین اجیری کی	۱۴۰	مقام گنجشکرہ کے مآخذ	
۱۵۹	زیارت و حصول نعمت	۱۴۱	سلسلہ نسب	
۱۶۰	حضرت خواجہ قطب الدین کا اصل اور خواجہ گنجشکرہ کی عدم موجودگی	۱۴۲		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۸۵	حصار پر تکیہ کرنا بھی ناگوار گزارا	۱۵۵	حضرت قطب الاقطابؒ کے وصال کا واقعہ
۱۸۶	الصلوٰۃ معراج المؤمنین	۱۵۶	شہنشاہ غیاث الدین بلبن کی بیٹی کیساتھ حضرت قدس شامی کا واقعہ
۱۸۷	روح محفوظ پر نظر	۱۵۸	ازواج و اولاد
۱۸۸	حضرت شیخ بد الدین غزنوی کو خواجہ گنجشکر کی نصیحت	۱۵۹	حضرت خواجہ نصیر الدینؒ
۱۸۹	درویشوں کی خدمت، آداب مریدی	۱۶۰	حضرت شیخ شہاب الدین گنج علم
۱۹۰	ایک مرید یوسف کی شکایت	۱۶۱	حضرت شیخ بد الدینؒ سلیمان
۱۹۱	حضرت گنجشکر کے بھائی نجیب الدین کا توفیق کی طرفت	۱۶۲	حضرت مولانا علاؤ الدین موج دہا
۱۹۲	حضرت اقدس کا حوصلہ اور اہمیت	۱۶۳	حضرت شیخ نظام الدینؒ، حضرت شیخ یعقوبؒ
۱۹۳	حضرت سلطان اشرفؒ پر نظر عنایت	۱۶۴	حضرت شیخ الاسلام گنج شکرؒ کے خلفاء
۱۹۴	ماہ رمضان میں خربوزہ کھانے کی خواہش	۱۶۵	حضرت مخدوم صابر کے کتابوں میں کم ذکر ہونے کی وجہ
۱۹۵	شکل کا ظیفہ، حضرت شیخ کے بل کی برکت	۱۶۶	باطنی کمالات، سلوک الی اللہ
۱۹۶	سیم و زر کی طلب اور پھر ترک	۱۶۷	ساری عمر عشق بازی نہیں ہو سکتی
۱۹۷	شیخ الاسلام کا توکل، درس عوارف المصطفیٰ	۱۶۸	قرب کا بعد بن جانا کیا مطلب رکھتا ہے
۱۹۸	قبر سے بیعت درست نہیں	۱۶۹	یہی حال گنج شکرؒ کا ہے
۱۹۹	خواب میں ظیفہ کی تکفین	۱۷۰	ساری عمر عشق کا نابلے حد دشوار ہے
۲۰۰	مسجد میں سماع اور رقص	۱۷۱	اولیاء امت میں گنجشکر کا خصوصی امتیاز
۲۰۱	ذکوٰۃ، شریعت، طہارت، حقیقت	۱۷۲	اولیاء امت کو بلند ترین مقام پر پہنچانا گنجشکر کا منصب ہے
۲۰۲	ذوق سماع	۱۷۳	اقتباس الانوار کے مصنف کا مشاہدہ
۲۰۳	کمال عبدیت، پاؤں چومنے کی برکت	۱۷۴	بلند مقام و بلند کلام
۲۰۴	ناز کی حالت میں شیخ کو لبیک کہنا	۱۷۵	حاضر و قبول ہوتی ہے
۲۰۵	کرامات	۱۷۶	شیخ الاسلام گنجشکر کے پنجوں کلمات میں سے چند کلمات
۲۰۶	مقام عبودیت کی خصوصیات	۱۷۷	حضرت شیخ الاسلامؒ کا تبحر علمی
۲۰۷	ایک ظالم حاکم کی اصلاح	۱۷۸	سلاطین جہاں سے استغنی
۲۰۸	ایک نوجوان کا نائب ہونا	۱۷۹	انج خاں کا بخت بیدار ہوا

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	
۲۲۷	اولیاء اللہ کے جسم کے اعضاء الگ الگ کرنے کا سبب	۲۰۱	درویشوں کی گستاخی اور سزا	
۲۲۸	مقام وصل سے مقام عشق بلند ہے	۲۰۲	آپ پر سانپ کی زہر کا اثر نہ ہونا	
"	آفاتِ طریقت	"	حضرت سلطان المشائخ پر بھی سانپ کا اثر نہ ہوا	
"	عشق رب خور دار کیا ہے	"	صحت گنجشکر کی سب سے بڑی کرامت	
۲۲۹	انتہائے عشق والی آفت کی ایک مثال	۲۰۵	حضرت سلطان المشائخ کے کمالات	
"	حضرت مولانا جلال الدین منزلی کو قائل کرنا	۲۰۶	حصولِ محبوبیت کا واقعہ، جنتی دروازہ	
۲۳۰	شیخ اکبر سے اختلافات	۲۰۷	بہشتی دروازے کا علی اور شری جواز	
"	حضرت میر سید محمد کی	۲۱۰	جنتی دروازہ فنائیت فی الزلزل کا کرشمہ ہے	
۲۳۱	حلاج کا مقام	۲۱۳	ملازمِ حرم	
۲۳۲	حضرت مخدوم جلال الدین بخاری اوجھی	"	نارنجدارِ حرم، رسومات کا باطن	
۲۳۳	خلفار	۲۱۳	صبح کی محفل، شام کی محفل	
"	حضرت مخدوم صدر الدین راجو قتال	۲۱۶	جنتی دروازہ کا افتتاح	
"	شیخ سراج الدین سوختہ	۲۱۷	غسل کی رسم	
"	حضرت اخئی راجگری	۲۱۸	آدابِ حاضری	
"	حضرت شیخ قوام الدین	۲۲۳	باب نمبر ۳	
۲۳۶	حضرت شیخ سارنگ	"	حضرت خواجہ گنج شکر کے خلفار اور	
۲۳۷	حضرت شیخ محمد منیا	"	خلفار کے خلفار	
"	حضرت شیخ اختیار الدین	"	(تازمانہ حال)	
"	میر سید محمد اللہ	۲۲۵	حضرت خواجہ گنج شکر کے خلفار کی تعداد	
۲۳۸	حضرت شیخ پیارا	"	مشائخِ چشتیہ نظامیہ	
"	حضرت شیخ علاء الدین قریشی	۲۲۶	حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی	
"	حضرت شیخ فتح	"	حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کے خلفار	
"		"	حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۳۸	تصانیف	۲۳۹	شیخ قاسم اودھیؒ
"	فرقہ مرتبہ	"	شیخ محمد عیسیٰ تاج جوہپوریؒ
۲۳۹	حضرت مولانا فخر الدین کی تشریح	"	مخدوم ابو الفتح جوہپوریؒ
۲۴۰	خلفاء	"	حضرت شیخ فخر الدین بجلوریؒ
۲۴۱	حضرت میر محمدیؒ	۲۴۰	میر سید علاؤ الدین اودھیؒ
۲۴۲	حضرت خواجہ نور محمد قبلہ عالمؒ	"	شیخ محمد آبخشؒ
۲۴۳	خلفاء	"	شیخ حسام الدینؒ
"	حضرت خواجہ نور محمد ناروالہؒ	۲۴۱	مشائخ گجرات (ہند)
"	حضرت قاضی محمد عاقلؒ	"	حضرات خواجہ کمال الدین علامہؒ
۲۴۴	لباس اور غذا	۲۴۲	حضرت شیخ سراج الدینؒ
۲۴۵	شاہانِ مغلیہ	۲۴۳	حضرت شیخ علم الدینؒ
"	خلفاء	"	حضرت شیخ محمود معروف بک شیخ راجھیؒ
"	حضرت خواجہ خدابخشؒ	"	حضرت شیخ جمال الدین معروف بک شیخ جمنؒ
۲۴۶	خلفاء	"	حضرت شیخ حسن محمدؒ
"	حضرت خواجہ غلام فخر الدینؒ	۲۴۴	حضرت شیخ محمدؒ
"	حضرت خواجہ تاج محمدؒ	"	حضرت یحییٰ مدنیؒ
۲۴۷	خلفاء	۲۴۵	حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ
"	حضرت خواجہ غلام فریدؒ	"	حضرت شیخ نظام الدینؒ
"	تصانیف	۲۴۶	حضرت مولانا فخر الدین
۲۴۸	خلفاء	"	فوج میں ملازمت
"	حضرت خواجہ محمد بخشؒ	۲۴۷	دہلی میں خانقاہ کا قیام
۲۴۹	حضرت حافظ محمد جمال ملتانؒ	"	درکس و تدریس
۲۵۰	سکھوں کا حملہ	"	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۶۳	حضرت مخدوم صفی الدین حنفیؒ	۲۶۱	تصانیف
۲۶۴	دکن میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کا فروغ	۲۶۲	حضرت محمد سلیمان تونسویؒ
۱۱	حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ	۲۶۳	خلفار
۱۱	حضرت شیخ زین الدینؒ	۱۱	حضرت خواجہ اللہ بخش قدس سرہ
۲۶۵	حضرت شیخ علاؤ الدین حسین شاہؒ	۲۶۴	حضرت حافظ محمد علی خسیہ آبادیؒ
۲۶۶	مشائخ چشتیہ صابریہ	۲۶۵	خلفار
۱۱	حضرت شاہ شمس الدین ترکؒ	۱۱	حضرت حاجی نجم الدینؒ
۱۱	حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ	۲۶۶	خلفار
۲۶۷	خلفار	۱۱	سجادہ نشین
۱۱	حضرت شاہ عبدالحق دورویؒ	۲۶۷	حضرت خواجہ شمس الدین سیالؒ
۲۶۸	حضرت شیخ احمد عارف بن شیخ احمد عارفؒ	۱۱	خلفار
۲۶۹	حضرت شیخ محمد بن شیخ عارفؒ	۱۱	حضرت بید غلام حیدر علی شاہؒ
۱۱	شیخ بدھؒ	۲۶۸	حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ
۱۱	حضرت شیخ منصورؒ	۲۶۹	حضرت خواجہ غلام حسن بھٹیؒ
۲۷۰	حضرت شیخ عبدالرحمنؒ	۱۱	حافظ غلام مرتضیٰ چاچا واپنیؒ
۱۱	حضرت شیخ پیر بن شیخ بدھؒ	۱۱	خواجہ محمد اکرم بہروریؒ
۱۱	حضرت شیخ قطب الدینؒ	۲۷۰	بنگال میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کا عروج
۱۱	حضرت شیخ حمیدؒ	۱۱	حضرت نور قطب عالمؒ
۲۷۱	حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ	۲۷۱	حضرت مولانا حسام الدینؒ
۱۱	تصانیف ، کلمات	۲۷۲	حضرت شاہ اشرف جہانگیر سمنانیؒ
۲۷۱	خلفار	۱۱	پانچ سو ہندوں کا مسلمان ہونا۔
۲۷۲	حضرت شیخ جلال الدین کابلی نقاشیؒ	۱۱	ایک لاکھ ہندوں کا مسلمان ہونا
۲۷۳		۲۷۳	حضرت میر سید عبد الرزاقؒ

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۹۰	حضرت شاہ عتیق اللہ جالندھریؒ	۲۸۷	کرامات
"	حضرت شاہ علیم اللہ جالندھریؒ	۲۸۳	حضرت شیخ نظام الدین کلنجیؒ
"	تصانیف	"	تصانیف
۲۹۱	حضرت علی شاہ چشتی صابری جالندھریؒ	"	وصال
"	حضرت شیخ محمد چشتیؒ	"	خلفاء
"	حضرت سید اعظم چشتی روپڑیؒ	۲۸۶	حضرت شیخ علی خواص ترمذی چشتیؒ
"	حضرت حافظ موسیٰ مانگ پوریؒ	"	حضرت مولانا اخوند درویرہ چشتیؒ
۲۹۲	حضرت مولوی غلام مصطفیٰ چشتی وزیر آبادیؒ	۲۸۵	حضرت مولانا عبدالکرم پشوریؒ
"	حضرت امانت علی چشتیؒ	"	حضرت پنجو بابا پشوریؒ
"	خلفاء	"	حضرت شیخ محمد عارف لاہوریؒ
"	حضرت شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوریؒ	"	حضرت شیخ محمد صدیق لاہوریؒ
۲۹۳	حضرت شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوریؒ	"	حضرت شیخ جان اللہ چشتی لاہوریؒ
"	حضرت شیخ خیر الدین چشتی صابری عرف	۲۸۶	حضرت شیخ ابوسعید حسین صابری گنگوہیؒ
"	خیر شاہ لاہوریؒ	"	خلفاء
"	حضرت شیخ عبدالرشید چشتی صابریؒ	"	وصال
۲۹۴	مشائخ چشتیہ صابریہ محب البیہ	"	حضرت شیخ محمد صادقؒ
"	حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ	"	حضرت شیخ محمد داؤدؒ
۲۹۵	حضرت مولانا شیخ سید محمدیؒ	۲۸۷	خلفاء
"	حضرت شاہ محمد مکیؒ	"	حضرت شاہ ابوالمعالیؒ
"	حضرت شاہ عضد الدینؒ	۲۸۸	حضرت شیخ سونڈھاؒ
"	حضرت شیخ عبدالہادیؒ	"	خلفاء
"	حضرت شاہ عبدالہادیؒ	"	حضرت شاہ میراں مہکؒ
۲۹۶	حضرت شیخ الحاج شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ	۲۸۹	جناب شیخ محمد سعید چشتی شرقپوری لاہوریؒ

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۱۱	علم غیب انبیاء اور اولیاء کو ہوتا ہے	۲۹۶	حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ
۳۱۲	شاہ اسماعیل شہید کا مسلک	۲۹۷	کرامات
"	یا رسول اللہ کہنا	۲۹۸	خلفاء
۳۱۳	مسئلہ ہمہ اوست	"	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ
۳۱۴	عبدالرسول نام رکھنا اہل دیوبند	۲۹۹	تصانیف
"	کے نزدیک جائز ہے۔	"	ارشادات
"	خلفاء حضرت حاجی امداد اللہؒ	۳۰۳	مسئلہ حاضر و ناظر
۳۱۵	حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ	۳۰۴	مسئلہ نور و بشر
۳۱۶	حضرت مولانا وارث حسن کوڑھ جہاں باریؒ	۳۰۵	مسئلہ توسل
"		۳۰۷	مسئلہ زیارت قبور اور اصحاب قبور
۳۲۱	سلسلہ عالیہ چشتیہ ذوقیہؒ	"	سے روحانی فیض حاصل کرنا۔
"	حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہؒ	"	فیضانِ مزارات کی دوسری شہادت
۳۲۲	تصانیف و خلفاء۔	۳۰۸	جواز نذر و نیاز
۳۲۳	حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ	"	میلاد النبیؐ کے موقع پر کھڑا
۳۲۵	تصنیف و تالیف	"	ہونے کا جواز
۳۲۷	الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی	"	اجمیع شریف کہتا جائز ہے
۳۲۸	حضرت شاہ سراج علی محمد مدظلہؒ	۳۰۹	جواز عرس
۳۳۱	باب نمبر ۴	"	عقائد اہل سنت و الجماعت اختیار کرنا
"	مخالفین کے اعتراضات اور جوابات	"	شیخ کامل سے بیعت ہونا اور شیخ کامل کے لوازمات
"	اولیاء کرام کا مسلک تصوف روح اسلام اور ابن تیمیہؒ	۳۱۰	شرعیات اور طریقت
۳۳۲	تصوف پر اعتراض	"	مسئلہ وحدت الوجود کی تصدیق
۳۳۳	لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ	۳۱۱	وحدت الوجود کی مزید وضاحت
"	تصوف کی اصل، مرتبہ اجماع ہے	"	مسئلہ رویت (دیوار) حق تعالیٰ

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۶۳	اولیاء کرام کی بے ادبی خداوند تعالیٰ کو	۳۳۴	اسلام کی غرض و غایت
"	ناپسند ہے	۳۳۸	صحابہ کرام سے کم کشف و کرامت ظاہر ہونے کی وجوہات
۳۶۵	سماح صوفیہ پر اعتراض	"	اقسامِ حجابات
"	حقیقت سماح	"	اتباعِ نبوی کی اقسام
۳۶۶	آمینِ محبت پر قرآن کریم کی مزید شہادت	۳۳۹	عرس پر اعتراض
"	احادیث میں عشق و محبت کی تاکید	۳۴۰	عرس کی مخالفت کی ایک اور وجہ
۳۶۸	سماح سے عام طور سے کیوں پرہیز کیا جاتا ہے	۳۴۱	زیادتِ قبور پر اعتراض
۳۷۰	آیات و احادیث در ممانعت سماح	۳۴۲	غیر مقلدین نے زیارتِ قبور کیوں حرام کہا ہے
۳۷۱	مانعت سماح کی آیات	۳۴۶	نذر و نیاز فاتحہ پر اعتراض
"	مانعت سماح کی احادیث	۳۴۸	علمائے دیوبند کا فتوے
۳۷۲	آیاتِ جواز سماح	۳۴۹	امام احمد بن حنبل کے نزدیک فاتحہ و نذر و نیاز جائز ہے
۳۷۵	جواز سماح احادیثِ نبوی کی رو سے	"	اسماح ہونے سے انکار
۳۷۹	حرمت سماح کی احادیث کے متعلق ائمہ مجتہدین کی رائے	۳۵۱	ایک نکتہ
۳۸۰	حضرت عقبہؓ کا سماح	۳۵۲	استعداد اور توسل
"	استاذ الامم والمدین حضرت امام ابراہیم بن سعد اور سماح	۳۵۳	اکابر دیوبند کا فتوے
"	رئیس المدین حضرت امام شعبہؓ کا سماح ستامز میر کیا ہے	"	ایک نکتہ
"	صحابہ کرامؓ کا سماح	۳۵۶	مسند نود و بشر
"	حضرت کے صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ کا	"	خانقاہی نظام پر اعتراض
"	سماح مزامیر کے ساتھ	۳۵۹	مشائخِ عظام کیوں رزق کمانے سے پرہیز کرتے تھے
۳۸۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سماح اور وجہ	۳۶۱	پختہ مزارات اور مقبرہ پر اعتراض
"	دیگر صحابہ کرامؓ جنہوں نے سماح سنا	۳۶۳	خواتین کے مزارات پر جانے پر اعتراض
"	حضرت عمرؓ کا خناپر سکوت	"	مزارات پر پھول چڑھانے پر اعتراض
۳۸۲	مختلف سلاسل کے مشائخِ عظام اور سماح	"	مزارات پر پوسہ دینے پر اعتراض
"	حضرت داماد گنج بخش سید علی جویریؒ لاہوری اور سماح	۳۶۴	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۹۱	شیخ اشیرخ حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سروردی اور سماع	۲۸۲	حضرت امام غزالی اور سماع
۲۹۵	حضرت شیخ بہا الدین زکریا ملتانی سروردی کا سماع اور قصص	۲۸۵	شہداء سماع و مقامات سماع
۲۹۶	حضرت شیخ فخر الدین عراقی سروردی اور سماع	۲۸۶	بعض صحابہ کرام و ان کا قصص
۲۹۵	حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سروردی اور سماع	۱۱	حضرت غوث الاعظم اور سماع
۲۹۶	حضرت شیخ سعدی شیرازی سروردی اور سماع	۲۸۷	حضرت غوث الاعظم کا خود سماع سنا
۱۱	حضرت محمد جہانیاں اوچی سروردی اور سماع	۲۸۸	حضرت شیخ شہاب الدین سروردی اور سماع
۲۹۷	حضرت شاہ نعمت اللہ سروردی ملتانی اور سماع	۳۸۹	حضرت شیخ کا قرآن سے اخذ جواز سماع
۱۱	قادی بزرگان حضرت میاں میر لایہودی حضرت ملا	۱۱	احادیث نبوی کی رو سے حضرت شیخ شہاب الدین کا اخذ جواز سماع
۱۱	شاہ بخشی و شاہ ابو المعالی اور سماع	۱۱	دو جد و حال حضرت شیخ کی نظریں
۲۹۸	شایخ نقشبندیہ اور سماع	۱۱	شیخ اشیرخ کے ہاں آداب سماع
۱۱	حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہا الدین نقشبندیہ اور سماع	۳۹۰	آئمہ اربعہ اور سماع امام ابو حنیفہ اور سماع
۱۱	حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندیہ اور سماع	۱۱	علامہ نابوسی اور سماع
۳۹۹	حضرت مولانا عبد الرحمن جامی نقشبندیہ اور سماع	۳۹۱	علامہ ملا علی قاری حنفیہ اور سماع
۱۱	حضرت مولانا خواجگی اور مولانا بیہشتی نقشبندیہ اور سماع	۱۱	علامہ شامی حنفیہ اور سماع
۳۰۰	حضرت مجدد الف ثانی اور سماع	۱۱	امام مالکہ اور سماع
۱۱	حضرت امیر ابو المعالی نقشبندیہ اور سماع	۳۹۲	امام شافعی کا سماع
۳۰۱	حضرت قاضی شمس اللہ پانڈتی نقشبندیہ اور سماع	۱۱	امام احمد بن حنبلہ اور سماع
۳۰۲	حضرت شیخ شہاب الدین کالیک قول قاضی شمس اللہ کی زبانی	۳۹۳	شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور سماع
۱۱	خواجگان چشتیہ اور سماع	۱۱	امام ابو یوسف اور امام محمد اور سماع
۱۱	حضرت خواجہ حسن بصری اور سماع	۱۱	مولانا عبد الحمید فرنگی مکی اور سماع
۱۱	حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی اور سماع	۱۱	فوائد خیر اور سماع
۳۰۵	حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیہ اور سماع	۳۹۴	الحدیث کے امام قاضی محمد بن علی شوکانی مینی اور سماع
۱۱	حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیہ اور سماع	۱۱	استاذ العلماء والمحدثین امام ابراہیم بن سعد مینی اور سماع
۱۱	حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیہ اور سماع	۱۱	امام احمد غزالی اور سماع

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۴۲۴	شیطان کے شرک و مٹانے کا طریقہ	۴۰۶	حضرت خواجہ قطب الدین مودودی حشری
۴۲۵	جس دم کا دوسرا طریقہ	۴۰۷	حضرت خواجہ عثمان بارونی
۴۰۷	شغل سرپایہ	۴۰۸	حضرت خواجہ معین الدین حشری
۴۲۶	مراقبات	۴۰۹	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار
۴۰۸	مراقبہ یقین ، مراقبہ قرب	۴۱۰	حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر
۴۲۷	مراقبہ رویت ، مراقبہ ذات	۴۱۱	سلطان اشرف حضرت محبوب الہی
۴۲۸	شغل ہوا	۴۱۲	حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی
۴۲۹	شغل دائرہ حقی - مراتب فنا	۴۱۳	علمائے دیوبند اور سماع
۴۳۰	مقام بقا باللہ سے مراد	۴۱۴	مولانا تھانوی کا سماع سنا اور سنانا
۴۳۱	اچھے اور بُرے انوار کی پہچان - رنگوں کی پہچان	۴۱۵	مولانا شہید احمد گنگوہی اور سماع
۴۳۲	ذکر برائے شفا کے مرضی	۴۱۶	مولانا تھانوی کا ایک بار سماع سنا
۴۳۳	مقاصد کے حصول اور آئندہ حالات سے	۴۱۷	مولانا محمد حسین اللہ آبادی دیوبندی کا صاحب سماع ہونا
۴۳۴	واقفیت کے لیے - کشف قبور کے لیے	۴۱۸	مشاط اور آداب سماع
۴۳۵	کشف قبور کا دوسرا طریقہ	۴۱۹	باب نمبر ۵
۴۳۶	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے	۴۲۰	اذکار و مشاغل ، فضل ربی
۴۳۷	عاجت براری کا طریقہ	۴۲۱	شیخ کامل کی توجہ
۴۳۸	مشائخ کے تصرفات کرنے اور توجہ دینے کا طریقہ	۴۲۲	کیا ہر شخص ولی اللہ بن سکتا ہے
۴۳۹	زندہ اور مردہ اہل اللہ کی نسبت معلوم کرنے کا طریقہ	۴۲۳	ولایت کی اقسام
۴۴۰	کسی کے دل کے خیالات معلوم کرنے کا طریقہ	۴۲۴	ذکر اللہ کی اہمیت
۴۴۱	آئندہ واقعات معلوم کرنے کا طریقہ	۴۲۵	اقسام ذکر ، اشغال و مراقبات
۴۴۲	مرض سلب کرنے کا طریقہ	۴۲۶	ضرورت اذکار و مشاغل و مراقبات
۴۴۳	مرض سلب کرنے اور گناہگار سے گناہ دور	۴۲۷	ذکر اسم ذات ، ذکر اسم ذات یک ضربی
۴۴۴	کرنے کا دوسرا طریقہ - بلا دفع کرنے کا طریقہ	۴۲۸	ذکر اسم ذات دو ضربی ، ذکر سہ ضربی
۴۴۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دوسرا طریقہ	۴۲۹	ذکر چہار ضربی ، ذکر نفی و اثبات
۴۴۶	احتیاط کی ضرورت - ناز استخارہ	۴۳۰	ذکر پاس انفاس
۴۴۷	استخارہ کا دوسرا طریقہ	۴۳۱	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مقدمہ

مشرق اہل اللہ کی شاندار فتوحات

(ماضی و حال میں)

مغربی ممالک اور روس و چین میں تصوف کی کامیابی: شاندار نوجو شجری سناتے

ہیں اور مبارکباد دیتے ہیں کہ جس طرح گزشتہ زمانے میں اولیاء کرام کی روحانی قوت سے دنیا میں اسلام پھیلا اسی طرح آج کل کے الحاد کے زمانے میں بھی تصوف کو مغربی ممالک بلکہ روس اور چین جیسے دہریہ ملکوں میں بھی شاندار کامیابی حاصل ہو رہی ہے اور لوگ اولیاء کرام کی کتابیں پڑھ کر دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء کرام کا مسلک ہی دراصل حقیقتِ اسلام ہے اور وہی مسلک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا یعنی وہی وَالَّذِیْنَ آمَنُوا شَدُّ حُبِّ اللّٰهِ (جو لوگ ایماندار ہیں ان کو حق تعالیٰ سے شدید محبت ہے، کے بصدق حق تعالیٰ سے

شدید محبت وہی آیہ کریمہ وَهُوَ مَا كُنْتُمْ دُعَاؤُكُمْ رَبَّنَا بِمَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ کے بمسداق حق تعالیٰ کی معیت کا شرف وہی آیہ کریمہ مَنْ احْتَرَبَ الْمَيْمَنَةَ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کے مطابق حق تعالیٰ سے قرب و وصال وہی آیہ کریمہ اِيْمَانًا تَوَسَّوْا فِثْمَ وَجْهِهِ اللّٰهُ (جس طرف نہ دیکھو اللہ ہی اللہ ہے) کے مطابق ہر چیز میں حق تعالیٰ کے حسن و جمال کے مشاہدات اور وہی حدیث قدسی بِنِي يَسْمَعُ وَبِي يُبْصِرُ کے مطابق ذات صفات حق میں فنا نیت کا ثمر وہی حدیث اتَّقُوا فِتْنَةً اَلْمُؤْمِنِ اِنَّهُ يُنْظِرُ بِنُورِ اللّٰهِ (مومن کی باطنی بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے یعنی تمہارے دل کی بات معلوم کر لیتا ہے) کے مطابق کشف و کرامات کی دولت اور ہی حدیث تخلقوا باخلاق اللّٰهِ (اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ) کے مطابق حق تعالیٰ کی طرف سے تصرفات اور کرامات کا طرہ امتیاز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو حاصل تھا اولیائے کرام کو بھی ہر زمانے میں حاصل رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلَا لَآ اِيْمَانٌ لَّكَ مِنْ لَا مَحَبَّةَ اِنَّهُ سَنُو حَيْسُ كَيْ دَلٍ مِيں مَحَبَّتٌ نِهِيں هِي اَسِي اِيْمَانٌ يَحِي حَاصِلٌ نِهِيں هِي) اور یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ دہرائے۔ لہذا اسلام حق تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت کا نام ہے۔ اور اس لحاظ سے اولیاء کرام کا مسلک جو عشق و محبت، ذوق و شوق اور ذات حق میں محویت فدائیت اور جانبازی کا مسلک ہے عین اسلام اور روح ایمان ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زاہد خشک کے برعکس اولیائے کرام کو شاندار کامیابی ہوتی ہے اور ہو رہی ہے کیونکہ تخلیق کائنات کا باعث ہی عشق ہے حق تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ كُنْتُ كُنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں حسن و جمال اور کمالات کا مخفی خزانہ تھا مجھے اس بات کی محبت ہوئی کہ مجھ سے محبت کی جائے اور میرا عرفان حاصل کیا جائے اس لیے میں نے کائنات کو پیدا کیا) اس حدیث کے لفظ فاحببت سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے عشق و محبت کی وجہ سے کائنات کو پیدا فرمایا اور لفظ

اِنَّ اَعْرَافَ سے ظاہر ہے کہ تخلیق کی غرض و غایت حصولِ قرب و معرفتِ الہی ہے اور اسی کا نام تصوف اور طریقت ہے بخلاف علمائے ظواہر کے مسلک کے جنہوں نے اسلام کی ظاہری رسومات یعنی صوم و صلوٰۃ پر اکتفا کر لیا ہے اور قرب و معرفتِ عشق و محبت، ذوق و شوق، سوز و گداز کو جو روحِ اسلام اور جانِ ایمان ہے خارج از بحث کر دیا ہے۔ اور تصوف کے خلاف یہ الزامات لگاتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کی روحانیت کا مرہونِ منت ہے۔

لیکن اب اہل مغرب نے دونوں تعلیمات یعنی اسلامی روحانیت اور دیگر مذاہب کی روحانیت کا خود مقابلہ کر لیا ہے اور اسلامی روحانیت کی فوقیت کے قائل ہو کر دھڑا دھڑا مسلمان ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ حضرت سید علی ہجویری داماد گنج بخش لاہوری قدس کی کتاب کشف المحجوب اور محی الدین ابن عربی اور امام غزالی وغیرہ حضرات صوفیاء کرام کی کتابیں پڑھ کر امریکہ و یورپ میں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ سال ۱۹۳۶ء میں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر انگلستان کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے۔ ان میں سے ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ و حقیقی بھائی حضرت شاہ شہید اللہ فریدی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فاروق

احمد قلاش شیخ میں ہندوستان آئے اور سارا ملک چھاننے کے بعد آخر حیدرآباد دکن میں حضرت مولانا سید محمد زوقی شاہ چشتی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اذکار و عملِ روحانیہ میں مشغول ہو گئے اور سلوکِ تمام کر کے حضرت شہید اللہ فریدیؒ منصبِ خلافت سے نوازے گئے اور تقریباً پچیس سال مسدِ رشد و ہدایت پر متمکن ہو کر ہزاروں طالبانِ راہِ حق کے قلوب کو نورِ ہدایت سے منور کیا۔ اسی طرح مراکو کے ایک ولی اللہ حضرت شیخ محمد حبیب شازلیؒ کے روحانی تعلیمات سے متاثر ہو کر یورپ اور امریکہ کے کثیر تعداد میں مسلمان ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ محمد ابن حبیبؒ نے اپنے انگلستان کے ایک مرید کو جن کا اسم گرامی شیخ عبدالقادر الصونی ہے۔ خلافتِ عظمیٰ فرمائی ہے اور اب امریکہ کے ایک سو پچاس سفید خاندان مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے شیخ

حضرت شیخ عبدالقادر الصوفی کے زیر ہدایت لندن کے قریب ناروچ میں سکونت پذیر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے پچاس ایکڑ زمین خرید کر کے ناروچ میں ایک مسلم کالونی قائم کی ہے جس میں دینی مدرسہ اور مسجد کے علاوہ انہوں نے تصوف کی کتابوں کے انگریزی وغیرہ میں تراجم کرنے کے لیے ایک پریس بھی لگایا ہے جس کا نام دیوان پریس ہے۔ اس مطبع میں منصور ابن علاج، امام غزالی، حضرت ابن عربی اور دیگر صوفیائے کرام کی کتابوں کے ترجمے شائع کر رہے ہیں۔

اسی طرح فرانس کے کچھ لوگ الجیریلے کے ایک بزرگ حضرت شیخ سید احمد علوی کے مرید ہوتے ان میں سے ایک شخص شیخ عیسیٰ نے جن کا عیسائی نام شوآن تھا خلافت بھی حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں کراچی میں کوئی پندرہ بیس نو مسلم مختلف مغربی ممالک افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ سے آکر ظاہری تعلیم کے علاوہ حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کی خانقاہ میں سلوک بھی طے کر رہے ہیں۔ حال میں اٹلی کے دو نو مسلم میاں بیوی اجمیر تریستا اور دہلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ اور کلیر شریف سے ہوتے ہوئے پاکپتن شریف پہنچے اور وہاں سے ایک اور نو مسلم انگریز محمد نعیم کے ساتھ بہاولپور گئے اور غریب خانہ پر کافی دن مقیم رہنے کے بعد کراچی چلے گئے۔ اسی طرح حضرت محمد ابن حبیب کے دو مریدوں بھی میاں بیوی تھے۔ گزشتہ جون میں غریب خانہ پر مقیم رہے۔ اس کے بعد ملتان، لاہور، پاکپتن شریف میں اولیاء کرام کے مزارات پر مقیم رہے۔ اب واپس وطن چلے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار لوگ یورپ و امریکہ میں تصوف سے متاثر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے ہیں کہ اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک علیحدہ کتاب وجود میں آجائے گی۔

روسی اور چین میں روحانیت اسلام کا شوق : جیسے دہریہ ملکوں میں بھی اسی طرح روس اور چین

روحانیت اسلام کے شوق کی ایک لہر دوڑ رہی ہے اور نجی نہیں سرکاری تجربہ گاہوں

میں سرکاری ڈاکٹر اور سائنسدان اب طاقتور کمپروں اور دوسری مشینوں کے ذریعے انسانی روح کے نوٹ لے رہے ہیں۔ اور انہوں نے روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے ہیں کہ عقل و نگ ہے۔ اب وہ روحانی طاقت کے ذریعے ذہنی چیزوں کو حرکت دے سکتے ہیں۔ بغیر آلات کے ذہنی چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ دور کی آواز سن سکتے ہیں اور ٹیلی پیتھی (TELEPATHY) کے ذریعے دور دراز مقامات پر پیغام رسانی کر رہے ہیں۔ نیز روحانی قوت کے ذریعے اب وہ زمین سے دو تین پنچ اوپر ہوا میں معنی ہونے کے قابل بھی ہو گئے ہیں لیکن یہ چیزیں تو حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک نہایت ہی معمولی اور ابتدائی مراحل ہیں جن کی طرف یہ حضرات توجہ ہی نہیں کرتے اور نہ ان کو کوئی وقعت دیتے ہیں۔ اسی طرح چین میں بھی اسلامی روہا بدھ روحانیت اور عیسائی روحانیت پر ریسرچ کے مرکز قائم کیے جا چکے ہیں۔ اور کام جاری ہے۔

امریکہ کے ڈاکٹر البرٹ مون (ALBERT MOON) جو ایٹمی روح کی ایکٹرانکس : توانائی کے باپ مانے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے آج

تک جسمانی (PHYSICAL) ایکٹرانکس کے کرشمے دیکھے ہیں۔ لیکن اب ہمیں روحانی ایکٹرانکس پر کام کرنا چاہیے کیونکہ اس کے ذریعے انسانی قوی کو اس قدر بڑھایا جا سکتا ہے کہ آدمی ایک سیکنڈ میں دنیا کا چکر لگا سکتا ہے۔ ڈاکٹر مون تو مستقبل کی بارستہ رہے ہیں لیکن ہمارے ادویات کرام سے اس سے کئی صدیاں پہلے ان کرامات کا ظہور ہو چکا ہے اور طے الارض اور طے الزماں کی کرامات کی بدولت وہ ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا وہ واقعہ تو سب کو یاد ہو گا کہ کس طرح آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر کھڑے ہوئے ایران میں نہاد کے مقام پر لڑنے والی اسلامی فوج کے کمانڈر کو پہاڑ کے پیچھے سے حملہ آور ہونے کی خبر دی اور شکست سے بچا لیا۔

آسمان پر جانا: حضرت شیخ عبدالکریم جبلی اپنی کتاب انسان الکامل میں

کہتے ہیں کہ پیلے آسمان، دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں آسمان پر گیا اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور ان سے سوال و جواب کا سلسلہ چلی ہوا۔ اس کتاب میں انہوں نے سورن اپنا مذمتی امرتک وغیرہ کے زمین سے فاصلے بیان کیے ہیں۔ یہ فاصلے ان فاصلوں کے مطابق ہیں جو ان کل سائنس کی ایجادات سے علم نجوم کے ماہرین نے قائم کیے ہیں۔ نیز سائنس ریشہ عبدالکریم جبلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ زمین کا محیط پچیس ہزار میل ہے اور قطر آٹھ ہزار میل ہے یہ سائنس بھی آج کل کے اعداد و شمار کے مطابق ہے۔

فرانس کے ایک سائنسدان کا انکشاف: فرانس کے ایک سائنسدان نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام

ہے (THE BIBLE THE QURAN AND SCIENCE) اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن میں جو تخلیق کا تباریکہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے وہ سائنس کے انکشافات کے مطابق ہے لیکن توران اور انجیل میں یہ بات نہیں ہے۔

ایک روسی سائنسدان کا انکشاف: روس کے ایک سائنسدان پروفیسر لیونسکایا (LEVINSKAYA) نے جو

فلاسفہ اور مفکر بھی ہیں اپنی کتاب سائنٹیفک ریلیجن (SCIENTIFIC RELIGION) میں لکھا ہے کہ:

” مذہبی کتابوں میں سے صرف قرآن ہی ایسی کتاب ہے کہ جس میں مذہب اور سائنس میں بگاڑت پائی جاتی ہے۔ قرآن عیسیٰ سے چھ سو سال بعد میں وجود میں آیا جس میں مستدرجہ ذیل سائنس کی تمام شاخوں کا پتہ ملتا ہے۔

ما فوق العادت (METAPHYSICAL SCIENCE)

نجوم (ASTRONOMY) فیزکس (PHYSICS)

بانی آولوجی (BIOLOGY) علم الارض (GEOLOGY)

گینی کالوجی (GYNECOLOGY) ایمبرلے آلوچی (EMBRYOLOGY) پیلن ٹالوجی (PALEONTOLOGY) وغیرہ۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

”صرف قرآن ہی کے ذریعے ہم موجودہ دور کے اہم ترین سوال کا جواب دے سکتے ہیں وہ سوال یہ ہے کہ اب سائنس کے ایجادات کو کس طرح خالق کائنات کے قوانین کے تحت لایا جائے تاکہ موجودہ دور کے انتشار اور بے چینی کا خاتمہ ہو سکے۔“

عہدِ حاضر کے ایک انگریز ادیب و مفکر ڈاکٹر آربری کہتے ہیں کہ:

”کچھلی دو عظیم جنگوں سے بنی نوع انسان تنگ آچکی ہے اور اب ہمسام روحانیت کے طلب گار ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خالق کائنات کون ہے۔ اس کی کیا ماہیت ہے اس تک کیسے رسائی حاصل ہو سکتی ہے انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب صرفیائے پاس موجود ہے اور اب اگر مسلم صوفیاء ہمارے ساتھ تعاون کریں تو ہم یقیناً موجودہ زمانے کی تباہ کاریوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔“

مندرجہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہے کہ اب دنیا اسلامی روحانیت کے لیے تڑپ رہی ہے کیونکہ اب اسے مادیت اور لادینیت کا تلخ تجربہ ہو گیا ہے اور مادہ پرستی اور لادینیت نے دنیا میں جو تباہی مچائی ہے اس سے دنیا تنگ آچکی ہے اور سخت ذہنی کوفت اور بے چینی میں مبتلا ہے اور بے چینی کیسے دور ہو سکتی ہے اس کا علاج قرآن حکیم نے یہ بتایا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (اطمینان قلب تو صرف اللہ کے ذکر میں ہے) اور اذکار و مشاغل پر جس خوبی سے اولیاء کرام اور مشائخ عظام نے عمل کیا ہے اس سے بہتر طریقہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ اذکار و مشاغل اور عبادات و ریاضات ہی کے ذریعے ان کو حق تعالیٰ کے قرب میں پہنچ کر وہ سکون و اطمینان، محویت اور استغراق نصیب ہوتا ہے کہ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ قرب حق میں پہنچ کر ہمیں جو لذت محسوس ہوتی ہے

اگر بادشاہوں کو علم ہو جائے تو تلواریں لے کر ہمارے سروں پر آجائیں گے۔
 چنانچہ "مقام گنج شکر" میں ہم ایک ایسے ولی کامل، مکمل، اکمل کے
 حالات، تعلیمات اور بلند روحانی منازل و مقامات بیان کر رہے ہیں جن کی بدولت
 ہزاروں لاکھوں کفار دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور سینکڑوں ہزاروں خوش
 نصیب حضرات ان کی تعلیمات اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر واصلِ بقا
 ہوئے اور اب بھی ان کی تعلیمات اور روحانی فیوض و برکات کی بدولت بنی نوعِ انسان
 عصرِ حاضر کے انتشار اور بدامنی سے نجات حاصل کر سکتی ہے اور وہ مسیٰ سلطان العاقین
 سیدالجاہدین، عمدۃ الواصلین حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
 جنہوں نے اپنے شیخ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ
 کے بعد خانوادہ چشت اہل بہشت کی مسند پر بیٹھ کر برصغیر ہندوستان میں رشد و ہدایت
 کا کام پورا کیا اور کفر و الحاد کی تاریکی کو نورِ باطن سے پاس پاس کر کے لوگوں کے قلوب
 کو نورِ اسلام سے منور کیا۔

برصغیر ہندوستان چشتیوں کا ورثہ ہے: ویسے تو برصغیر میں دیگر سلاسل مثلاً
 سلسلہ عالیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ

کے بزرگانِ دین نے بھی کافی لوگوں کی ہدایت و اصلاح میں حصہ لیا لیکن دراصل یہ
 ملک چشتیوں کا ورثہ ہے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کو برصغیر میں جو عدیم الہدایہ کامیابی حاصل
 ہوئی ہے وہ اسی کا حصہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبتِ چشتیہ یعنی شدید نسبتِ عشقیہ
 فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔

حضرت محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد جب اسلام سلطان محمود غزنویؒ کے
 دور میں مستقل طور پر برصغیر میں داخل ہوا تو اس کی سربراہی حضرت خواجہ محمد محترم چشتی
 قدس سرہ نے فرمائی جو سلطان محمود غزنویؒ کی روحانی طور پر پشت پناہی فرما رہے
 تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ:

"حضرت خواجہ محمد محترم چشتی قدس سرہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان

اے اور سلطان محمود غزنویؒ کی فوج کے ساتھ ۱۱۵۰ھ میں سومنات کے جہاد میں شریک ہوئے۔ اور محمود غزنوی کا لشکر آپ ہی کی سپہاہد حمایت میں تھا۔

حضرت مولانا جامیؒ نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب نفحات الانس میں لکھا ہے کہ: حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ محمود غزنوی کے ساتھ اشارہ غیبی سے جہاد میں شریک ہوئے تھے اور محمود کا لشکر آپ کی پناہ میں تھا اور وہ آپ کے باطنی تصرف کی وجہ سے کامیاب ہوا۔

محمود غزنویؒ کے دور کے بعد سلطان محمد غوری ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کی پشت پناہی حضرت خواجہ بزرگ، خواجہ خواجگان، خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہ کے سپرد ہوئی اور آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق والی ہندوستان رائے پھورا کی راجدھانی اجمیر میں آکر سکونت اختیار کر لی۔ جب آپ کے فیوض و برکات سے کفار کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو رائے پھورا کی فوج مقابلہ کے لیے نکل آئی۔ لیکن شکست کھائی۔ ایک دفعہ جب رائے پھورا نے حضرت اقدس کے غلامانِ خاص کو تکلیف دی تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے رائے پھورا کو زندہ گرفتار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ سلطان محمد غوری کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوا اس کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور برصغیر میں اسلامی سلطنت قائم ہو گئی اور ملک کی باطنی باگ ڈور مشائخ چشتیہ کے ہاتھ رہی اس کے بعد حضرت خواجہ بزرگؒ کے خلفاء اور خلفاء کے ہاتھ میں برصغیر کی سیاست اور باطنی ہدایت کا کام جاری تھا اور نہایت خوش اسلوبی سے انجام پاتا رہا حتیٰ کہ انگریزوں کا دور شروع ہوا اور پہلے بزرگ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ ہاجر کی چشتیؒ تھے۔ اس سے پہلے مجاہدین بالاکوٹ کی جماعت میں بھی ایک چشتی بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی نمایاں حصہ لیتے رہے جو حضرت حاجی امداد اللہ کے دادا پیر تھے۔ جب حاجی امداد اللہ ہاجر مکی کا دور ختم ہوا تو ان کے خلفاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور شیخ احمد

مولانا محمود حسن صاحب نے سیاست میں جتنا لینا شروع کیا اس وقت چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین یہ طے پایا تھا کہ پہلے ملک سے انگریزوں کو نکالنا چاہیے اس لیے یہ بزرگ شروع میں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے لیکن بعد میں جب ہندوؤں کی بددیانتی ثابت ہو گئی تو مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور مولانا بشیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ جب مولانا شیخ الہند مالٹا کی قید سے واپس آئے تو اس وقت کے قطب وقت حضرت مولانا وارث حسن کوڑہ جہاں آبادی چشتی کے ساتھ سات دن خلوت میں رہے اور برصغیر کی سیاست و قیادت کے چارج کالین دین عمل میں آیا۔ مولانا وارث حسن کے بعد ملک کی سیاست ان کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا سید محمد ذوقی نے لے ہاتھ میں آگئی جو قائد اعظم محمد علی جناح کی باطنی طور پر پشت پناہی کرتے رہے۔ نیز ظاہری طور پر بھی آپ کا قائد اعظم پر بڑا اثر تھا اور وہ ہر کام حضرت شاہ صاحب کے اشارہ کے مطابق کرتے تھے۔ حضرت مولانا ذوقی شاہ کے بعد ہندوستان کی سیاست کا چارج آپ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ شہید اللہ فریدی کو ملا اور آپ نے بھی ملک کی سیاست میں ظاہری و باطنی طور پر جو کام کیے ان سے اہل نظر بخوبی آگاہ ہیں۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے مشائخ کے مندرجہ بالا مختصر حالات سے ناظرین پر عیاں ہو گیا ہو گا کہ برصغیر ہندوستان کے مشائخ چشتیہ کا ورثہ ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ ہے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دیگر سلاسل نے کوئی کام نہیں کیا یہ ہمارا مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی طور پر برصغیر ہندوستان پر مشائخ چشتیہ کی بالادستی قائم رہی ہے اور سیاست میں بھی ان ہی حضرات کا دخل عمل رہا ہے اور خلق خدا کی ہدایت و اصلاح کے سلسلہ میں جو کامیابی مشائخ چشتیہ کو اس ملک میں ہوئی ہے کسی دوسرے سلسلہ کو نہیں ہوئی۔

لفظ "چشتی" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت ابواسحاق شامی
لفظ چشتی کی وجہ تسمیہ: قدس سرہ کے وجود مسعود کے ساتھ اس سلسلہ عالیہ کا

مرکز قند چشت بن گیا جو افغانستان کے شہر ہرات سے چند کوس کے فاصلے پر ہے۔ حضرت ابواسحاق شامی پہلے بزرگ ہیں جن کو چشتی کا لقب ملا اور آپ کے بعد اس سلسلہ عالمیہ کے پانچ جلیل القدر مشائخ چشت میں رہ کر ہدایتِ خلق کے منصب انجام دیتے رہے ان حضرات کے اسماء کرامی یہ ہیں:

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتی، حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی اور حضرت خواجہ شمس الدین جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ نسبتِ چشتیہ کیا ہے شدید نسبتِ عشقیہ ہے جو فطرتِ انسانی کے

نسبتِ چشتیہ کی خصوصیت

عین مطابق ہے اور اسی وجہ سے بے حد کامیاب ہے کیونکہ حضرت انسان کے قلب میں حدیث کنت کنزاً مخفیاً اور آیت کریمہ فَذَقْنَاهُ حَتَّىٰ فِيهِ مِنَ الرَّوحِ حَجْرًا میں نے انسان میں اپنا روح پھونکا، کے مطابق عشق الہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اسی مناسبت سے چشتی حضرات اکثر رز رز گس کے کپڑے زیب تن کرتے ہیں جو آگ کا رنگ ہے۔ ایسا دھو حضرت مرزا مظہر جانجانی سے کسی نے دریافت کیا کہ نسبتِ نقشبندیہ اور نسبتِ چشتیہ میں کیا فرق ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہماری نسبت یعنی نقشبندی نسبت کانشہ انیون کی پنک کی طرح ہے اور چشتیوں کانشہ شراب کانشہ ہے۔ جس میں جوش و شروش اور ولولہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی بھی یہی شدید عشقیہ نسبت تھی اور قرآن اس پر شاہد ہے۔ ساتویں پارہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَى السُّورِ لَعْنَتٌ لِّعَنِي جِبِّ صَحَابَةِ كَرَامٍ آيَاتِ قرآن سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان اٹھ آتا ہے اس وجہ سے کہ ان کو اپنے رب کی معرفت اور مشاہدہ حاصل ہے (نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا سَبَّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ (مومن وہ لوگ ہیں جو شدت سے اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں) مشائخ چشتیہ کی یہی شدید عشقیہ نسبت ہے کہ جس کی بدولت ان میں سے اکثر مقامِ محبوبیت پر فائز ہوئے ہیں۔ حضرت بندہ نواز سید محمد کیسودرازؒ خاتمہ نصوٹ

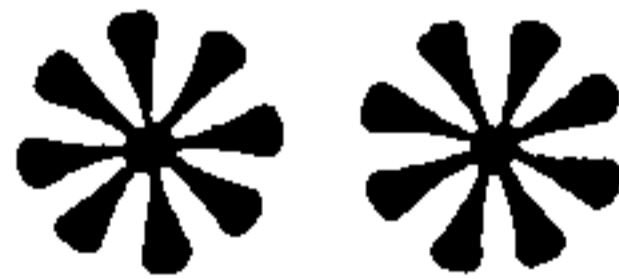
میں فرماتے ہیں کہ اگر ابن عربی میرے وقت میں ہوتے تو میں ان کو ایسے مقام پر لے جاتا کہ وہ یہ باتیں نہ کہتے۔ لیکن شیخ محی الدین ابن عربی جن کو دنیا نے شیخ اکبر کا لقب دیا ہے۔ ان کے متعلق سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ کا یہ خیال ہے تو اکابرین کا مقام کیا ہوگا۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔



باب نمبر ۱

ذکر مشائخ عظام

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ



ذکر پاک و

حضرت مولانا بنیامین
 مُحَمَّدٌ مُصْطَفَا
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حلیہ مبارک سرور کائنات فخر موجودات سید المرسلین، محبوب رب العالمین، احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العالی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمع ذہمالہ
صلو علیہ وآلہ

سر اور بال | آپ کا سر بڑا لیکن نہایت موزوں اور خوشنما تھا۔ سر کے بال
دراز نہ زیادہ گھنگریالے اور نہ بالکل سیدھے۔ بالوں کی درازی کے

متعلق یہ تین مختصرت روایات بیان کی جاتی ہیں — (۱) کانوں کی لوتک (۲) کانوں کے نصف
حصہ تک، (۳) دونوں کندھوں کو اوپر سے چھوتے ہوئے۔

بالوں کی کیفیت مختلف حالتوں میں مختلف ہوتی تھی۔ جب تیل لگا کر کنگھا کرتے

تو لمبے معلوم ہوتے اور جب تیل نہ لگاتے اور کنگھا نہ کرتے تو چھوٹے لگتے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج اور عمرہ کے موقع پر بال کٹوائے اور بس ایک

ساں آپ نے بالوں میں سدل فرمایا (سدل سے مراد بالوں کا پیشانی کے اطراف میں ٹکانا)

حضور ہمیشہ مانگ نکالتے تھے۔ عربی میں اسے فرق کہتے ہیں۔ یعنی بالوں کو ایک دوسرے سے

جدا کر کے اس طرح سنوارنا کہ درمیان میں مانگ نکل آئے۔ پیشانی سے سر کے آخری حصہ تک

جو کبھی کبھی کھنچ جاتی ہے اسے عربی میں مغرق کہتے ہیں۔ علماء ہر دو صورتوں کو جائز قرار دیتے

ہیں لیکن مانگ نکالنا افضل ہے۔

اکثر محدثین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خضاب
خضاب کی وضاحت لگانا ثابت نہیں۔ صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ

روایت درج ہے کہ انہوں نے حضور کے بالوں کو زرد رنگ میں دیکھا۔ اس روایت کی یہ
 تاویل کی جاتی ہے کہ زردی سے مراد وہ زعفران ہے جس سے حضور نے بالوں کو دھوا
 یا صاف کیا تھا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک شبہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سر اقدس میں گنتی کے چند سفید بال تھے اور وہ بھی مختلف جگہوں پر۔ مثلاً کچھ سر میں کچھ دونوں
 کنپٹیوں پر اور چند عنقیہ پر (عنقیہ نچلے لب کے اور بالوں کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں)
 حضرت ابو جحیفہ کی روایت کے مطابق حضرت عنقیہ پر سفید بال تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ آٹائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سر اقدس اور ریش مبارک میں صرف سرہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔ حضرت امیر المؤمنین
 عمر رضی اللہ عنہ بیس سے کچھ زیادہ کی روایت کرتے ہیں

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب تیل لگاتے تھے تو پھر کوئی سفید بال

دکھائی نہیں دیتا تھا۔

امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتہب صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس
چہرہ اقدس گول ماٹل بہ درازی۔ رخساروں میں اعتدال۔ چہرہ نہ حد سے زیادہ

موٹا، گوشت سے بھرا ہوا اور نہ بالکل گول مول۔ اس لئے کہ یہ دونوں باتیں معیار حسن کے
 خلاف ہیں۔ آپ کے رخسار مبارک تو ایسے صاف، دھوا رنگ تھے کہ چودھویں رات کا چاند چمکتا ہوا
 معلوم ہوتا تھا۔

حبیب کبریٰ شبہ ہر دوسرا کے رونے اظہر کی چمک، دمک اور لطافت ملاحظت
رونے اظہر کے کیا بنے

قَرْنًا الْمَلَا حَتَّ حَمْنُهُ وَالْحَسَنُ صَارَ قَرْبَانَهُ

ترجمہ: حسن نے خود بھرتی کو اپنے ساتھ لایا اور آپ کا صحابہ بن گیا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وسلم

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب آپ خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ آئینہ کی مانند

نورانیت

چمکتا اور درودیوار کا عکس اس میں دکھائی دیتا۔

بروں اور سراز بر دیمانی کہ روٹے تست صبح زندگانی

ترجمہ :- اپنا سر یعنی چادر سے باہر نکالنے کیونکہ آپ کا چہرہ اقدس زندگی کی صبح صادق ہے جب آپ کی پیشانی پر نبل پڑتے تو ہر بل پہلی رات کا چاند معلوم ہوتا۔

مہوشاں چوں نہ بیدار تو حیراں باشد ہست روشن جہاں آئینہ سیماںے تو

ترجمہ :- چاند سے چہرے والے (محبوبانِ عالم) آپ کو دیکھ کر کیوں نہ حیران ہوں۔ آپ کی پیشانی اقدس کے آئینہ سے جملہ جہاں روشن ہے۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کارنگ بہ اتفاق جمہور سفید مائل بہ سرخی اور

رنگ

گندم گوں تھا۔ بعض روایات کے مطابق سمرقہ سے بھی مراد حمرۃ (سرخ) ہے۔ عرب میں اسمر کا اطلاق سرخی مائل پر بھی ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی شے میں سرخی بہت زیادہ ہو۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ اور نورانی تھی جیسے چاند کا

پیشانی

مکڑا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھویں دراز اور کمان کی طرح خمدار تھیں جن کے بال

بھنویں

گھنے اور آپس میں گتھے ہوئے تھے۔ بھوڑوں کا درمیانی حصہ بالوں سے خالی تھا۔ البتہ اس جگہ ایسے باریک بال تھے کہ دیکھنے والوں کو بھویں پرستہ نظر آتی تھیں۔ ان کے درمیان ایک باریک سی رگ تھی جو غصہ کے وقت متحرک ہو جاتی تھی۔

حبیب کبریٰ مشہد دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بچد حسین اور بڑی بڑی

آنکھیں

تھیں۔ لیکن اتنی بڑی نہیں کہ باہر کو نکلی ہوئی ہوں یا اتنی چھوٹی کہ اندر کو دھنسی ہوئی دکھائی دیں۔ آنکھوں کا رنگ سفید تھا جس میں سُرخ ڈورے تھے۔ اسے مسرپی میں اشک العین کہتے ہیں۔ الغرض حضور کی آنکھیں سیاہ سرگین اور پلکوں دراز تھیں۔ سرمہ کے بغیر ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ سرمہ لگا ہوا ہے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں نیز آگے بھی دیکھتے تھے اور پیچھے کی طرف بھی۔ دن میں کہکشاں کے باریک ستارے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

دراں زرگیں حرف کاں باغ داشت مگر چشم او کحل مازاغ داشت
ترجمہ :- باغ کو زرگیں سے زیبائی حاصل ہے لیکن ہمارے نبی کی آنکھوں میں مازاغ کا سرمہ تھا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیا و تواضع کے طریقہ کے مطابق اکثر اپنی نظریں نیچی رکھتے اور زبردستی دھی کے وقت نگاہ کریمانہ آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کی کمالات بھی بصارت کے کمالات کی طرح تھے۔

ناک | حضرت کی ناک خوبصورت لمبی اور درمیان سے ابھری ہوئی تھی۔

دہن | دہن مبارک فراخ تھا۔

دانت | دانت صحیح و سالم اور رب کے سب روشن تھے۔ سامنے کے دانت کشادہ تھے جن سے نور جھلکتا تھا۔

ہونٹ | حضور کے ہونٹ پتلے اور نرم تھے۔ چہرہ اقدس پر اکثر اوقات بشاشت و کشادگی اور تبسم رہتا تھا۔

ریش مبارک | حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی گھنی اور بڑی تھی جس سے سینہ مبارک بھر جاتا تھا۔ آپ داڑھی کو طول و عرض سے مٹھی بھر کٹواتے تھے۔ البتہ عرض

کی نسبت طول کی جانب زیادہ تھی۔

مویں | مویں کے بارے میں مروی ہے کہ جوہی لمبوں سے بڑھتی تو آپ انہیں کتر دیتے تھے لیکن سبال نہیں کرتے تھے۔ نچلے ہونٹ کے نیچے کے بالوں کو منڈوانے یا نہ

منڈوانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ انہیں نہ منڈوانا چاہیے۔ گلے کے

نیچے کے بالوں کی بھی یہی صورت ہے۔

کان | دونوں کان سالم اور مکمل تھے۔

گردن | گردن مبارک چمکدار۔ معتدل صاف اور شفاف تھی۔ جیسے ہرن کے بچے کی گردن۔

کندھے | حضور کے کندھے فسراخ تھے۔

سینہ مبارک | سینہ مبارک چڑا تھا۔ حضرت عارف جامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

زسر سینہ اش جاتی الم فشرح لک برخواں

یعنی آپ کے سینہ مبارک کی شان میں سورہ الم شرح پڑھو

شکم | حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک سینہ کے برابر اور ہموار تھا۔ جب بیٹھے تو پیٹ میں شکن پڑ جاتی۔ سینہ اقدس سے ناف تک بالوں کی ایک سیدھی لکیر

تھی۔ اس کے علاوہ پیٹ اور سینہ پر بال تھے۔ بازو۔ کندھوں اور پنڈلیوں کے بال لمبے اور سیاہ تھے لیکن بدن کی سفیدی پھر بھی جھلکتی تھی۔

بغلیں | آپ کی بغلیں اور جسم کے تمام جوڑے لطیف مٹھے اور صاف و شفاف تھے۔ بغلوں کے بال بہت کم تھے۔

پشت | حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک صاف۔ شفاف اور روشن تھی جیسے گچھل ہوئی چاندنی۔

مہرِ نبوت | حضور سرور انبیاء علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان یعنی بائیں کندھے کے نرم ہڈی کے اوپر مہرِ نبوت تھی جو موٹے مردار پیدا کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اس کا رنگ آپ کے جسم کی طرح تھا۔ اس میں "اللہ وحدہ لا شریک لہ" لکھا ہوا تھا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ اس میں چند بال بھی تھے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مفاصل (جوڑوں) کی ہڈیاں موٹی اور مضبوط تھیں ہاتھ۔ بازو۔ پنڈلیاں اور ران گوشت سے بھری ہوئی اور نرم تھیں۔ آپ ایسے خوش بدن تھے کہ ہاتھ لگانے والوں کو تسکین اور راحت محسوس ہوتی تھی۔ ہاتھوں کی مٹھیلیاں اور پاؤں بھی نرم۔ گوشت سے پُر اور فراخ تھے۔ انگلیاں نرم اور دراز تھیں۔ پاؤں کے تلوے ایسے روشن جیسے عرش

بریں۔ پاؤں کے تلوے ہاتھ کی متھلیوں کی طرح گوشت سے پُر اور نرم تھے۔ ان میں تھوڑی سی جگہ خالی تھی جو چلتے وقت غماہر ہوتی تھی۔ جب آپ قدم زمین پر رکھتے یا اوپر اٹھاتے تو وہ خالی جگہ چھپ جاتی۔ زمین پر قدم مبارک مکمل طور پر چسپاں ہو جاتے تھے۔ مسیح القدس آیا ہے کہ دونوں قدم صاف اور ہموار تھے۔ ان میں کسی قسم کی خشکسگی اور میل کھیل نہ تھی۔ ان پر پانی ڈالو تو ٹھہرتا نہیں تھا۔ پاؤں کی تمام انگلیاں برابر تھیں۔ پنڈلیاں دوسرے اعضا کی نسبت پتلی تھیں جن میں گوشت نسبتاً کم تھا

قدِ زیبا | حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد درمیانہ تھا نہ چھوٹا نہ بہت بڑا۔ لیکن لمبے سے لمبے قد والے کے مقابلے میں بلند و بالا دکھائی دیتا تھا۔ جب کوئی طویل قامت آپ کے پاس بیٹھتا یا ساتھ چلتا تو آپ اس سے اونچے نظر آتے تھے۔

سایہ مبارک | حضور کا سایہ تھا۔ نو اور الاصول میں حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں حدیث روایت فرمائی ہے۔

رفقار | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کا یہ انداز تھا کہ جب چلتے تو نہایت قوت و طاقت سے قدم اٹھاتے اور جب زمین پر قدم رکھتے تو معلوم ہوتا گویا آپ نیچے اتر رہے ہیں۔

پسینہ | آپ کا پسینہ نہایت خوشبودار تھا۔ لوگ شادی بیاہ میں اسے لے جاتے اور اس کا ایک قطرہ تیل وغیرہ میں ملا کر استعمال کرتے اس کی خوشبو عطر اور کستوری سے بھی زیادہ دلکش تھی۔ آپ جس گھر میں تشریف لے جاتے یا جس کوچے سے گذرتے وہ جگہ دیر تک خوشبو سے مہکتی رہتی۔

فضلات | حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور فضلا زمین نکل لیتی اور وہ زمین خوشبو سے مہک جاتی تھی۔



کمالات ظاہری و باطنی :

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی کمالات اس قدر کثیر، آپ کی شان اس قدر رفیع، آپ کا مقام اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ حد امکان بشری سے باہر ہے۔ جس طرح حضرت حق تعالیٰ عزوجل کی شان و عظمت کو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کما حقہ، کوئی نہیں جان سکتا اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کو خداوند عالم کے سوا کوئی شخص نہیں پہچان سکتا۔ مرزا مظہر جانجانا نے خوب کہا ہے۔

خدا در انتظار حمد مانیت محمد چشم بر راہ ثانیست

خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس محمد حامد حمد خدا بس

محمد از تو میخو اہم خدا را الہی از تو حُبِ مصطفیٰ را

شیخ سعدی شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

بَلِّغِ الْعَالِمَ بِكَمَالِهِ كَشَفِ الدُّجَىٰ بِجَمَالِهِ

حَسَنَتْ جَمِيعُ رِخْصَالِهِ صَلُّوا عَلَيْهِ وَآلِهِ

نیز فرمایا۔

قیمتی کہ نا کردہ ابجد درست کتب خانہ چند ملت بشت

ایک اور شاعر کہتے ہیں۔

اُمِّي وَدَقِيقَةُ دَانِ عَالَمِ بے سایہ و سائبانِ عالم

حضرت شاہ شمس الدین تبریزی فرماتے ہیں۔

یا رسول اللہ حبیبِ خالقِ یکتا توئی برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی

پیشوائے انبیاء و صدرو بدر کائنات چشم چراغِ انبیاء و نورِ چشم ما توئی

شمس تبریزی چہ داند نعت تو پیغمبرا مصطفیٰ و محبتی و سیدِ اعلیٰ توئی

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی نے یہ شعر کہہ کر قلم توڑ دی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ کلمہ حضرت احمد جامؒ کا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت شیخ سعدیؒ کا۔ واللہ اعلم۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

اس سے آگے کوئی لکھے تو کیا لکھے کہے تو کیا کہے، سنے تو کیا سنے۔ جس کے بیان میں قلم لنگ، زبان گنگ اور عقل دنگ ہے۔ خداوند عالم نے قرآن مجید اور فرقان حمید میں آپ کی شان میں اتنا فرمایا کہ :

قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ

اس آیت پاک کی تفسیر میں علماء کرام اور اولیائے عظام نے ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں ہیں اور حق ثناء پھر بھی ادا نہیں ہو سکا۔

آنحضرت کی عظمت بحیثیت موجب کائنات :

آپ کے بلند روحانی مقامات کا پتہ کچھ مندرجہ ذیل احادیث سے بھی لگتا ہے۔
۱۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَاكَ (اے پیغمبر اگر تو نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا)

۲۔ رَلِي مَعَ اللّٰهِ وَقَدْ لَآ يَسْعَىٰ مَلِكٌ الْمُقْرَبُ وَنَبِيُّ الْمُرْسَلِ
(مجھے قرب حق میں وہ مقام حاصل ہے کہ جہاں نہ کسی مقرب فرشتہ کی رسائی ہو سکتی ہے نہ کسی نبی اور رسول کی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی کمالات کچھ قرآن حکیم کہ ان آیات سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو معراج جسمانی ہوا۔ معزلہ کا خیال ہے کہ آپ کو باطنی یا روحانی معراج ہوا لیکن قرآن مجید کی آیت۔

سُبْحَانَ الَّذِي اَشْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَىٰ

(پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندہ عبد کو رات و رات بیت اللہ شریف

سے بیت المقدس تک)

لفظ ”عبدہ“ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالت عبدیت میں معراج پر تشریف لے گئے۔ اب مختصر الفاظ میں مقام عبدیت ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے تاکہ علم روحانیت سے کم واقفیت رکھنے والے احباب اچھی طرح سمجھ سکیں۔

بلندی مقام عبدیت یا بشریت :

یاد رہے کہ سلوک الی اللہ (روحانی کورس) طے کرتے وقت سالک یا طالب کو مجملاتین اقسام کی سیر سے گزرنا ہوتا ہے۔ سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر من اللہ (یعنی ذات حق کی طرف کاسفر، ذات حق کے اندر کاسفر، اور ذات حق سے واپسی کاسفر) جب طالب کی روح صوم و صلوة، مجاہدات، ریاضات اور شب بیداری کے بعد تزکیہ نفس کے مختلف مراحل یعنی تزکیہ، تصفیہ، تجلیہ اور تخلیہ سے گزر کر ذات حق کی طرف پرواز کرتی ہے تو اسے ذات حق یا روح حق میں فنا حاصل ہوتی ہے۔ اس مقام کو علم روحانیت کی اصطلاح میں فنا فی اللہ کے نام موسوم کیا جاتا ہے۔ اب چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں مراتب قرب یعنی فنا فی اللہ کے درجات کی بھی کوئی حد نہیں اگر طالب چاہے تو ساری عمر بلکہ موت کے بعد عالم ارواح میں اور پھر بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سیر فی اللہ یعنی مقام فنا فی اللہ میں رہ سکتا ہے اور پھر بھی ذات حق کا احاطہ ناممکن رہے گا۔ اسی لئے تو صدیق اکبرؓ چلا اٹھے کہ: ”الْعِجْزُ عَنِ الدَّرَاكِ اِدْرَاكُ تَجِيقِ تَعَالَى كَا احاطہ کرنے سے عجز کا قائل ہونا ہی اور اک ہے یعنی سالکین کی آخری منزل معرفت عجز اور اک ہے۔“

یا صاحب الجہال ویا سید البشر
لا یبکین الشنا وکما کان حقہ
من وجہک المنیر لقد نور القمر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

امام غزالی ”کیمیائے سعادت کے شروع میں لکھتے ہیں کہ ذات حق میں حیران اور ششدر رہ جانا انبیاء اور اولیاء کا آخری مقام ہے جسے مقام حیرت یا مقام تحیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اس مقام کے سالک کو فنا فی اللہ، و مغلوب الحال کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے

اس حالت میں انسان واصل باللہ تو ہوتا ہے لیکن ارکان اسلام کی ادائیگی، خدمت خلق اور ہدایت خلق کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلئے جہاں دیگر مذاہب، میں فنا فی اللہ آخری مقام تھا۔ اسلام میں اسے آخری قرار نہیں دیا گیا بلکہ سالک کو حکم ہوتا ہے کہ مقام فنا کے استغراق، محویت، وحدت اور بے خودی سے نکل کر پھر مقام دوئی اور کثرت میں واپس آئے اور حالت فنا فی اللہ میں وہ صفات باری تعالیٰ متصف ہو جاتا ہے جسکی تصدیق احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

(۱) تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ (یعنی حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاؤ)

(۲) ”جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس سے اس قدر قریب ہو جاتا ہوں کہ میں اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے اسکے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سنتا ہے“ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے“ اسکے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے اور اسکی زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے بولتا ہے“

چنانچہ فنا فی اللہ کے وقت جب سالک ذات وہ صفات حق تعالیٰ میں فنا حاصل کر لیتا ہے تو وہ متصف بصفات اللہ بن کر واپس اپنے اصلی مقام یعنی مقام دوئی اور کثرت میں بھیجا جاتا ہے جہاں پہنچ کر آیہ مبارک انی جاعل فی الارض خلیفہ کے مطابق اس کے سر پر خلافت و نیابت الہی کا تاج رکھا جاتا ہے اور دنیا کے تکوینی امور کے علاوہ ہدایت خلق کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ فنا فی اللہ کے بعد اس مقام دوئی پر عود کے مقام کو مقام بقا باللہ اور مقام عبدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر وہ انسان کامل کہلاتا ہے اور اسے اختیار نیابت و خلافت الہیہ تفویض کئے جاتے ہیں اور احادیث مذکورہ بالا کے مطابق وہ اللہ کی بصارت اور قدرت سے متمتع ہو کر دنیا میں نیابت الہیہ کے فرائض انجام دیتا ہے۔

مقام جامعیت۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے وہ فانی فی اللہ تھا اب نہیں ہے۔ بلکہ وہ بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہوتا ہے اور باقی باللہ بھی۔ بالفاظ دیگر وہ بیک وقت ذات حق میں فانی بھی ہوتا ہے اور عبد بن کر صوم و صلوة کا پابند بھی ہوتا ہے ہاں جو حضرات اتنی قوت نہیں رکھتے کہ مقام فنا کی محویت اور استغراق سے نکل سکیں وہ ہمیشہ کیلئے مقام میں فنا میں مستغرق رہ جاتے ہیں۔ علم روحانیت کی اصطلاح میں ان حضرات کو مجذوب کہا جاتا ہے اور کچھ ہوش باقی رہ جائے تو اسے قلندر کہا جاتا ہے۔ لیکن امت محمدیہ میں اولیاء اللہ کی زبردست اکثریت مقام فنا سے نکل کر مقام بقا پر پہنچتے ہیں اور فرائض نیابتِ اِلهیہ انجام دیتے ہیں۔ اب چونکہ اس قسم کے بلند ہمت حضرات بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہوتے ہیں اور باقی باللہ بھی۔ انکے اس مقام کو علم روحانیت کی اصطلاح میں مقام جامعیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو روحانی ترقی کا آخری اور بلند ترین مقام کہلاتا ہے۔ یہ مقام اولیائے امت محمدیہ کے سوا کسی امت کے اولیاء کو حاصل نہیں ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عبدیت کے ورثہ میں اولیائے امت کو حاصل ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کے قلب کے اندر عشق الہی کے شعلے اس قدر موجزن ہوتے ہیں کہ وہ مقام قرب کے کسی مرتبہ پر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ هل من مزید کے نعرے لگاتے ہوئے مائل پرواز رہتے ہیں جب ایک مقام قرب پر پہنچتے ہیں تو اس سے اوپر اور مقام نظر آتا ہے جب وہاں رسائی ہوتی ہے تو اوپر اور مقام نظر آتا ہے غرضیکہ بقول سعدی۔

نہ حُسْنُ غائِثِ دَارِ دُنَا سَعْدِی رَاحِنِ پَایَاں بَیْرُ دُتْشَنَہِ مُسْتَسْقِی وِ دَرِیَا ہِیْمَنَاں باقی

(نہ محبوب حقیقی کے حسن و جمال کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی کے عشق کی۔ ہوتا یہ ہے کہ مرضِ استسقی کے بیمار کی طرح دریا کے کنارے بیٹھا پانی پی پی کر مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح رواں دواں رہتا ہے)۔

مرزا بیدل نے اس مقام کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ہمہ عمر یا تو قدح زدیم و زلفت رنج خمار ما چہ قیامتے کہ تے رسی زکنار ما بکنار ما

(یہ کیا قیامت اور غضب ہے کہ تو ہمارے آغوش سے آغوش میں نہیں آتا)

آغوش سے آغوش میں آئی یہی وہ دائمی پرواز ہے کہ طالب قرب حق میں جس قدر پرواز کرتا ہے منزل پر اور منزل نظر آتی ہے اور یہ منازل قرب کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

شیخ سعدی نے اس مقام جامعیت کو خوب بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

عجب این نیست کہ من والہ و مجبورم عجب این است کہ من واصل و مجبورم

(عجب کی بات یہ نہیں کہ میں عاشق اور مجبور ہوں بلکہ تعجب یہ ہے کہ میں بیک وقت واصل بھی ہوں اور مجبور بھی ہوں)

یہ ہے اولیائے امت کا مقام جامعیت کہ جس میں وہ لذت قرب سے بھی مستفیض ہوتے ہیں اور درد جدائی کے مزے بھی اڑاتے ہیں۔ ہاں! درد جدائی میں بھی لذت ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

لذت درد توبہ دریاں نبرد شرم - کفر سر زلف توبہ ایماں نبرد شرم

(اے دوست مجھے لذت درد داروئے درد سے زیادہ محبوب ہے اور تیرے رخ انور (دیدار) کی بجائے تیری زلف (جس سے چہرہ چھپ جائے) زیادہ پسند ہے)۔ اور یہی وجہ ہے کہ عاشقان الہی وصل کے اور قرب حق کے کسی مقام پر مطمئن نہیں ہوتے اور ہر وقت قریب سے قریب تر پہنچنے کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور ایک ایسا وقت آتا ہے کہ انکے اجسام بھی روحانیت میں مبدل ہو جاتے ہیں اور خواص بشریت سے آزاد ہو جاتے ہیں اور کئی کئی ماہ کھانا نہ کھائیں تو پرواہ نہیں ہوتی۔ اس مقام پر ان کا سایہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے چنانچہ حکایات اولیاء میں پایا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اللہ کا سایہ گم ہو چکا تھا۔ اب جبکہ اولیائے امت محمدیہ کی یہ حالت ہے کہ مقام عبدیت اور مقام جامعیت کی وجہ سے جسم کے ساتھ بیک وقت فنا فی اللہ بھی ہوتے ہیں اور باقی باللہ بھی تو خود سرور کائنات، فخر موجودات، سرور اولیاء و انبیاء کا کیا حال ہونا چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ آپ بدرجہ اتم جسد عنصری کے ساتھ اولیاء امت سے بدرجہ بلند مقامات قرب طے کریں چنانچہ آئیہ مبارکہ ”قاب قوسین او ادنیٰ“ یہی ظاہر کرتی ہے کہ چونکہ آپ کو مقام جامعیت بدرجہ اتم حاصل تھا۔ یعنی جسد عنصری کے ساتھ بیک فنا اور بقا میں مستغرق رہ کر قرب حق کے مراتب طے کرنا۔ اسلئے آپ قرب حق کے انتہائی مدارج پر پہنچ گئے جہاں بہ مصداق حدیث مذکورہ کوئی فرشتہ پہنچ سکا اور نہ کوئی نبی اور رسول پہنچا۔ یہ ہے مقام عبدیت اور جامعیت کی مختصر شرح جس سے ثابت ہو گیا کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوانہ کہ روحانی۔ روحانی معراج تو آپ کی امت کے اولیاء کرام کو بھی حاصل ہوتا ہے جسے مقام فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

نور اور بشر کا مسئلہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی تھا جو آنحضرت کے کمال مقام عبدیت و جامعیت کا نتیجہ تھا۔ یار لوگ مقام عبدیت اور جامعیت کی نا فہمی کی وجہ سے خواہ مخواہ نور و بشر کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح

عروج یعنی فنا فی اللہ میں کمال بے مثال حاصل تھا اسی طرح آپ کو نزول یعنی بقا باللہ اور عبدیت میں بھی کمال حاصل تھا اور عبدیت دوسرا نام ہے بشریت کا چنانچہ آپ کو جس طرح عروج اور علویت میں کمال حاصل تھا اسی طرح آپ کو نزول میں کمال حاصل تھا۔ عارفین اس بات پر متفق ہیں کہ مقام عروج جس قدر قوی ہو گا نزول بھی قوی ہو گا۔ نیز عرفاء کا یہ بھی قول ہے کہ کمالات کا دار و مدار نزول ہے نہ کہ عروج۔ جس بزرگ کا جتنا نزول قوی ہوتا ہے اس کا مرتبہ بھی اتنا بلند سمجھا جاتا ہے چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سے مولانا جلال الدین رومیؒ کا نزول زیادہ قوی ہے۔ اور جس بزرگ کا نزول زیادہ ہوتا ہے وہ عبادات، عجز و انکسار اور عبدیت اور بشریت میں زیادہ مستعد ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدیم المثال عروج کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ ایک توحق تعالیٰ آپ کے متعلق ”قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ“ جیسے الفاظ فرمائے ہیں۔ دوسرے ”لَوْلَا كَلَّمَا خَلَقْتَ الْإِنْسَانَ الْفَلَاكُ“ فرمایا تیسرے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْتَعْنِي مَلِكٌ الْمُقْرَبُ وَلَا بَنِي الْمُرْسَلِ“۔ اور آنحضرت کی بشریت اور عبدیت کا کمال یہ ہے کہ باوجودیکہ آپ پیدائشی معصوم ہیں اور ہر آن و ہر لمحہ بلند تر مراتب پر ترقی کر رہے ہیں آپ ساری ساری رات کھڑے نوافل پڑھ رہے ہوتے یہاں تک پاؤں مبارک پرورم آجاتا تھا اور شدت گریہ و نالہ سے ریش مبارک تر ہو جاتی تھی۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حَسَنِهِ وَجَمَالِهِ۔

آپ کے دن میں ستر بار توبہ کرنے کی اصلی وجہ۔

آپ کے مقام عبدیت اور بشریت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ آپ دن میں ستر مرتبہ توبہ کیا کرتے تھے حالانکہ آپ گناہوں سے پاک تھے۔ ایک دفعہ احقر راقم الحروف نے اپنے شیخ علیہ رحمہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ سے ستر بار توبہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن اور ہر لمحہ قرب میں ترقی کر رہے تھے۔ جب اوپر کی منزل پر پہنچتے تو اپنے سابق نیچے والے مقام کو دیکھ کر آپ کو

افسوس ہوتا تھا اور اس سے توبہ کرتے تھے۔ نیز چونکہ آپ کو ذاتی طور پر معلوم تھا کہ حق تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے لہذا آپ اپنے کو اس بلند اور برتر شان سے نیچے دیکھ کر بھی افسوس ہوتا تھا اور اپنی اس حالت سے توبہ کرتے تھے۔

حضور اقدس کی توبہ کی ایک اور وجہ عارفین کے نزدیک۔

لیکن حضرت شیخ ابوالقاسم قشیرؒ اپنی کتاب رسالہ قشیر یہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ ستر بار توبہ کی ایک اور نہایت لطیف اور شاندار وجہ بیان فرماتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

إِنَّهُ لَيَغَانُ عَلَى قَلْبِي فَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ سَبْعِينَ مَرَّةً

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں لفظ غفر کے معنی ہیں پردہ کے۔ چنانچہ اس حدیث کے معنی آپ یوں کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میرے قلب پر شدید غلبہ حال ہوتا ہے اور تجلیات جلال سے جسم جلنے کو آتا ہے تو میں حق تعالیٰ سے ہر دن اور ہر رات ستر مرتبہ یہ دعا کرتا ہوں کہ یا الہی میرے اور تجلیات جلال کے درمیان پردہ ڈال دے تاکہ جلنے سے بچ جاؤں۔ بعض حضرات لفظ لیغان سے غفلت مراد لیتے ہیں۔ بعض غنودگی کہتے ہیں لیکن عارفین کے نزدیک اسکے معنی ہیں غلبہ حال۔ عارفین لکھتے ہیں کہ اہل اللہ پر دائمی حضوری کا اس قدر بوجھ رہتا ہے کہ جیسے پہاڑ کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبداللہ انصاری ہرویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھے ایک لمحہ کیلئے حق تعالیٰ سے غافل کر دے اللہ اسکی مغفرت کر دیگا۔ حضرت مجددؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شیخ جن کا نام شاید عبداللہ اسطرخنیؒ ہے شکاریوں کے ساتھ جنگل چلے جایا کرتے تھے اور کتوں کا شکار دیکھتے تھے۔ جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ ان بے ہودہ مشاغل میں آپ کیوں حصہ لیتے ہیں تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کچھ عرصہ کیلئے تو میرے قلب کا غلبہ حال اور زبردست بوجھ کم ہو جائے۔

آنحضرت کی عظمت بحیثیت مصدر کائنات۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بلندی شان اس سے بھی اظہر من الشمس ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔

”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ نُورِي“ (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا اور پھر ہر چیز کو میرے نور سے پیدا کیا)

ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ اپنی معرکہ الآرا کتاب سردلبرائ میں جو علم روحانیت کا اجد کی ترتیب سے انسائیکلو پیڈیا ہے تحریر فرماتے ہیں:

حقیقتِ انسانی کی اصل حقیقتِ محمدی ہے حق تعالیٰ نے سب سے پہلے تنزل حقیقتِ محمدی میں مندرمایا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا کہ **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** یعنی پہلی

چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ و نیز مندرمایا کہ **كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمَ مَبْنِيَّ النَّسَاءِ وَالطِّينِ**۔ یعنی میں نبی تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ آپ کل موجودات سے سبق اور کل مخلوقات سے اکن ہیں۔ بلحاظ

تخلیق کے آپ اول اور بلحاظ ظہور کے آپ آخر ہیں۔ بلحاظ حقیقت آپ خلق اول۔ تعین اول۔ برزخ گبری۔ اور رابطہ بین الظہور والبطون ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ

اصل ہیں جملہ کائنات کی۔ آپ خلاصۃ الموجودات ہیں۔ آپ جانِ عالم ہیں۔ آپ اجمال ہیں اُن اسماء و صفات کا جن کا ظہور تفصیلی کائنات میں ہے۔ آپ ہی عقل اول ہیں۔ آپ ہی نور نبوت ہیں۔ آپ ہی حقیقت ہیں آدم علیہ السلام کی۔

آپ ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی جس طرح آدم علیہ السلام پر تخلیق کائنات ختم ہوئی آپ پر تکمیل انسانی ختم ہوئی۔ آپ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو اسماء و صفات کے ظہور سے پہلے درخشاں ہوا۔ زماں اور مکاں کے پیدا

ہونے سے پہلے چمکا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس نور کو عقل اول کے اندر اس طرح جگہ دی جیسے انجنیئر کے دل میں مکان کا نقشہ قبل تعمیر مکان جگہ چکڑتا ہے۔ عقل اول روحانیات کی عمارتوں کے لئے بمنزلہ انجنیئر کے ہے۔ مکان کی تعمیر

کے لئے اینٹ پتھر چونہ لکڑی وغیرہ سامان جو مندرام کیا جاتا ہے وہ سب اسی نقشہ کے تابع ہوتا ہے جو انجنیئر کے دل میں محفوظ ہے۔ اسی نقشہ پر مکان کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور اسی نقشہ سے مکان کی تکمیل ہوتی ہے۔ غرضیکہ مکان کی ابتدا

اور انتہا اور جملہ درمیانی مراتب اسی نقشہ کے تابع ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے عالم روحانی کا ابداع کیا اور عالم جسمانی کی تخلیق فرمائی تو نور نبوت کو عقل اول کی ذات سے اس طرح نکالا جس طرح مکان کا نقشہ انجنیئر کے ضمیر سے نکلتا ہے۔ چنانچہ اسی نور سے

چاند سورج روشن ہوئے۔ اور اسی نور سے عرش و کرسی اور لوح و قلم کو قیام ملا۔ اور اسی نور سے آسمانوں کو ستاروں کے ساتھ رونق دی گئی اور اسی نور سے زمینیں بچھائی گئیں اور انھیں آباد کیا گیا۔ یہی نور ربانی آدم کے قلب میں امانت بن کر آیا اور منتقل ہوتے

ہوتے پہلوتے آمنے سے ہویدا ہوا اور صورتِ محمدی اُس نے اختیار کی۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ
بِتَذَرِ حُجَّتِهِ وَجَمَالِهِ .

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نُور سے عالم روحانی کا ابداع
کے لیے دنیا اسی طرح اس نُور سے عالم جسمانی کو مجسم فرمایا۔
گویا یہ نور ابتدا میں انجینئر کے دل کے اندر کا نقشہ تھا جو آخر میں مثل اس آخری اینٹ کے ظاہر ہوا جس پر مکان
کی تعمیر ختم ہوتی۔ جب یہ نور ہیکل جسمانی میں ظاہر ہوا اور مکان کی آخری اینٹ کی طرح دوسری اینٹ میں مل جُبل کر
اللہ تعالیٰ کے قول

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف ع ۱۲)

کہہ دو کہ میں مثل تمہارے ایک بشر ہوں۔

کے مطابق دوسری اینٹوں کی صورت میں نمایاں ہوا تو گویا ایک آفتاب تھا جس پر ابر آگیا اور بوجہ اس ابر کے دیکھنے والوں
کے لئے اس کا دیکھنا آسان ہو گیا۔ جملہ اسماء و صفات ایک جامع اسم یعنی اسم اللہ میں مجتمع ہو کر صورت بشری
میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو دیکھنے والے ہیں انہیں موقع ملتا ہے کہ اسم اللہ کی صورت ظاہری کو وہ دیکھیں اور مراد
کو پہنچیں۔ مگر اس دیکھنے کا حق وہی ادا کرتے ہیں جن کی نظر دو نوجہتوں پر ہو۔ آپ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک
جہت حقیقت سے متعلق ہے اور دوسری جہت بشریت سے جس نے ایک جہت پر نظر کی اور دوسری جہت کو
نہ پہچانا اس نے آپ کو نہ دیکھا اور وہ حق تعالیٰ کی اس تنبیہ میں آگیا کہ

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ

اور تم دیکھتے ہو ان کو کہ تمہاری جانب نظر کرتے ہیں
مگر کچھ نہیں دیکھتے۔

(الاعراف ع ۲۲)

خود اللہ تعالیٰ آپ کی جہت اولیٰ کو مد نظر رکھ کر فرماتا ہے کہ

لَعَنُوكَ (المحجر ع ۵)

قسم ہے تیری زندگی کی۔

اور فرماتا ہے کہ

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

اور بے شک آپ سیدھی راہ کی جانب ہدایت کرتے
ہیں۔

(الشوریٰ ع ۵)

اور فرماتا ہے:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ

محمد تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

(الاحزاب ع ۵)

و نیز آپ خود اپنی شان میں فرماتے ہیں:-

إِنِّي لَأَنْتُ كَأَهْدِ كُنْمِ ابْنِ عَشْرَةَ بِنِي

میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں بلکہ اپنے رب کے
پاس رہتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي (بخاری)

اور فرماتے ہیں:-

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَأَتَّبِعَنِي فِيهِ مَدَّةٌ تُقَرِّبُ

مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں
ملک مقرب اور بنی مرسل نہیں سماتے۔

وَأَلْبَسِي مُزِينًا

اور آپ کی جہتِ ثانی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ . (الکہف ج ۱۲) | کہہ دو کہ میں مثل تمہارے ایک بشر ہوں۔
اور فرماتا ہے :-

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ . (الزمر ج ۳)
بے شک تم بھی مرنے والے ہو اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔
اور فرماتا ہے :-

لَا تَهْدِي مَنْ كَفَبْتَ . (الفص ج ۳) | تم ہدایت نہیں کر سکتے جسے چاہو۔

آپ کا دل تنگ ہونا اور شکستہ خاطر ہونا صفاتِ بشری سے تھا نہ کہ آپ کی جہتِ اصلی سے۔ آپ کا یہ قول کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْيَاكُمْ (تم اپنی دنیا کے امور کو زیادہ جانتے ہو) بھی بشریت کی جہت سے تھا۔ مجزومسکین اور نقائص امکان کے کل لوازمات آپ میں بشریت کی جہت سے تھے جو آپ کو عالمِ سفلی میں نزول فرمانے اور عناصر کی قید میں مقید ہونے سے حاصل ہوتے تھے۔ تاکہ آپ اپنے ظاہر سے عالمِ ظاہر کے خواص پر محیط ہوں اور اپنے باطن سے عالمِ باطن کے خصائص پر حاوی ہوں آپ مجمع البحرین ہیں اور آپ کی ذات منظر العالمین ہے۔ آپ کا اس عالم میں نزول فرمانا بھی آپ کا کمال ہے اور اپنے اصلی مقام پر لیلۃ (معراج میں عروج فرمانا بھی آپ کا کمال ہے سے

شاید ما بجز از خال و خط و غیبِ خویش ؛ خال و خطِ دگر و غیبِ دیگر وارد !

ظہورِ حقیقتِ محمدیہ باوقاتِ مختلفہ | جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنے خلیفہ کا ہونا تقرر دے دیا تو صدر زمانے میں خلیفہ کا ہونا لازم ٹھہرا۔ خلیفہ کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ اپنے زمانے کے لوگوں سے ایک گونہ مناسبت رکھے تاکہ لوگ اُس کے ذریعہ سے کمال حاصل کر سکیں اور وہ خلافت کے منصب کو انجام دے سکے۔ رفتارِ زمانہ سے لوگوں کے حالات میں تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ مختلف زمانہ کے لوگ یکساں صلاحیت نہیں رکھتے اور ان کے حالات یکساں قسم کے نہیں ہوتے۔ ان مجملہ وجوہات کی بنا پر حقیقتِ محمدی کا ظہور ان کمالات کے ساتھ پہلے ممکن نہ تھا اس لئے وہ حقیقت وقتاً فوقتاً مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ ہر صورت خاص خاص شان اور خاص خاص مرتبہ سے مخصوص ہوتی۔ وہ تمام صورتیں اپنے اپنے زمانہ اور اپنے اپنے وقت کے حالات سے بہت مناسب تھیں۔ اور اپنے اپنے زمانے کی مناسبت سے جو کمالات کے اقتضائے زمانہ کے مناسب تھے اُن سے وہ صورتیں سب کی سب مزین تھیں۔ وہ صورتیں انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کی اصل حقیقتِ محمدی ہے۔

لباسِ بوالبشر پوشیدہ سجدِ ملک گشتم ؛ تصویرِ محمد حامد و محمود بودستم

گئے اور تیں گاہے شیش گاہے نوح گنہ یونس ؛ گئے یوسف گئے یعقوب گاہے ہود بودستم

گئے صالح گئے ابراہیم گئے اسحق گئے یحییٰ ؛ گئے عیسیٰ گئے موسیٰ گئے داؤد بودستم

برائے میکشاں امروز نقد وقتِ شان گشتم ؛ زہرِ دیگران روزِ جزا موعود بودستم

بدیاتِ حقیقت بہرِ غواصانِ ریادل ؛ بہرِ عہدے و عرصہ گوہرِ مقصود بودستم (مزید)

اُن تعینات و تشفیحات کا اعتبار کرو گے تو تم اُن میں غیریت کا حکم لگاؤ گے اور اُن صورتوں کو حقیقتِ محمدی کاغیر قرار دو گے لیکن جب تم اُن کی حقیقت کو متحد جانو گے اور حکم وحدت کے غلبہ سے اُن سب کے مرجع کو ایک ہی اصل کی جانب رجوع کرو گے تو اُن سب کو حقیقت متحد سمجھو گے اور دلی تصدیق سے کہنے لگو گے۔

لَا تَفَرِّقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (البقرہ: ۲۵۶) | ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے

دراصل وہ قطبِ حسن پر احکامِ عالم کا دار و مدار ہے اور جو ازل سے اب تک دائرہ وجود کا مرکز ہے حقیقتاً ایک ہی ہے اور وہ حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ صفتِ باعتبار حکم کثرت جو اعتباری ہے وہ متعدد ہے۔

نبی کے ورثہ | انقطاعِ نبوت کے بعد قطبیتِ مطلقہ اولیاء اللہ میں منتقل ہو کر آگئی یہ حالت خاتم الاولیاء کے ظہور تک رہے گی۔ پھر اُس کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو جاتے گا۔ اور دائرہ پورا ہو جائے گا۔ پھر حشر و نشر و جنت و نار کا دور شروع ہوگا۔

وہ یہی اولیاء اللہ ہیں جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور محبت سے ظلی طور پر انسانِ کامل کے مرتبہ پر فائز ہو کر خلافتِ الہی اور نیابتِ رسول کے منصب پر ممتاز ہوتے ہیں اور امامِ آخر الزمان کے ظہور تک ہر زمانہ میں رہیں گے۔ یہ لوگ مس زمین پر اللہ کے قائم مقام اور رسول اللہ صلعم کے وارث ہوتے ہیں۔ زمین پر تصرف کی قوتیں وہ اللہ تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں اور اسماء و صفات کے متولی ہوتے ہیں۔ اس کے لئے وہ معرفتِ الہی کے محتاج ہوتے ہیں، اس لئے کمالِ انسانی کا اظہار اس پر ہے کہ انسان اللہ اور اس کے فضل و کمال کو بعد رتوتِ بشری معلوم کرے۔ گویا کمالِ خلافت یا کمالِ انسانی کا دار و مدار کمالِ معرفت پر ہے۔ سالک مسافتِ بعد کو طے کرتا ہے۔ کثرتِ تعینات کی منازل کو عبور کرتا ہے۔ صفاتِ بشری سے دور ہو کر اصل حقیقت سے واصل ہوتا ہے۔ تجلی ذات سے متحقق ہو کر مظہرِ جمیع اسماء و صفاتِ الہی بنتا ہے۔ اور تاجِ خلافت پہن کر اطلاق سے تقید کی جانب واپس آتا ہے اور دوسروں کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا خواجہ دو جہاں بن کر کارِ غلامی انجام دیتا ہے۔ متابعت اور عبودیت کے مقام میں تمکین اختیار کرتا ہے۔ جادۂ انقیاد سے تجاوز نہیں کرتا۔ جملہ مراتب و شیونات کے حقوق ادا کرتا ہے اور ان کی محافظت کرتا ہے۔ طبریقت اُس کی روشنی ہوتی ہے بشریعت اس کا شعار۔ اور حقیقت اس کا مقامِ اصلی۔ ایسا شخص اس زمین پر اخلاقِ الہی کی چلتی پھرتی تصویر اور اس دنیا کے رہنے بسنے والوں کے لئے رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے۔ اسی کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي فِي النَّاسِ (الانعام: ۱۵)

یعنی اور ہم نے اُسے ایک نور دیا ہے جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔

نازل ہے زمین پر کسریائی ؛ بندے کے لباس میں خدائی

حقیقتِ محمدیہ سمجھ لینے کے بعد اب عارفِ رومی کا یہ شعر سمجھ آ جائیگا

(جز محمد نیست در ارض و سماء)

نیز فرمایا۔

اوست ایجاد جہاں را واسطہ	در میان خلق و خالق رابطہ
شاہباز لا مکانی جان او	رحمت اللعالمین در شان او
عارف اطوار سسر جنبہ و کل	خلق اول، روح، اعظم، عقل کل
علت غائی ز امر کن فکان	نست غیر از ذات آن صاحبزاد
رہنمائے خلق و ہادی سبیل	مقتدائے انبیاء ختم رسل

آنحضرت کی عظمت، بحیثیت عارف باللہ:

ویسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرفان کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب۔ کیونکہ آپ سب سے بڑے عارف باللہ سب سے بڑے واصل باللہ سب سے بڑے مقرب الی اللہ ہیں یہاں صرف قرآن حکیم کے حقائق و معارف کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا صرف ایک نکتہ بیان کرنا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ۔

”لِلْقُرْآنِ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَبَطْنٌ إِلَىٰ تِسْعِ الْبَطْنِ“

(قرآن کا ظاہر ہے اور باطن اور اس باطن کا اور باطن حتیٰ کہ نو باطن تک) لیکن بعض حضرات نے قرآن کے صرف ایک ظاہری معانی پر اکتفا کر لیا ہے اور باطنی مطالب و معانی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اسکی وجہ یہ ہے کہ جس قدر کسی کا مقام ہوتا ہے اسی مطابق اس پر قرآن حکیم کے تمام باطنی مطالب اور حقائق و معارف کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور جتنا حقائق و معارف کا زیادہ انکشاف ہوتا ہے اتنا اسکے قرب الی اللہ میں ترقی ہوتی ہے۔ اب چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہم سب کیلئے مشعل راہ ہے۔ ہماری تمام عبادات اور ریاضات کا مدعا و مقصد یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ حقائق و معارف حاصل کر کے حق تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب و معرفت حاصل کریں۔ اسوۂ حسنہ

یعنی اتباع نبوی کی دو اقسام ہیں ایک ظاہری اتباع، ایک باطنی۔ ظاہری اتباع یہ ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری شکل و صورت، لباس، اعمال و افعال کا اتباع کریں اور اتباع باطنی یہ ہے کہ ہم آپ کی طرح قرب و معرفت حق کی زیادہ سے زیادہ منازل طے کریں۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے:

مَنْ اسْتَوَى يَوْمًا فَهُوَ مَغْبُونٌ

(جس نے اپنی زندگی کے دو دن برابر کئے یعنی بروز ترقی کی نئی منازل طے نہ کیں اس نے بہت بڑا نقصان اٹھایا)

اور مندرجہ ذیل حدیث میں تو اتباع باطنی کو اتباع ظاہری پر ترجیح دینے کا حکم وارد ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ عَلَى صُورِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَنْظُرُ عَلَى نِيَاتِكُمْ وَقُلُوبِكُمْ

(اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری شکل و صورت اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہاری نيات اور قلب کی حالت کو دیکھتا ہے)

لہذا اتباع ظاہری کے ساتھ اتباع باطنی بھی ضروری ہے بلکہ اتباع باطنی زیادہ ضروری

ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ۔

آنحضرت کی عظمت بحیثیت رحمتہ للعالمین:

آپ کا لقب حق تعالیٰ نے ”رحمتہ للعالمین“ رکھا ہے یعنی تمام جہانوں کے لئے آپ کا وجود مسعود رحمت اور باعث برکت ہے۔ جہانوں میں کافر و مشرک، چرند و پرند بلکہ ہر چیز

شامل ہے اور بلاشبہ آپ کا وجود ہر جاندار اور بے جان کیلئے باعثِ رحمت اور برکت ہے۔ یہ کیا کم رحمت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لوگ گناہوں کی وجہ سے بندر خنزیر بن جاتے تھے لیکن جب سے آپ کے قدم مبارک اس دنیا میں آئے۔ گناہگار بھی سرفراز ہو گئے اور بندر اور خنزیر بننے سے بچ گئے۔ اگلی امتوں پر گناہوں کی وجہ سے پتھروں کی بارش ہوتی تھی یا فرشتوں کے ذریعے انکے شہروں کو اٹھا کر الٹا پھینک دیا جاتا تھا جس سے مرد، بچے، بوڑھے، عورتیں، جانور سب تباہ ہو جاتے تھے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد کفار و مشرکین جس قدر جرائم کے مرتکب ہوئے تو اللہ عزوجل نے نہ انکی شکلیں مسخ فرمائیں نہ ان پر پتھروں کی بارش ہوئی بلکہ جب کفار نے کہا کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی جب تک تو انکے درمیان ہے عذاب نازل نہیں ہوگا علاوہ ازین یہ کیا کم رحمت ہے کہ آج دنیا کا ایک تہائی حصہ دولت اسلام سے مالا مال ہے۔ دنیا کی کل آبادی ساڑھے تین ارب ہے جس میں سے ایک ارب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ یہ صرف ہمارے زمانے کے اعداد و شمار ہیں اور جس قدر مسلمان پچھلے چودہ سو سال میں ہو گزرے ہیں ان کا تو شمار ہی ناممکن ہے یہ سب رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کی برکات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی برکت سے نہ صرف کفر و شرک مٹ گیا دنیا کی ہر قوم اور مذہب کے لوگوں کے خلاف عقل اور خلاف فطرت قوانین، خلاف انسانیت رسم و رواج اور ظالمانہ تہذیب و تمدن کی اصطلاح بھی ہو گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ قرون وسطیٰ میں جب براعظم یورپ پر بدترین قسم کی بربریت، جہالت اور تاریکی کے گہرے بادل چھائے ہوئے یہاں تک کہ تاریخ یورپ میں اس دور کو دور تاریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے تو مسلم سپین کی طرف سے عظیم الشان اسلامی تہذیب و تمدن کا آفتاب نمودار ہوا جسکو دیکھ کر اہل یورپ کی آنکھیں چندھیا گئیں اور دیکھا مسلمان کس جنت میں بس رہے ہیں اور ہم کس دوزخ میں جل رہے ہیں۔ اسلئے انہوں نے یکدم اپنے مذہب عیسائیت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بغاوت کے سب سے بڑے رہنما لو تھر کو پادریوں نے ”سگ محمد“ کا خطاب دے دیا تھا۔ عیسائیت کے خلاف اس بغاوت کا نتیجہ یہ

نکلا کہ اہل یورپ نے پورے طور پر مسلمان تو نہ ہوئے لیکن جزوی طور اسلام قبول کر لیا۔ یعنی انہوں نے اسلامی عقائد تو قبول نہ کئے لیکن اسلام کے وہ اصول اور تعلیمات قبول کر لیں جنکا تعلق سائنس، مادی ترقی، علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے تھا اور یورپ کے مورخ اور ارباب عقل و دانش اس بات کے قائل ہیں کہ انہوں نے آج علوم و فنون اور سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے یہ سب اسلام کا فیضان ہے۔ عیسائی مورخ فلپ ہٹی لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں مسلم سپین میں عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم تھیں اور سارا ملک باغات، محلات، اور شاندار مساجد، تفریح گاہوں اور پختہ کوچہ و بازار سے آراستہ تھا اور تمام شہر سرکاری روشنی سے جگمگا رہے تھے اس سے کئی صدیاں بعد لندن اور پیرس کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی شخص رات کے وقت اپنے گھر سے باہر قدم رکھتا تو اپنے آپ کو گھٹنوں تک کیچڑ میں غرق پاتا تھا۔ ایک اور عیسائی مورخ ٹوائسن بی لکھتے ہیں کہ چودھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کی شان و شوکت کا یہ عالم تھا کہ یورپ کی کسی یونیورسٹی یا کالج میں مسلمانوں کے سوا کوئی پروفیسر نظر نہیں آتا تھا اور سارے یورپ کے لوگ مسلمانوں کی شاگردی میں رہ کر سندات حاصل کر رہے تھے۔

اسی طرح دنیا کی باقی اقوام کیلئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود و مسعود باعث رحمت و برکت ہوا۔ چنانچہ ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں برہمنوں کی حکومت ہوتی تھی اور عوام اللہاس پر مذہب کے نام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ یہ وہ عورتوں کی شادی درکنار انکو حکم دیا جاتا تھا کہ خاوند کی موت پر زندہ آگ میں چھلانگ کر خاکستر جو جائیں ورنہ وہ گنہگار ہوں گی۔ بتوں کے نام پر انسانوں کو بھینت چڑھایا جاتا تھا، آدمیوں کا گوشت کھایا جاتا تھا اور مالی اور جانی قربانیاں دی جاتی تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نئی نوع پر ان مظالم میں خاصی کمی آگئی بلکہ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی میں غیر مسلم اقوام نے اپنے ظالمانہ اور مضحکہ خیز قوانین کو ترک کر کے اسلامی رسم و روایات اختیار کر لیں۔ یہ سب رحمتہ للعالمین کے کرشمے ہیں۔

(اللہم صل علی محمد و آلہ بقدر حسنہ و جمالہ)

نگار من کہ مکتب زلفت و خط نوشت بغمہ نکتہ آموز صد معلم شد

رسول اکرمؐ کے جس پہلو پر نظر ڈالو کمال ہی کمال نظر آتا ہے حالانکہ آپ اُمّی تھے لیکن اُمّی (ان پڑھ) ہونے کے باوجود آپ عقل کل تھے کسی نے خوب کہا ہے

اُمّی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائیان عالم

مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا جو نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ رازِ اکِ کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر میدان میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں بدرجہ اتم کمال رکھتے تھے خواہ میدان کا زار ہو یا میدان ہدایت، میدان شجاعت ہو یا امامت، میدان سیاست ہو یا میدان قیادت، میدان عدالت، میدان قانون ہو یا میدان عدالت، آپ ہر فن میں کامل تھے اور ہر کام میں معلم اعظم، راہبر اعظم، ہادی اعظم اور سپہ سالار اعظم تھے۔

آنحضرتؐ کی عظمت بحیثیت سپہ سالار اعظم:

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فن سپہ گری کے متعلق چند سطور بطور تیرک لکھی جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ آپ نے نبوت سے پہلے نہ کسی فوجی درس گاہ میں تربیت حاصل کی تھی اور نہ کسی جنگ میں حصہ لیا تھا لیکن چونکہ ہر پیشہ اور ہر فن میں آنحضرت کے استاد حق تعالیٰ عزوجل تھے، آپ پیدائشی طور پر فن حرب کے تمام اصولوں سے بھی بطریق احسن آگاہ تھے مثال کے طور پر فن حرب کے آٹھ اصول ہیں جن پر سکندر اعظم اور دارا کے وقت سے آج تک تمام فوجی جرنیل عمل کرتے آئے ہیں۔ وہ اصول یہ ہیں۔

- ۱- اصول حفظ ما تقدم (SECURITY)
- ۲- اصول حصول مقصد (MAINTENANCE OF THE OBJECTIVE)
- ۳- اصول جارحیت (OFFENSIVE ACTION)
- ۴- اصول اجتماع قوت (CONCENTRATION)
- ۵- اصول تیز رفتاری (MOBILITY)
- ۶- اصول کفایت شعاری (ECONOMY OF FORCE)
- ۷- اصول تحیر یعنی دشمن کو حیران کرنا (SURPRISE)
- ۸-

غزوات نبوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اصولوں پر پوری طرح عمل فرمایا اور اپنی قلیل تعداد کے باوجود کئی گنا دشمن کی فوج پر بفضلہ تعالیٰ فتح پائی۔ آنحضرت کی یہ جنگی قابلیت دیکھ کر آجکل کے بڑے جرنیل بھی حیران ہیں۔ آنحضرت نے ہر جنگ میں جن جن اصولوں پر عمل فرما کر اپنے سے کئی گنا دشمن پر فتح حاصل کی اسکی تفصیل راقم الحروف کی کتاب ”پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت“ میں درج ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بحیثیت مختار من اللہ وشارع اعظم :

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ بالا عظمتوں سے کئی درجہ بڑھ کر وہ عظمت ہے جو آپ کو بحیثیت مختار من اللہ اور شارع اعظم حاصل ہے۔ ویسے تو آنحضرت اپنے آپ کا حق تعالیٰ کا عبد سمجھتے تھے اور ساری امت آپ کو عبد سمجھتی ہے لیکن یہ وہ عبدیت ہے جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے جملہ مراتب طے کر کے حاصل ہوتی ہے اور بندۂ عبد بندگی کی حالت میں کائنات پر حکمرانی کرتا ہے اور دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہو کر حق تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے اور دنیا پر فرمانروائی کرتا ہے۔ عام لوگ مقام خلافت و نوابت

الہیہ سے واقف نہیں ہیں اور نہ واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی قابل شخص کو اپنا نائب یا وائسرائے مقرر کر کے کسی ملک میں حکومت کرنے کیلئے بھیجتا ہے تو اسکو بھی اپنے تمام اختیارات دیکر رخصت کرتا ہے۔ اسکو ملک میں قید و بند کے اختیارات بھی تفویض کئے جاتے ہیں۔ قانون سازی کے اختیار بھی دئے جاتے ہیں قاتلوں کو پھانسی دینے کے اختیارات بھی دئے جاتے ہیں۔ اسکو بخشش اور انعام و اکرام کے اختیارات بھی دئے جاتے ہیں۔ خطا کاروں کی خطا معاف کرنے بھی اختیارات دئے جاتے ہیں۔ یہ تو ایک مجازی بادشاہ کے نظم و نسق کا حال ہے کہ اپنے تمام اختیارات اپنے نائب کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ اس بادشاہ حقیقی اور احکم الحاکمین کی کس قدر طاقت اور قدرت ہے اور وہ اپنے نائب اور خلیفہ کو کس قسم کے اختیارات دے سکتا ہے۔ جہاں مجازی بادشاہوں کو صرف خدا کی بنائی ہوئی دنیا پر حکومت کرنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اس شہنشاہ حقیقی اور قادر مطلق کو لفظ کن کہہ کر کائنات کے پیدا کرنے اور آن کی آن میں دنیا کو مٹانے کی قدرت بھی ہے، بارش برسانے اور فصل پیدا کرنے کی قدرت بھی حاصل ہے، لوگوں کو ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کی قدرت بھی ہے۔ بادشاہ کو گدا اور گدا کو بادشاہ بنانے کی قدرت بھی ہے، لوگوں کے قلوب پر حکومت کرنے کی قدرت بھی ہے۔ جسے چاہے ولی اللہ بنا کر اپنا مقرب بارگاہ بنانے کی قوت بھی ہے۔ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرنے کی قدرت بھی ہے غرضیکہ کوئی کام ایسا نہیں جو حق تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو۔ اب آپ خود قیاس فرما سکتے ہیں کہ جب احکم الحاکمین اور رب العالمین کی یہ تمام طاقتیں اور قدرتیں ہیں تو کیا اس کے خلیفہ اور نائب کو ان تمام امور کے اختیارات تفویض نہیں ہونگے۔ اس کا جواب یہ ہے تمام اختیارات خلیفہ اللہ اور نائب حق کو ضرور تفویض ہونا چاہئیں ورنہ وہ نائب نہیں کہلایا جاسکتا۔

چنانچہ آپ جانتے ہیں اور اسلام کے تمام فرقوں کے لوگ اس حقیقت پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شارع اعظم کے لقب سے ملقب ہیں۔ شارع کا مطلب ہے شریعت دینے والا قانون بنانے والا، قانون نافذ کرنے والا اور قانون چلانے والا۔ یہی وجہ ہے

کہ قوانین شریعت کی بنیاد قرآن مجید اور فرقان حمید کے علاوہ سنت رسول اور حدیث پاک بھی ہے قرآن میں حکم خداوند ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھو۔ لیکن قرآن میں ہر نماز کی رکعات کا تعین ہے نہ حرکات و سکنات کی نشان دہی کی گئی ہے، نہ قیام کا ذکر، نہ رکوع کا، نہ سجدہ کا اور نہ اسبات کا کہ قیام کے وقت کیا پڑھنا چاہئے، رکوع میں کیا پڑھنا چاہئے سجدہ کا کیا پڑھنا چاہئے۔ بلکہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، اور رکوع و سجدہ کیا وہی اسلام کا قانون بن گیا اور ساری دنیا کے لئے واجب التعمیل ہوا۔ اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ کے قوانین ہیں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کہا سارے جہان کیلئے قانون بن گیا۔ غرضیکہ شریعت کے تمام قوانین کی بنیاد قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر لفظ، ہر قول، ہر فعل اسلام میں حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور اسکی نافرمانی خداوند تعالیٰ کی نافرمانی سمجھی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے داروغہ جنت نے جنت کی چابیاں اور داروغہ دوزخ نے دوزخ کی چابیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ خالق کائنات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ کا مالک بنا دیا، کہ جسے چاہو جنت میں بھیجو اور جسے چاہو دوزخ میں بھیجو۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مانگ جو مانگتا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ کو حق تعالیٰ کی طرف اسبات کا اختیار حاصل ہے کہ جو شخص جو کچھ طلب کرے آپ دے سکتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے غلطی سے رمضان شریف کا روزہ توڑ دیا۔ جب آنحضرت کے سامنے اسکا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے کفارہ میں ساٹھ

روزے رکھو کیونکہ یہ قرآن مجید میں حکم خداوندی ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضور جب مجھ سے ایک روزہ بھی ٹوٹ گیا ہے تو ساٹھ دن کس طرح روزہ رکھ سکتا ہوں۔ یہ سکر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ بھاگ جاؤ یہ حکم خداوندی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دو۔ حالانکہ کھانا کھلانے والی قرآنی آیت اس وقت منسوخ ہو چکی تھی اس پر اس نے عرض کیا کہ حضور میں غریب آدمی ہوں مجھے ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کی قدرت نہیں ہے اس وقت کسی نے آنحضرت کی خدمت کھجوروں کی نوکری پیش کی آپ نے اس صحابی سے فرمایا کہ اچھا یہ کھجور لے جاؤ اور اسے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ تمہارے روزہ کا کفارہ ہو جائیگا۔ حالانکہ قرآن مجید میں حکم خداوندی یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلے ساٹھ روزے رکھے جائیں۔ اس پر اس شخص نے عرض کیا کہ حضور مجھ سے غریب اور میرے بچوں سے زیادہ مستحق کون ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر حضور نے تبسم فرمایا اور کہا کہ جاؤ اپنے بال بچوں کو کھلا دو۔ روزے کا کفارہ ہو جائیگا اب آپ بتائیں کہ رسول اکرم مامور من اللہ اور مختار من اللہ ہیں یا نہیں جو مجرموں کو اپنی مرضی کے مطابق چھوڑ رہے ہیں۔

(گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود)

(اللہم صل علی محمد وآلہ بقدر حسنہ و جمالہ)



امام المشرق والمغرب، مظہر الحجاب والخرائب

مدینۃ العلوم والمطالب، أسد اللہ الغالب،

متنصرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کمالات کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں فرمایا۔

حدیث: أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ - فَعَلِيَ مَوْلَاهُ۔ (جس کا میں آقا ہوں اس کا علی بھی آقا ہے۔) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا۔

جِسْمِكَ جِسْمِي 'لَحْمِكَ لَحْمِي' ذَكَ دَمِي۔ (تیرا جسم میرا جسم ہے تیرا گوشت میرا گوشت ہے 'تیرا خون میرا خون ہے۔)

روایت ہے کہ شب معراج حق تعالیٰ کی بارگاہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خرقہ خلافت عطا ہوا تو آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ اگر یہ خرقہ خلافت تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ صدق اختیار کرونگا۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ عدل و انصاف کرونگا۔ حضرت عثمان نے عرض کیا کہ میں خادوت سے کام لوں گا۔ جب حضرت علی کی باری آئی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں پردہ پوشی کرونگا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خرقہ خلافت ان کو عطا فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ جو شخص یہ جواب دے خرقہ ان کے حوالے کرنا۔ حضرت علی کے عرفان کا یہ عالم ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورہ فاتحہ کی شرح لکھوں تو ستر اونٹ کا بوجھ بن جائے گا۔ ایک دفعہ نماز عشاء کے بعد حضرت عبداللہ بن

عباس آپ کے پاس گئے اور درخواست کہ سورہ فاتحہ کے باطنی معانی بتائیں۔ آپ نے بیان شروع کیا حتیٰ کہ دوسری صبح کی آذان ہو گئی اور ابھی آپ بسم اللہ کے پہلے حرف باکی تشریح فرما رہے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ظاہری، باطنی کمالات کی علامت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کے چار بڑے روحانی سلاسل میں سے تین سلسلوں کو یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کو فیضان روحانیت حضرت علیؑ سے حاصل ہوا ہے اور ایک سلسلہ نقشبندیہ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حاصل ہوا ہے۔

خلفاء:

حضرت علیؑ کے ویسے تو بہت خلفاء تھے۔ لیکن ان چار خلفاء کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت خواجہ کمیل ابن زیادؒ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب "مرآة الاسرار" مضافہ حضرت شیخ عبدالرحمن چشتی صابریؒ۔

حضرت علیؑ کی تاریخ ولادت ۱۳ رجب ۳۰ ہجری بعد از واقعہ فیل اور تاریخ وصال ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری اور مدفن نجف اشرف ہے۔ آپ کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہوئی۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی ولادت حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین ام سلمیٰؓ کی خادمہ تھیں۔ اس وجہ سے آپ کی پرورش حضرت ام المؤمنین کی آغوش بابرکت میں ہوئی اور کبھی کبھی حضرت ام سلمیٰؓ آپ کو دودھ بھی پلا دیتی تھیں جس کی برکت سے آپ کی زبان سے حقائق و معارف کے دریا بہہ نکلے۔ نیز بچپن میں آپ کبھی کبھی حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی بھی پی لیتے تھے جہاں آنحضرت خود منہ مبارک لگا یا کرتے تھے۔ یہ برکت بھی آپ کے قلب و روح

میں سرایت کر گئی تھی۔ آپ کا شمار امت کے تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ نے تقریباً ایک سو تیس اصحاب رسول کی زیارت کی جن میں سے ستر اصحاب بدر تھے جو سب کے سب اونی لباس پہنتے تھے بوجہ زہد و تقویٰ۔ آپ کو خرقہ خلافت حضرت علیؑ سے ملا اور سلسلہ عالیہ چشتیہ 'قادریہ' 'سروردیہ' کے تمام مشائخ عظام حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے مستفیض ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے آپ شیخ المشائخ اور امام الاولیاء ہیں۔ آپ اکثر حضرت امام حسن ابن علیؑ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر آپ نے حضرت امام حسنؑ سے مسئلہ قضا و قدر کی حقیقت دریافت کی اور جواب باصواب پا کر مطمئن ہوئے۔

یہ خط و کتابت کتب تاریخ و سوانح میں محفوظ ہے۔ آپ کا وصال ۵ رجب یا ۴ محرم ۱۱۰ھ کے دن ۸۹ سال کی عمر میں ہوا۔ مدفن بصرہ ہے۔

خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ

رئیس افراد پیشوائے اوتاد، گنج ہدایت، کان ولایت فارغ از وسواس و مکر شیطان، واصل حق حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید اور خلیفہ اول تھے حضرت کیل بن زیادؒ کے نامتھ سے بھی آپ کو خرقہ خلافت ملا تھا۔ آپ کے کمالات اور کرامات بشمار ہیں۔ آپ مریدوں کی تربیت میں کامل دسترس رکھتے تھے اور ریاضت و مجاہدہ ترک و تجرید، اور ذوق و عشق میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ امام عبدالشکر یافعیؒ نے اپنی تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ درویشوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں بیٹھی تھی، سب پر بھوک غالب تھی اور کھانے کو کوئی چیز نہ تھی سب نے مجبور ہو کر حضرت خواجہ عبدالواحدؒ سے درخواست کی کہ ہمیں حلوہ چاہیے حضرت خواجہ نے جب دیکھا کہ دوست لوگ مجبور ہیں آسمان کی طرف منہ کر کے

حضرت نے حق تعالیٰ سے عرض کی فورا دیناروں کی بارش ہونے لگی، آپسب نے فرمایا اس قدر اٹھاؤ کہ بقدر ضرورت حلوہ خرید سکو، چنانچہ انھوں نے مناسب مقدار اٹھائی اور حلوہ خریدا، لیکن حضرت خواجہ نے اس میں سے کچھ نہ کھایا، امام عبداللہ دیاغی نے روضۃ الریاضین میں آپ کے متعلق عجیب و غریب احوال تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے چند یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ نقل ہے کہ حضرت عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ میرا گھٹنا مثل ہو گیا تھا، جس سے مجھے سخت درد محسوس ہوتا تھا، ایک رات میں نماز کے لئے کھڑا ہوا، لیکن بیٹھنے کی طاقت مجھ میں نہ تھی چنانچہ میں محراب کے اندر سر رکھ کر سو گیا، ناگاہ میں نے دیکھا کہ دو شیزہ لڑکیوں کی جماعت میں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی نے میری طرف دیکھ کر ان لڑکیوں سے کہا کہ اس مرد کو اس طرح اٹھا لو کہ بیدار نہ ہونے پائے، چنانچہ میں دیکھ رہا تھا کہ انھوں نے مجھے اٹھا لیا، اس لڑکی نے کہا بستر بچھاؤ اور اس کو اس پر سلا دو، انھوں نے سات ایسے گدے بچھائے کہ دنیا میں، میں نے ان جیسے نہیں دیکھے تھے، پھر ہرے رنگ کے خوبصورت تیکے بستر پر لگائے اور مجھے سلا کر قسم و قسم عطر اور مہچول مجھ پر چھڑکے، اس کے بعد وہ لڑکی میرے پاس آئی اور اس نے اپنا ماتھ میرے درد والی جگہ پر رکھا، ماتھ رکھتے ہی مجھے آرام ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی درد ہوا ہی نہیں، یہ بھی روضۃ الریاضین میں مروی ہے کہ عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں، ایک دفعہ میرے دل میں شوق جہاد پیدا ہوا اور میں جانے کے لئے تیار ہو گیا کہ میرے دوستوں میں سے ایک شخص نے یہ آیت پڑھی ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم الجنۃ [یعنی اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مؤمنین سے ان کی جانوں اور ان کے مال کو بہشت کے عوض] فرماتے ہیں کہ اس آدمی کے پاس ایک پندرہ سالہ لڑکا کھڑا تھا جسے اپنے والد کے میراث میں بہت مال ملا تھا، یہ آیت سنتے ہی اس نے کہا اے عبدالواحد کیا اللہ تعالیٰ کا یہ قول

صحیح ہے میں نے کہا ہاں صحیح ہے۔ اس نے کہا آپ گواہ رہیں، میں نے اپنی جان اور اپنا مال بہشت کے عوض فروخت کیا، اس کے بعد اس لڑکے نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور سوائے ایک گھوڑے اور لڑائی کے ہتھیاروں کے سب کچھ فی سبیل اللہ خرچ کر ڈالا۔ دوسرے دن وہ ہمارے ساتھ کفار سے جہاد کی غرض سے باہر نکلا۔ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات نماز میں گزارتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ کہتے ہوئے ایک نعرہ لگایا واشوقاۃ الی العینار المرضیہ (مجھے عینا المرضیہ کی تمنا ہے) اس لڑکے کا یہ حال دیکھ کر میرے دوستوں کو خیال ہوا کہ شاید دیوانہ ہو گیا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا اسے دوست یہ عینا مرضیہ کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں عالم محویت میں چلا گیا اور دیکھا کہ ایک شخص نے میرے پاس آکر کہا کہ عینا المرضیہ کے پاس جاؤ، یہ کہہ کر مجھے ایک ہرے بھرے میدان میں لے گیا، جس میں ایک پانی کی ندی بہ رہی تھی اور اس ندی کے کنارے میں نے چند نہایت حسین و جمیل زیورات سے آراستہ پرستہ مستورات دیکھیں جو اس قدر حسین تھیں کہ پہلے میں نے ان جیسی کبھی نہ دیکھی تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر نہایت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یہ ہے عینا المرضیہ کا شوہر۔ میں نے پوچھا کہ عینا المرضیہ تم میں سے ہے۔ انہوں نے کہا نہیں ہم اس کی خدمت گار ہیں۔ آپ آگے تشریف لائیں جب میں آگے بڑھا تو میں نے ایک اور ندی دیکھی جو دودھ سے بھری ہوئی تھی اور اسکے کنارے چند لڑکیاں کھڑی تھیں۔ میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے بھی کہا کہ آگے تشریف لے جائیں، ہم ان کی خدمت گار ہیں۔ جب میں وہاں سے آگے گیا میں نے تیسری ندی دیکھی جو شراب سے بھری بہ رہی تھی اور اس کے کنارے پر حسین و جمیل لڑکیاں کھڑی تھیں، میں نے ان سے دریافت کیا کہ عینا المرضیہ تم میں سے ہے۔ انہوں نے جواب دیا اسے ولی اللہ آگے تشریف لے جائیں، ہم تو اس کی خدمت گار ہیں۔ جب میں آگے بڑھا تو میں نے ایک

اور ندی دیکھی جو خائس شہد سے بھری تھی اور اس کے کنارے پر بھی اسی طرح
 حسین لڑکیاں تھیں لیکن حسن و جمال میں پہلی لڑکیوں سے بڑھی ہوئی تھیں
 انھوں نے بھی کہا کہ عینا المرضیہ آگے ہے۔ وہاں سے گزر کر میں ایک خیمے کے
 قریب پہنچا جو سفید مروارید سے بنا تھا۔ اس خیمے کے دروازے پر ایک
 نہایت خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی اور اس نے آواز
 دی کہ اے عینا المرضیہ یہ ہے تمہارا خاوند جو سفر سے واپس آیا ہے پس میں
 خیمے کے اندر داخل ہوا اور عینا المرضیہ کو دیکھا کہ ایک ایسے تخت پر جلوہ افروز
 ہے جو سونے سے بنا ہوا ہے۔ مروارید اور یاقوت سے جڑا ہوا ہے اسے
 دیکھتے ہی میں فریفتہ ہو گیا۔ اس نے کہا مرحبا اے ولی الرحمن۔ میں اس کے
 قریب تر ہوا۔ اور ماتھا اس کی گردن کے گرد ڈالا۔ اس نے کہا ذرا بیٹھو ابھی
 وقت نہیں آیا، ابھی آپ قید حیات میں ہیں۔ آج آپ ہمارے ہاں روزہ
 افطار کریں گے، اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اور اب سخت بے قرار ہوں،
 حضرت عبدالواحد فرماتے ہیں کہ لڑکے نے یہ بات ستم کی ہی تھی کہ دشمن کی ایک
 فوج ظاہر ہوئی، سب سے پہلے وہ لڑکا حملہ آور ہوا اور شہید ہو گیا، جب میں
 اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اپنے خون میں غلطاں تھا اور قہقہہ لگا کر مہنس رہا
 تھا۔ اس کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔ —
 روضۃ المریاجین میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن اہل قریش میں سے کچھ لوگ
 حضرت عبدالواحد بن زید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تنگی روزگار کی شکایت
 کرنے لگے، آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا، الہی میں تیرے نام عالی مقام سے
 سوال کرتا ہوں وہ نام جس کے لیوا کو تو اپنی دوستی سے سرفراز کرتا ہے اب
 ہمیں اسی وقت اپنی ہاں سے روزی دے، یہ کہتے ہی آسمان سے ایک سخت
 آواز سنائی دی، اور دیناروں کی بارش ہونے لگی اور لوگوں نے وہ دینار جمع کر
 لئے۔ آپ کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ قلم بیان کرنے سے قاصر ہے
 آپ کا وصال ۱۷ھ میں بصرہ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوعلی فضیل بن عیاض قدس سرہ

آن مقدمہ تابعان، آل معظّم نائبان، آل آفتاب کرم و احسان، آن و در دریلے
 و سع و عرفان آن از دو کون کردہ اعراض ابوعلی خواجہ فضیل ابن عیاض مرید و خلیفہ تھے
 حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید کے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ طبقہ اولی یعنی
 پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعلی ہے۔ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے بعض
 کہتے ہیں کہ آپ کا اصل وطن خراسان تھا اور مرو کے مضافات میں رہتے تھے۔ آپ کی
 پیدائش سمرقند میں ہوئی اور وہیں آپ کی تربیت ہوئی۔ شیخ فریدالدین عطار کہتے ہیں
 آپ اکابر اولیاء میں سے تھے آپ طریقت میں ماہر فن اور بحر حقیقت میں غرق تھے۔
 آپ خلقت کے مرجع تھے اور ریاضت اور کرامات میں عالی مقام رکھتے تھے۔ ورع
 (نیکی) اور معرفت میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ ابتدائے حال میں آپ پلاس پہنتے تھے
 ریشم کا کلاہ سر پر اور تسمیع گلے میں رکھتے تھے۔ آپ کے بہت دوست تھے جو سب چور
 اور رہزن تھے جہاں کہیں وہ قافلہ لوٹتے سب مال و متاع آپ کے سامنے لا کر رکھتے۔
 اور آپ تقسیم کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ان کے سردار تھے۔ اور مال میں سے جس قدر
 چاہتے تھے اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔ اس سے آپ مسجد بنواتے اور جو کوئی نماز باجماعت
 نہ پڑھتا تھا اُسے نکال دیتے تھے۔ ابتدا میں آپ ایک عورت پر عاشق تھے۔ اور رہزنی
 میں جو کچھ ہاتھ لگتا تھا آپ اُس کے پاس بھیج دیتے۔ کبھی آپ کے پاس جا کر محبت کی
 وجہ سے روتے تھے۔ اور اسی محبت کی وجہ سے جس قافلے میں کوئی عورت ہوتی اُسے نہ

ٹوٹے۔ اور ہر شخص کے لیے بقدر ضرورت مال چھوڑ دیتے۔ ایک دن آپ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک قافلہ ٹوٹنے نکلے۔ قافلے میں ایک آدمی یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اللہ یاءت الذین آمنوا ان یخشع قلوبہم لذکر اللہ (یعنی کیا ابھی وقت نہیں آیا مومنوں کے لیے کہ ان قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بیدار ہوں) یہ آیت تیر کی حضرت فضیل بن عیاضؓ کے دل میں جاگئی۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی اور اس کام سے توبہ کی۔ اس کے بعد آپ نے تمام حق داروں کو راضی کر لیا۔ لیکن ایک یہودی تھا جو کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ کافی گفت و شنید کے بعد اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے جب تک تو میرا مال نہیں دے گا تجھے معاف نہیں کر دوں گا۔ اب میرے سر ہانے کے نیچے کچھ سونا پڑا ہے اسے اٹھا لاؤ۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سر ہانے کے نیچے ڈالا اور سونا نکال کر اسے دے دیا۔ یہ دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔ جب آپ نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ جو کوئی صدق دل سے توبہ کرتا ہے اس کے ہاتھ لگانے سے خاک بھی سونا بن جاتی ہے۔ میں نے تیرا امتحان لینے کی خاطر سر ہانے کے نیچے مٹی رکھ دی تھی جو تمہارے ہاتھ میں سونا بن گئی ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری توبہ سچی ہے۔ اس کے بعد آپ کو فخر شریف لے گئے اور امام ابو حنیفہؒ کی صحبت میں رہے۔ وہاں آپ نے مشہور اولیاء اللہ کی صحبت پائی۔ وہاں سے آپ کو معطر چلے گئے۔ وہاں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت فضیل بن عیاضؓ کے پاس گیا۔ آپ آیات و احادیث پر گفتگو فرما رہے تھے۔ بہت مبارک رات تھی اور بہترین صحبت۔ اس سے بہتر صحبت مجھے کبھی نہ ملی تھی۔ لیکن حضرت فضیلؓ نے فرمایا کہ بہت خراب صحبت رہی۔ میں نے پوچھا کس طرح فرمایا اس لیے کہ تم اس کو کشش میں تھے کہ ایسی بات کرو۔ جو مجھے اچھی لگے اور میں یہ کو کشش کر رہا تھا کہ ایسا جواب دوں جس سے تم خوش ہو جاؤ۔ اس وجہ سے ہم دونوں حق گوئی سے باز رہے۔ اس سے تنہائی اور حق تعالیٰ کے مناجات بہتر تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ بیمار ہو جاؤں کیونکہ بیماری کی حالت میں نہ نماز باجماعت کے لیے جانا پڑے

کسی کو دیکھوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا شکر گزار ہوتا ہوں جو میرے پاس سے گزرے اور سلام نہ کرے (اس وجہ سے غلبہ حال میں سلام کا جواب بھی مشکل ہو جاتا ہے) اور جب میں بیمار ہوں تو عیادت کے لیے کوئی نہ آئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب رات ہوتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ مجھے حقیقی خلوت نصیب ہوتی ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو لوگوں کی آمد و رفت سے غمناک ہوتا ہوں اور مجھے تشویش ہوتی ہے۔

ازاں تنہائی و ملک غریبی شد ہوس مارا کہ روزی چند نشنا سم من کس و کس را
 ترجمہ: میں تنہائی اور مفلسی اس لیے پسند ہے کہ نہ مجھے کسی کی جان کی ضرورت رہتی ہے نہ پہچان کی
 نقل ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید آپ کی زیارت کے لیے گیا۔ آپ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ بادشاہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ بادشاہ کے وزیر فضل برکی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین ہے۔ آپ نے فرمایا امیر المؤمنین کا میرے ساتھ کیا کام۔ اور مجھے اس کے ساتھ کیا کام۔ وزیر نے کہا اول الامر (بادشاہ وقت) کی اطاعت واجب ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے تشویش ہوتی ہے۔ پس آپ نے چراغ بجھا دیا اور دروازہ کھول دیا۔ ہارون الرشید گھر کے اندر داخل ہو گیا اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اچانک ہاتھ حضرت خواجہ فضیلؒ کے ہاتھ سے جا لگا۔ آپ نے فرمایا کیا نرم ہاتھ ہے اگر دوزخ کی آگ سے بچ جائے تو۔ یہ سن کر ہارون الرشید پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت عباسؓ نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، درخواست کی تھی کہ مجھے کسی ملک کا والی بنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا جان! اس سے طاعت حق بہتر ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کچھ اور فرمائیں۔ آپ نے فرمایا جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہؒ اور محمد بن کعبؒ کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کام میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اب بتائیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ بڑوں کو باپ کی طرح سمجھو۔ جوانوں کو بھائی سمجھو۔ چھوٹوں کو اپنے بیٹوں کی طرح جانو۔ عورتوں کو بہن سمجھو۔ الغرض جب کافی نصیحت کے بعد ہارون الرشید

فارغ ہوا تو اس نے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ آپ نے فرمایا میری نصیحت سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تم نے یہیں سے ظلم کا آغاز کر دیا ہے۔ میں تیری نجات کی کوشش کر رہا ہوں اور تو مجھے بلا میں مبتلا کر رہا ہے۔ یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے۔ ہارون الرشید بھی رخصت ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا کہ مردِ حقیقت میں خواجہ فضیل بن عیاض ہے۔ یہ بھی حضرت خواجہ فضیلؒ تھے فرمایا ہے کہ میں حق تعالیٰ کی عبادت محبت کی وجہ کرتا ہوں نہ کہ خوف کی وجہ سے آپ سے کسی نے پوچھا کہ اصل دین کیا ہے آپ نے فرمایا عقل، انہوں نے پوچھا کہ عقل کی اصل کیا ہے فرمایا علم، انہوں نے پوچھا علم کی اصل کیا ہے فرمایا صبر۔ نجات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ فضیلؒ کا ایک لڑکا تھا جو زہد و عبادت اور خوفِ خدا میں آپ سے بہتر تھا۔ ایک دن مسجد الحرام میں چاہ زمزم کے قریب کسی نے یہ آیت پڑھی۔ یوم القیامة قومی المجرمین۔ قیامت کے دن مجرم لوگ دکھیں گے کہ... یہ سنتے ہی انہوں نے ایک آہ نکالی اور جاں بحق ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا جو عشقِ الہی میں جان دے اسے اسی طرح جان دینی چاہیے کہ ایک اشارہ میں جان حق کے سپرد کر دی۔ نقل ہے کہ حضرت خواجہؒ کو تیس سال تک کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا سوائے اس دن کے کہ جب آپ کے لڑکے نے انتقال کیا۔ اس دن آپ نے تبسم فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اسے خواجہ یہ ہنسنے کا کیا مقام ہے فرمایا اس کی موت پر خدا تعالیٰ راضی تھا میں بھی اس کی رضا کی موافقت میں خوش ہوا۔ آپ کے کرامات و کمالات حدِ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کی دو لڑکیاں تھیں۔ آپ نے اپنے عیال سے فرمایا کہ جب مجھے دفن کر دو تو ان لڑکیوں کو کوہِ بوقیس پر لے جانا اور کہنا کہ الہی فضیلؒ نے ہمیں وصیت کی ہے کہ ان کو میں نے آپ کے سپرد کیا۔ آپ کے وصال کے بعد اسی طرح کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد میں کا امیر اپنے دو لڑکوں کے ساتھ وہاں سے گزرا ان کو دیکھ کر اس نے حال دریافت کیا۔ جب لوگوں نے حال بتایا تو اس نے اسی وقت ان دو لڑکیوں کا عقد نکاح اپنے دو لڑکوں کے ساتھ کر دیا اور انہیں اپنے ساتھ میں لے گیا۔ آپ کی وفات ماہِ محرم ۱۸۷ھ میں مکہ معظمہ میں اس طرح واقع ہوئی کہ کسی نے سورۃ القاریہ پڑھی آپ نے ایک نعرہ لگایا اور جاں بحق ہو گئے۔ جَزَاءُ اللَّهِ

سلطان التارکین، مقرب حضرت رب العالمین، تارک مملکت دنیا، صاحب سلطنت عقبی، ظل اللہ فی العالم القدم، افرادِ کامل، خواجہ ابراہیم ادھمؒ قدس سرہ، طبقہ اولیٰ میں سے تھے۔ آپ کی کنیت ابواسحاق ہے۔ آپ نسا ادھم بن سیمان بن منصور بلخی شاہان بلخ کی اولاد سے تھے۔ خرقہ خلافت آپ کو حضرت فضیل بن عیاضؒ سے ملا۔ آپ نے عہد شباب میں توبہ کی شیخ فرید الدین عطارؒ نے آپ کی توبہ کے تین چار سبب تذکرہ اولیاء میں لکھے ہیں۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شکار کے وقت ہاتھ نے آواز دی کہ تم اس کام کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ چنانچہ آپ آگاہی پا کر توبہ کی۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ قدس سرہ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام نے آپ کی راہبری کی۔ اور اس راستے میں مرتبی ہوئے اور تربیت کی۔ آپ مقتدائے قوم اور صدیق جہاں تھے۔ اور ترک و تجرید، زہد و ورع، معاملات و حقائق اور کمالات ظاہری و باطنی میں بے نظیر تھے۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ امام محمد باقرؒ سے بھی آپ نے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ امام عظیمؒ آپ کے سیدنا ابراہیم ادھمؒ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ امام صاحب کے شاگردوں نے پوچھا کہ انہوں نے سیادت (سروری) کہاں سے پائی۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کے حضور میں مشغول ہیں اور ہم دوسرے کاموں میں۔ خواجہ جنید بغدادی جو اولیاء اللہ کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ فصیح العلوم (علوم کی چابی) ابراہیم ادھمؒ ہیں۔ لیکن ان تمام کمالات کے باوجود آپ اپنے حال پر رویا کرتے تھے۔ بلخ سے آپ مرو تشریف لے گئے اور وہاں سے نیشاپور پہنچے۔ اور وہاں کی مشہور غار میں نو سال تک مقیم رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس غار کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ ہر جمعرات کے دن آپ اس غار سے باہر نکل کر لکڑیوں کا گٹھا جمع کرتے اور شہر جا کر فروخت کرتے تھے۔ اور جو کچھ وصول ہوتا اس سے روٹی خریدتے۔ آدھی خیرات کرتے اور جمعہ کی نماز ادا کر کے پھر غار میں چلے جاتے تھے اور پورا ہفتہ اسی طرح وہاں بسر کرتے۔ آپ سے بعض کرامات بنا قصد صادر ہونے لگے جس سے لوگوں پر آپ کی بزرگی ظاہر ہوئی۔ یہ دیکھ کر آپ اس غار سے بھاگ کر مکہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ

بیابان میں جا رہے تھے کہ ایک بزرگ نے آکر آپ کو اسم اعظم تعلیم کیا۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ آپ ہر قدم پر دو گانہ نفل ادا کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ چودہ سال کی مدت میں آپ کو معطر پہنچے۔ مگر کے تمام اولیاء کرام آپ کے استقبال کے لیے باہر آئے اور سب نے آپ کی بہت تعظیم کی۔ وہاں آپ نے خواجہ فضیل عیاضؒ کی خدمت میں جا کر تربیت حاصل کی۔ اور پچاس سال حرم شریف میں مجاور رہے۔ شرح آداب المریدین میں لکھا ہے کہ آپ مدت تک بصرہ کی جامع مسجد میں معتکف رہے اور تین رات دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے۔ جس رات آپ روزہ چھوڑتے۔ لوگوں کے دروازوں پر بھیک مانگ کر افطار کرتے۔ لیکن جب آپ کی شہرت بڑھ گئی اور کرامات ظاہر ہونے لگیں تو خلقت آپ پر ٹوٹ پڑی۔ اس لیے آپ خلق سے بھاگ کر سفر میں رہتے تھے۔ خواجہ عطائیؒ جو خواجہ عبداللہ بن مبارک کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ خواجہ ابراہیم نے فرمایا کہ ایک رات میں نے کعبہ کو خالی پا کر طواف شروع کیا اور حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے گناہوں سے محفوظ رکھیں۔ آواز آئی کہ ساری خلقت ہم سے یہی طلب کرتی ہے اگر ہم سب کو گناہوں سے محفوظ رکھیں تو دریائے رحمت و غفاری و غفور کہاں جائے۔ پھر میں نے عرض کیا یا اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔ آواز آئی کہ تمام خلقت کے لیے مجھ سے مانگ اپنے لیے کچھ نہ مانگ کیونکہ دعا وہ اچھی ہے جو دوسروں کے لیے مانگی جائے۔ شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ ابراہیم ادھمؒ بلخ چھوڑ کر مکہ پہنچے تو ان کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ لڑکے نے جو ان ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کہاں ہے اس کی والدہ نے سارا ماجرا سنایا اور بتایا کہ اب وہ مکہ میں مقیم ہیں۔ پس باپ کی زیارت کے لیے وہ مکہ پہنچا۔ آپ نے جب اسے دیکھا تو شفقتِ پدری نے غلبہ کیا۔ آپ نے اسے پاس بٹھا کر پوچھا کہ تم کس دین پر ہو اس نے جواب دیا دین محمدیؐ پر ہوں۔ آپ نے کہا الحمد للہ۔ آپ بیٹے سے اس قدر مہربانی کے ساتھ پیش آئے کہ آواز آئی کہ ہماری دوستی کا دعویٰ کرتے ہو اور دل بیٹے کے ساتھ لگاتے ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ الہی جو کچھ میرے اور آپ کے درمیان حجاب ہوا ہے اُسے اٹھالے۔ یہ کہنا تھا کہ آپ کا بیٹا فوت ہو گیا۔ اور آپ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی اور نہ آپ نے شادی کی۔ لیکن شفیق بلذریٰ کے والد ابراہیم بلخی اور بزرگ

ہیں جو حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے ہم عصر تھے۔ ان کا مزار بھی بلخ میں ہے۔ ان کی اولاد اپنے آپ کو خواجہ ابراہیم ادھمؒ سے منسوب کرتی ہے لیکن اکثر معتبر کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ آپ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی تھی۔ نقل ہے کہ خواجہ ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا کہ پندرہ سال تک میں نے سختی مشقت اور محنت بھیلنے کے بعد یہ آواز سنی کہ کن عبد اُفاسترحمت میرا بندہ بن اور راحت پا، بحکم فاستقم کما امرت (جیسا کہ حق تعالیٰ نے کلام پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ ہمارے حکم کے استقامت کے ساتھ پابند ہو جاؤ۔)

آخر عمر میں آپ کا تصرف بہت بڑھ گیا تھا۔ آپ کثرت سے طعام تیار کر کر غربا و مسکین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ چہل مجلس میں فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے پاس گئے۔ آپ نے مصتے کے نیچے ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر درہم نکالے۔ اور نوکر سے فرمایا کہ تین من (ایک من ۱۳ سیر کے برابر تھا) روٹی اور شہد لاؤ۔ خواجہ سفیان ثوریؒ نے کہا ہم صرف دو آدمی تو ہیں اس قدر اسراف کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کھانے کی چیزوں میں اسراف نہیں ہوتا اگر زیادہ ہوگا تو اور لوگ کھا لیں گے۔ چہل مجالس میں یہ بھی خواجہ بایزیدؒ سے روایت منقول ہے کہ آپ کے پاس کافی

سامان تھا اور بے شمار بھیر بکریاں تھیں اور آپ بہت خرچ کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ دُبا کے کنارے بیٹھے کپڑا سی رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ بلخ کی سلطنت چھوڑ کر آپ کو کیا حاصل ہوا ہے۔ آپ نے اپنی سوئی دریا میں ڈال دی اور حکم کیا کہ سوئی لاؤ یہ کہتے ہی ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں سونے کی سونیاں لے کر باہر نکل آئیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنی لوہے کی سوئی درکار ہے۔ ایک کمزور مچھلی ان کی سوئی لے کر باہر آئی۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا یہ ہے کترین مرتبہ جو میں نے سلطنت چھوڑ کر پایا ہے۔ اس سے زیادہ دیکھنے کی تو طاقت نہیں رکھتا۔ آپ کے کمالات و کرامات اس قدر ہیں کہ تحریر میں نہیں آتے۔ شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ گم ہو گئے۔

معلوم نہیں کہ آپ کی قبر کہاں ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا مزار مبارک بغداد میں امام احمد حنبل کے مزار کے متصل ہے بعض کا خیال ہے کہ ملک شام میں حضرت لوط علیہ السلام کے مزار کے پاس ہے۔ نغمات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ملک شام ۱۲۱ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۱۶۶ھ میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق آپ کی وفات یکم ماہ شوال ۱۸۷ھ کو ابو عبد اللہ خلیفہ سوم کے عہد حکومت میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ خذیفہ مرعشیؒ

وافر الفضل والاحسان، اکرم الرجال اہل ایمان، ملک الاولیاء، امام الفقرا، مست جام بے غشی خواجہ خذیفہ مرعشی قدس سرہ اکابر مشائخ وقت اور پیشوائے اولیاء صاحب اسرار تھے زہد و عبادت اور ترک و تجرید میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ حقائق و معارف میں آپ نے بلند کلمات فرمائے ہیں۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ سے حاصل کیا۔ اور جو نعمت کہ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے خضر علیہ السلام، امام محمد باقرؑ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ سے حاصل کی سب خواجہ خذیفہؒ کے حوالہ کردی اور اپنا جانشین بنایا۔ آپ سفر و حضر میں حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ نے اپنے وقت کے تمام مشائخ سے فیض صحبت حاصل کیا ہے۔ آپ کے کرامات اور کمالات بے شمار ہیں۔ امام یافعیؒ نے روضۃ اہلباب اور روضۃ الریاحین میں آپ کے احوال اور کرامات میں اکثر حکایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چند اہلباب نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اتنی مدت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں رہے ہیں آپ نے ان میں سب سے زیادہ عجیب بات کیا دیکھی۔ آپ نے فرمایا کہ سفر کے دوران چند روز ہم فاقہ میں رہے۔ جب ہم شہر کو ذیہ پہنچے تو ایک دیران مسجد میں قیام کیا۔ خواجہ ابراہیم ادھمؒ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے خذیفہ تو مجھ کو معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت خواجہ سے کیا معنی ہے۔ آپ نے کاغذ اور قلم و دوات طلب فرمائی اور یہ لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، انت مقصود بکل حال یعنی ہر حال میں تو مقصود ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے چند کلمات اور بھی لکھے اور کاغذ میرے

ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ باہر جاؤ اور پہلا شخص جو تمہیں ملے یہ کاغذ اسے دے دینا۔ چنانچہ میں شہر سے باہر گیا۔ مجھے ایک سانڈھنی سوار ملا۔ میں نے کاغذ اسے دے دیا۔ خط کا مضمون پڑھ کر اس نے کہا خط لکھنے والا کہاں ہے۔ میں نے کہا فداں مسجد میں ہے۔ اس نے اپنی ہمیانی دی جس میں چھ سو دینار تھے۔ اور چلا گیا۔

آپ کو مریدین کی تربیت میں کمال حاصل تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے شاہباز آپ کے سلسلہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کے مریدین کا طریق تجربہ ظاہری و باطنی تھا۔ سفر اور حضر میں ذکر جلی (جہری) کرتے تھے اور کسی سے کوئی صلح نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ بے طلب حق تعالیٰ کی طرف سے مل جاتا کھا لیتے تھے۔ اور لوگوں میں تقسیم بھی کر دیتے تھے۔ اور اہل دنیا سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی یہی کرامت کیا کہ ہے کہ ہمارے تمام خواجگان چشت آپ کے حلقہ گوش ہیں۔ آپ کی وفات ماہ شوال کی چودہ تاریخ کو ہوئی لیکن سال وصال معلوم نہیں ہو سکا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ

امام اہل طریقت، سیر حلقہ و اصلاہ حقیقت، تاج العارفین، مقتدائے دین، مخصوص بہ ربیری، قطب وقت خواجہ ہبیرہ بصری قدس سرہ کو خرقہ خواجہ خلیفہ مرعشیؒ سے ملا۔ آپ علمائے اوراد لیا، وقت کے پیشوا تھے۔ آپ معرفت حق میں اور علمائے مشائخ میں مشہور و معروف تھے۔ اور صاحب درجات رفیع اور مقامات عالی تھے۔ آپ کے ریاضات و کرامات بیشمار ہیں۔ مریدین کی تربیت میں آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ صاحب مذہب کہلاتے ہیں۔ اور آپ کے مریدین کو ہبیریان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ آپ کا اور آپ کے مریدین کا طریق یہ تھا کہ رات دن وضو سے رہتے تھے۔ نماز حضور دل سے ادا کرتے تھے۔ غیر کا ذکر آپ کی مجلس میں ہرگز نہیں آتا تھا۔ کیونکہ ان کے لیے غیر کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ صفائی دل کے لیے سجدہ کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ تین چار دن کے بعد جنگل سے میوہ یا سبزی حاصل کر کے افطار

کرتے تھے اور ہمیشہ مراقبہ اور محاسبہ میں رہتے تھے۔ قلب کی آنکھوں سے انوار کا مشاہدہ کرتے تھے اور تجربہ کی حالت میں صحرا میں رہتے تھے۔ شہر اور بستیوں میں سکونت نہیں کرتے تھے۔ خلق کے ساتھ ملنا جلنا ترک کرتے تھے چونکہ باطنی طور پر تمام مقاصد کو خیر باد کہہ چکے تھے ان کی آرزو یہ تھی کہ ظاہر کو بھی باطن کا ہمزنگ بنا کر

توحید میں فنا حاصل کریں۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے بیت سے

ظاہر و باطن چو شد تسلیم دوست

ماکنوں حقاً مسلمان میردیم

[جب ہمارا ظاہر و باطن دوست کے حوالہ ہو گیا۔ اب ہم حقیقی مسلمان ہو گئے]

آپ کے کمالات و کرامات بیشمار ہیں۔ جب آپ کے مریدین کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں تو آپ کے کمالات کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ اس طائفہ کے ہاں کشف و کرامات کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے خواجگان چشت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں پندرہ مقامات سلوک قرار دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے پانچواں مقام کشف و کرامات کا ہے۔ پس جب تک مقام کشف و کرامات سے نہیں گزرتا باقی دس مقامات طے نہیں کر سکتا۔ اور بلند ہمت سالک وہ ہے جو کسی مقام پر قیام نہ کرے۔ اس کے بعد فنائے مطلق حاصل ہوتی ہے۔ اور فنائے مطلق کمال شوق کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ بزرگان نے لکھا ہے کہ بندہ اور حق کے درمیان ستر ظلمانی اور ستر نورانی حجاب حائل ہیں اور یہ تمام پردے بے حد ریاضت و مجاہدہ اور ترک ماسوائی اللہ سے قطع ہوتے ہیں اور شوق کے بغیر ہرگز قطع نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے عارفین نے لکھا ہے کہ یہ راستہ کسی طرح سے قطع نہیں ہوتا بجز شوق و عشق کامل کے، جانکہ کسرت حریفے بس است (دانا کے لیے نکتہ کافی ہے) خواجہ ہبیرہ علیہ رحمۃ کی وفات سات ماہ شوال کو ہوئی لیکن سن و سال معلوم نہیں ہو سکا۔ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ۔

حضرت خواجہ مشاد دینوریؒ

مقتدائے طریقت اعارف حقیقت محقق برہبری، شیخ وقت
خواجہ مشاد دینوری قدس سرہ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا وطن
دینور ہے دینور ایک شہر ہے جو کرمانشاہ کے مغربی گوشستان میں واقع ہے
آپ کی تربیت بغداد میں ہوئی۔ آپ مشائخ عراق میں سے تھے۔ آپ
جو اندری میں یگانہ روزگار تھے۔ علم و عمل اور کرامات اور ظاہر و باطن میں آپ
صاحب کمال تھے۔ آپ نے اکثر مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ آپ خواجہ
جنید بغدادی کے اصحاب میں سے تھے آپ محمد ریم اور خواجہ ابو الحسن فری دینور
کے مہمصر تھے۔

دل آئینہ حق نما ہے

آپ فرماتے ہیں کہ باطن میں حق تعالیٰ نے عارف کو ایک آئینہ دیا ہے کہ جب اس
میں نگاہ ڈالتا ہے اللہ کو دیکھتا ہے۔

(شیخ الاسلام فرماتے کہ حق تعالیٰ کی مومن کے دل میں جگہ ہے کہ صوفیا کے
نزدیک اسے ستر (لطیف ستر جو لطیف قلب و لطیف روح کے درمیان وسط
سینہ میں ہے) کہتے ہیں وہاں حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی جب
تک آدمی تفرقہ میں رہتا ہے یعنی دنی کے مقام پر ہوتا ہے پریشان رہتا ہے جب
اس سے نکل جاتا ہے آرام پاتا ہے۔ خواجہ مشاد فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے
مجھے بہشت اور جو کچھ اس میں ہے دکھاتے ہیں لیکن میں گوشہ چشم سے بھی اس
کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ مقام حضور کے بعد حق
تعالیٰ کے غیر کو دیکھنا حق تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرماتے ہیں۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا لَهْفَیْ (آپ
کی نظر نے نہ دوسری طرف دیکھا نہ حد سے تجاوز کیا) یعنی قوت مد کرنے دوسری طرف

رجوع نہ کیا اور حد سے نہ گزری یعنی غیر کی طرف نگاہ نہ کی۔ یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ معرفت حق تعالیٰ کے ساتھ محقق ہونا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی بزرگ کی خدمت میں کوئی سوال نہیں کیا بلکہ صاف دل ہو کر ان کی خدمت میں بیٹھا ہوں۔ اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ نیز فرمایا (طریق و الحق بعینہ والیر مع الحق شدیداً) (حق تعالیٰ کا راستہ دور ہے لیکن اس کا راستہ سخت ہے۔) شیخ الاسلام فرماتے ہیں اگرچہ طریق حق دور ہے لیکن وہ خود دستگیری فرماتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ وصول الی اللہ یعنی حق تعالیٰ کے قرب میں رہنا شدید ہے لیکن حق تعالیٰ خود مونس و مددگار ہوتے ہیں اور کام آسان ہو جاتا ہے (نیز آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق تعالیٰ کے کسی دوست کی دوستی کا انکار کرے کہینہ ہے اس کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ اسے ملا ہے (یعنی جو دولت ایمان اسے حاصل ہے) اس سے چھین لینی چاہیے یا پھر تو بہ کر لے۔ نیز فرمایا کہ مرید وہ ہے جو مشائخ اور بزرگانی طریقت کی عزت کرے اسباب

ترک کر کے توکل اور تجربہ اختیار کرے اور آداب شریعت بجالائے۔ نغمات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ ابو عبد اللہ طانی رحمہ نے فرمایا ہے کہ میں نے خواجہ محمد خفیف سے سنا ہے کہ خواجہ مشاد دینوری کو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کھڑے ہیں اور ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور یہ مناجات کر رہے ہیں۔ کہ اے پروردگارِ قلوبی (یعنی اے میرے دل کے پروردگار) اور پروردگارِ قلوب۔ جب آپ یہ کہہ رہے تھے تو آسمان آپ کے سر کے نزدیک ہو رہا تھا حتیٰ کہ آسمان آپ کے سر پر گر پڑا اور پھٹ گیا، اور خواجہ مشاد کو اٹھالیا۔ آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔



حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی قدس سرہ

تاج اولیاء، سراج صفیاء، ملک المشائخ باتفاق، قلب ابدال باحقاق، مستغنی از نمود زیادہ شتی مقتدانے وقت خواجہ ابواسحاق چشتی قدس سرہ بلو شاہ عالم راز و نیاز تھے۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ علی دینوریؒ سے حاصل کیا تھا چوہ سلسلوں کے رسالہ اور نیز لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ آپ مرید ہونے کی سزئی سے ملک شام سے بغداد پہنچے۔ اور حضرت خواجہ دینوریؒ کے مرید ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے دریافت کیا کہ نام کیا ہے آپ نے جواب دیا مجھے ابواسحاق شامی کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا آج سے مجھے ابواسحاق چشتی کہیں گے اور اہل چشت اور اس ملک کے لوگ آپ سے پدایت پائیں گے۔ اور جو لوگ آپ کے سلسلے میں داخل ہوں گے ان کو بھی قیامت تک لوگ چشتی کہیں گے۔ پس تربیت کے بعد حضرت خواجہ نے آپ کو چشت بھیج دیا اسی دن سے خواجگان چشت اہل بہشت کا ظہور ہوا۔ خواجگان چشت کے سردار پانچ حضرات ہیں۔ جن میں بیخ تن کہا جاتا ہے۔ اول حضرت خواجہ ابواسحاق چشتیؒ دوم حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ سوم حضرت خواجہ محمد چشتیؒ چہارم حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ پنجم حضرت خواجہ مودود چشتیؒ خواجگان چشت کا طریق یہ ہے کہ سنت نبویؐ کے مطابق کسی شہر یا قصبہ میں سکونت اختیار کرتے ہیں اور خلقت کو حق تعالیٰ کی جانب مشغول کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ماسوائے حق ہوتا ہے۔ اس سے باز رکھتے ہیں، ہمیشہ صفائے باطن کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ اور مذہب صوفیہ پر جو انہیں پیرانہ سلسلے سے متحکم ہو جاتا ہے وہیں اور دوسواں کو ہرگز نہیں آنے دیتے کیونکہ کشائش کار اسی طریقہ صوفیہ میں ہے۔ ریاضت کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور فقر کو غنا سے افضل سمجھتے ہیں اور فیر سے بہت محبت کرتے ہیں، مہمان کی خدمت نہایت اہتمام سے کرتے ہیں۔ سماع اور اہل سماع کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ مشائخ کا عرس بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ اور سب لوگوں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور صلح کل کے مسلک کی بنا پر ہر فرقہ کے لوگوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان حضرات کی نظر

ہمیشہ وحدت الوجود پر رہتی ہے۔ اگرچہ کثرت میں رہتے ہیں لیکن ہمیشہ جمال احدیت کا
 کا شاہدہ عین کثرت میں کرتے ہیں۔ مریدین کو سب سے پہلے لا موجود الا اللہ
 کا مرقہ تعلیم کرتے ہیں تاکہ ایمان حقیقی سے محروم نہ ہوں۔ اور جو مشغل و درو، یا عبادت جو
 یہ حضرات اختیار کرتے ہیں بے گور تک جاری رکھتے ہیں سوائے ان مشاغل کے کہ
 جن کے ترک کا اشارہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب سے حاصل کرتے ہیں۔ ہمیشہ مست ہونے
 رہتے ہیں۔ یعنی سکر و محو کے جامع ہوتے ہیں بخلاف طیفوریوں اور جنیدیوں کے۔ کیونکہ
 جنیدی محو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں اور طیفوری سکر کو محو سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور حسین بن
 منصور فرماتے ہیں کہ محو و سکر دو ایسے صفات ہیں جو بندہ کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ جب
 تک کہ بندہ اپنی صفات سے قافی نہ ہو اپنے خداوند سے محبوب رہتا ہے پس اس صورت
 میں جب تک بندہ ان دونوں صفات سے مجرّد نہ ہو دونوں صفات کو جمع نہیں کر سکتا۔
 اور یہ سنت ہے خاص حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ کیونکہ آنحضرت
 سکر و محو پر قادر تھے۔ کبھی صفت سکر سے موصوف ہوتے تھے اور فرماتے تھے لی
 مع اللہ وقتاً۔۔۔۔۔ الی آخر [کسی وقت میں ایسی حالت میں ہوتا ہوں کہ نہ کوئی
 نبی مرسل کی وہاں تک رسائی نہ ہو سکتی ہے نہ ملائک مقرب کی] کبھی آنحضرت
 حالت محو میں آکر فرماتے تھے ما عندناک حق معرفتک (ہم نے تجھے تیری معرفت
 کے مطابق نہیں پہنچایا)۔ پس ان دونوں صفات کے جامع وہ حضرات ہوتے ہیں جو
 جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ فہم من ہما (کچھ جس نے کچھ)
 حضرات چشتیہ تواضع اور اخلاق حمیدہ سے استعد متصف ہوتے ہیں کہ کوئی گروہ ان
 سے نفرت نہیں کرتا۔ عقل اور زیر کی کو علم پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنجشکر
 فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عقل و علم پسند کرنے میں اختیار دیا۔ آپ
 نے عقل پسند فرمایا اور مرتبہ عرفان پہنچ گئے اور ابلیس اپنے علم پر مغرور رہا۔ علم لدنی حضرات
 چشتیہ کے نہایت عزیز ہے مریدین کو ابتدائے حال میں صفا نے باطن کے لیے اس
 قدر کوشش کراتے ہیں کہ بزرگوں کی روحانیت کی محبت اور حضور دل میسر آجاتا ہے تاکہ

غلطیوں سے بچ جائیں اور تمام مسموری و معنوی (ظاہری و باطنی) حق تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق سرانجام ہوں کیونکہ ان کا حال بنائیت معتبر ہوتا ہے یعنی انبیاء عظیم السلام کو وحی ہوتی ہے اور اولیاء کو الہام ہوتا ہے۔ (العلماء ورتہ الانبیاء) علی انبیاء کے وارث میں سے یہی مقام مراد ہے۔ اور ان پر حضور حق اس قدر غالب ہوتا ہے کہ وگوں کی مدح و قدح (تعریف اور برائی) کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ جس طریق اور جس شغل سے ان کو باطنی ترقی ہوتی ہے وہی اپنا مشرب بنا لیتے ہیں۔ ان کا اصلی مشرب عشق و انکسار و ترک و ایثار ہے۔ نغمات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ مذہب میں میں نے خواجہ احمد چشتیؒ سے قوی تر کسی کو نہیں دیکھا۔ اور تمام چشتی اسی طرح خلق سے بے باک اور باطن میں شاہسوار تھے۔ یہ حضرات ہر حال میں اخلاص اور ترک ریا کی طرف کوشاں رہتے ہیں۔ اور کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھتے۔ یہ بھی شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بھائی خواجہ احمد چشتیؒ سے بڑھ کر مرتبہ مشاہدہ فراست اور کشف ذات مطلق میں کسی کو نہیں دیکھا۔ صاحب کشف المحجوبؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ کے ایک گروہ نے طریق طاعت اختیار کر رکھا ہے اور ملامت خلوص کے حصول میں عظیم اثر رکھتی ہے تمام اہل حق کا مشرب طاعت رہا ہے۔ اور یہ خاصہ ہے بزرگان امت محمدیہ کا اور خود رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو اہل حق کے امام و مقتدا تھے کیونکہ جب تک آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی آپ رب کے نزدیک نیک نام اور بزرگ تھے اور جب نبوت ملی خلقت کی زبان

پر ملامت کے کلمات جاری ہو گئے کسی نے کہا کاپن ہیں کسی نے کہا مجنون ہیں کسی نے کہا کاذب ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) وغیرہ وغیرہ۔ حق تعالیٰ نے مومنین کی صفت یوں بیان فرمائی ہے۔ لا یخافون لومة لائم۔ ذالک فضل اللہ یؤتی من یشاء واللہ سمیعٌ علیہم۔ [تہمت لگانے والے کی تہمت سے نہیں ڈرتے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ سمیع اور عظیم ہے] اور حق تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ مقبول حق ہجور خلق ہوتا ہے اور مقبول خلق ہجور حق ہوتا ہے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ ابوالسحاق چشتیؒ مکاشفات کے پوشیدہ رکھنے میں بے حد کوشش

فرماتے تھے اسلئے آپ نے صورت صحو اختیار کر رکھی تھی تاکہ عوام آپ کے کمال حال سے مطلع نہ ہوں۔ اور صوفیا کے نزدیک یہ مقام بہت بلند ہے۔
 خواجہ احمدؒ بھی جو مشائخِ ہشتیہ کے سردار ہیں آپ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ حضرت خواجہ
 ابواسحاقؒ ہشتی کا مزار عسکہ میں جو شام کے علاقے میں ہے۔ جسے اہل یورپ (Acce) کہتے ہیں۔ آپ کی تاریخ وصال چودہ ماہ ذیح لاخر ہے لیکن سن و حال معلوم نہیں۔ آپ طبقہ
 ثانیہ سے تعلق رکھتے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالاحمد ہشتیؒ

عمدہ ابرار، قدوہ اخبار، رئیس اولیا، پیشوائے اصفیا، پاک از دنیا دہشتی، قطبِ اہل
 خواجہ ابوالاحمد ہشتی قدس سرہ، انواع و اقسام کے کرامات، درجات اور مشاہدات سے آراستہ
 تھے۔ فنائے احدیت میں گم تھے اور دوست کے بھیدوں میں سے کوئی بھید افشا نہیں کرتے
 تھے۔ آپ نے فرقہ خلافت خواجہ ابواسحاق ہشتیؒ سے حاصل کیا تھا۔ نفحات الانس میں لکھا
 ہے کہ آپ سلطان فرستانہ کے صاحبزادہ تھے جو حسینی شرفا میں سے تھے۔ اور اپنی ولایت
 کے امیر تھے سلطان کی ایک بہن تھی جو نہایت نیک تھی۔ خواجہ ابواسحاق ہشتیؒ ان کے
 گھر جاتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن آپ نے اس صالحہ عورت سے کہا تیرے
 بھائی کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑی شان والا ہوگا۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائی کے
 حرم میں رہ کر اس بات کا خیال رکھو کہ حمل کے ایام میں اس کی والدہ کوئی حرام چیز نہ کھائے۔
 وہ ضعیفہ خواجہ ابواسحاق ہشتیؒ کے فرمان کے مطابق اپنے ہاتھ سے رسیاں بنا کر بچتی تھی اور
 اپنی مہاجج کے لیے رزقِ حلال مہیا کرتی۔ حتیٰ کہ سالہ میں خواجہ ابوالاحمد ہشتیؒ پیدا ہوئے۔
 اور وہی عمدت رزقِ حلال سے آپ کی پرورش کرتی رہی۔ جب کبھی خواجہ ابواسحاقؒ کے
 گھر آتے تھے لڑکے کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ اس سے ایسی بو آتی ہے کہ جس سے یہ خاندان بہت
 بزرگ ہوگا۔ صغیر سنی میں آپ سے عجیب و غریب مشاہدات دیکھنے میں آتے تھے۔ جب
 آپ بیس سال کے ہوئے ایک دن اپنے والد کے ساتھ پہاڑ کی طرف شکار کو گئے دوران
 شکار میں آپ اپنے والد اور ہمراہیوں سے جدا ہو گئے۔ پہاڑ کے اندر جا کر دیکھا کہ رجالِ

میں سے چالیس بزرگ ایک پہاڑ پر کھڑے ہیں اور خواجہ ابواسحاق ان کے درمیان ہیں۔ آپ گھوڑے سے اتر کر خواجہ ابواسحاق کے پاؤں پر گر گئے۔ گھوڑا اور اسلحہ جو کچھ آپ کے پاس تھا سب چھوڑ دیا اور تمام ظاہری و باطنی مقاصد ترک کر کے اونی لباس پہنا اور رجال اللہ کے ساتھ چلے گئے۔ آپ کے باپ اور خدام نے جس قدر تلاش کیا نہ پایا۔ کچھ عرصہ کے بعد خبر ملی کہ آپ خواجہ ابواسحاق کے ساتھ فلان مقام پر ہیں۔ آپ کے والد نے خدام کی ایک جماعت بھیجی تاکہ آپ کو گھر لے آئیں۔ لیکن انہوں نے جس قدر کوشش کی اور خوف دلایا آپ ہرگز واپس نہ آئے۔ دراصل جب سالک کو توحید میں فنا حاصل ہوتی ہے وہ ہرگز اس مقام سے واپس نہیں آتا کیونکہ وحدت سے مراجعت دوئی ہے اور یہاں دوئی کا نام نہیں۔ بیت

چوں قطرہ غرق دریا شد چو باشد وجود قطرہ جز دریا بناشد
 جب قطرہ دریا میں غرق ہو جاتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ قطرے کا وجود نہیں رہتا دریا رہ جاتا ہے، کہتے ہیں کہ آپ کے باپ کا ایک شراب خانہ تھا۔ ایک دن آپ وہاں پہنچ گئے شراب خانہ کا دروازہ بند کر کے تمام جام و ساغر توڑ ڈالے۔ لوگوں نے آپ کے والد کو خبر دی۔ وہ چھت پر آیا اور روزن سے ایک بڑا پتھر آپ پر پھینکا۔ لیکن پتھر ہوا میں معلق ہو گیا۔ اور آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر والد نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ کہتے ہیں کہ خواجہ ابواسحاق چشتیؒ آپ کی تربیت کے بعد روم کی طرف واپس چلے گئے۔ اس کے بعد خواجہ ابوالاحد چشتیؒ قصبہ چشت میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور خلقت آپ سے ہدایت پا کر اصلی مقصد تک پہنچنے لگے۔ آپ مشائخ چشت کے سردار اور خانوادہ کریم اہل چشت کے شیخ ہیں۔ آپ بالاتفاق قطب ابدال تھے۔ اور تمام کمرۂ زمین پر متصرف تھے۔ آپ کی عمر دراز تھی۔ آپ ۳۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۵ھ میں وصال پایا اور قصبہ چشت میں جوہرات سے تیس کوس کے فاصلہ پر ہے دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ



حضرت خواجہ ابو محمد حشتیؒ

قطب المشائخ والفقراء، بزرگ ترین اہل صفا، مجاہد تار، ہم قرین افراد منزہ از جمیع اوصاف زشتی پیشوائے قوم حضرت خواجہ ابو محمد حشتیؒ قدس سرہ انواع و اقسام کے کرامات اور کمالات میں مشہور ہیں اور درجات و مشاہدات میں معروف تھے آپ نے خردِ خلافت حضرت خواجہ ابو احمد حشتیؒ سے پایا۔ سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ اکثر عالم تحریر میں رہتے تھے اور سالہا سال آپ کا پہلو زمین سے نہ لگتا تھا۔ غایت مجاہدہ اور غلبہ شوق کی وجہ سے آپ نماز معکوس پڑھتے تھے۔ آپ کے گھر میں ایک کنواں تھا جس کے اندر آپ الٹا لٹک کر صلوٰۃ معکوس ادا کرتے تھے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو اس وقت اپنا قائم مقام بنایا جب آپ کی عمر چوبیس سال سے زائد نہ تھی لیکن تمام علوم دینی اور حقائق کے عالم ہو چکے تھے۔ آپ بڑے نوابہ اور متقی تھے۔ اور ہمیشہ آپ دنیا اور اہل دنیا سے بینا رہتے تھے۔ آپ ہمیشہ ترک دنیا میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ اول و آخر میں ترک دنیا ہے۔ اس لیے دنیا کے غرور سے دل کی حفاظت کرنی چاہیے۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے کپڑا سخی رہتے تھے کہ بادشاہ کاراکا آپ سے ملنے آیا گھوڑے سے اترا آپ کے سامنے چہرہ زمین پر رکھا اور بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ملک کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا بھوکی سو گئی تو قیامت کے دن وہ والی ملک کا دامن پکڑے گی۔ اس کے بعد شہزادہ نے آپ کے سامنے تحائف پیش کیئے آپ نے تبسم فرما کر کہا کہ ہمارے خواجگان میں سے کسی نے یہ چیزیں قبول نہیں کیں۔ نہ مجھے ان کی ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا الہی اپنے بندوں کی دولت ان لوگوں کو دکھا دے۔ یہ کہنا تھا کہ ہزاروں

مچھلیاں اپنے منہ میں دینار لے کر اوپر آگئیں۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ خزانے عطا فرمائے ہیں۔ اس لیے تیری چیزوں کی ہمیں ضرورت نہیں نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر لشکر کشی کی تو خواجہ ابو محمد حشتی نے اشارہ ہوا کہ اس کی مدد کو جاؤ۔ آپ ستر سال کی عمر میں چند دریشیوں کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو بعض نفیس مشرکین کے ساتھ جہاد کیا۔ ایک دن مشرکین کی فوج نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور لشکر اسلام نے ایک جنگل میں پناہ لی اور شکست کے امکان ظاہر ہونے لگے حضرت خواجہ چشت میں ایک سرید تھا جس کا نام محمد کا کو تھا اسی جگہ سے آواز دی کہ اے کا کو کام کر۔ چنانچہ لوگوں نے فوراً دیکھا کہ کا کو جو جوش میں آیا اور محاربہ کرنے لگا حتیٰ کہ لشکر اسلام نے فتح پائی اور کفار کو شکست ہوئی۔ اس وقت لوگوں نے محمد کا کو کو چشت میں دیکھا کہ پتھر اٹھا اٹھا کر جوش سے مار رہا تھا۔ جب انہوں نے سبب دریافت کیا تو اس نے وہی قصہ بتایا۔ اور تاریخ کی اکثر معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ سلاطین امت محمدی میں سے سب سے پہلا بادشاہ جس نے ہندوستان فتح کیا سلطان محمود غزنوی تھا۔ اگرچہ بعض مورخین مثل مصنف تاریخ فیروز شاہی کلاں وغیرہ نے لکھا ہے کہ وحید بن عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف

نے عماد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کو کہ اس کا بھتیجا اور داماد تھا سترہ سال کی عمر میں لشکر دے کر سندھ فتح کرنے کے لیے شیراز کے راستے بھیجا کئی منزلیں لے کرنے کے بعد راجہ داہر کے ساتھ جو اہل فتنہ فساد کا سرغنہ تھا اور ملک سندھ ملتان اور گردونواح کے علاقوں میں حکمران تھا جنگ کر کے دس ماہ رمضان المبارک ۹۳ھ کو اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد تمام صوبہ سندھ ملتان اور سیستان پر محمد بن قاسم کا تصرف ہو گیا اور راجہ دھر کی لڑکیوں کو مال

غنیمت کے ساتھ حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا۔ لیکن اس باب تاریخ اس واقعہ کو فتح ملک ہندوستان نہیں قرار دیتے بلکہ اسے ایک گوشمالی سمجھتے ہیں چنانچہ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ امیر سبکتگین نے دو دفعہ غزنی سے راجہ جیپال حاکم سندھ پر لشکر کشی کی اور اس کے ملک کو تاخت و تاراج کر کے بہت سا مال غنیمت ساتھ لے گیا۔ لیکن اس کا رول کا محمود غزنوی کسی دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور قلعہ جات فتح کر کے حکومت قائم کر لی۔ ہر مقام پر مناسب افسران کا تقرر کیا خراج حاصل کیا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب اس نے لشکر کشی کی اور ہندوستان آیا اس نے راجہ جے پال والی سندھ کے ساتھ جنگ کر کے اس کا ملک فتح حاصل کی۔ اور سندھ میں قنوج فتح کیا اور اکثر قلعہ جات اور عمارات کو تباہ کر دیا چنانچہ سات مضبوط قلعے جو بلندی میں آسمان سے باتیں کرتے تھے راجہ جے پال کے بھاگ جانے کے بعد گرا دیئے گئے اور دس ہزار بت کدوں کو خاک میں ملا دیا ان فتوحات میں بے شمار مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے ان بت کدوں کی تاریخ تعمیر چالیس چالیس پچاس پچاس ہزار برس لکھی تھی۔ ساکنان سومنات کا خیال تھا کہ سومنات کا بڑا بت اب مسلمانوں سے ناراض ہو گیا ہے اور ان کو تباہ کر دیگا۔ اسلئے کفار بڑی تعداد میں جم ہوئے۔ اور سلطان محمود سے مقابلہ کرنے کے لئے جا پہنچے۔ سلطان نے حکم ارادہ کر لیا کہ سومنات کو مندر فتح کر دوں گا۔ تاکہ وہاں کے لوگوں کا خیال

غلط ثابت ہو جائے۔ پس ۱۶ لاکھ میں وہ نہروالہ اور گجرات کی طرف سے

ملتان کے راستے سومنات کی طرف روانہ ہوا۔

روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ دریا کے کنارے پر ایک بڑا بت خانہ تھا جس کے اندر سومنات کا بت رکھا تھا اور اہل ہند چاند گرہن کی شب کو اس کی زیارت کرتے تھے۔ اس رات ایک لاکھ سے زائد کافر اس بت خانہ کے گرد جمع ہو گئے۔ دس ہزار گاؤں اس بت خانہ کے لئے وقف تھے۔ اور اس

قد جو اہرات وہاں ذخیرہ تھے کہ اس کا دسواں حصہ بھی کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ تھا۔ دو ہزار پجاری مستقل طور پر زناں باندھے ہوئے وہاں عبادت گزار تھے۔ وہاں بے شمار جرس (گھنٹے) لگے ہوئے تھے۔ تین سو گانے والیاں اور پانچ ناچنے والیاں بت خانے کے لیے ملازم رکھی گئی تھیں۔ ایک سنہری زنجیر جس کا وزن بائیس من تھا لٹکا ہوا تھا۔ اگرچہ دریائے گنگا سومات سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن انہوں نے اس کثرت سے سومات اور گنگا کے درمیان ملازم مقرر کیے ہوئے تھے کہ ہر روز تازہ پانی بت کو غسل دینے کے لیے لایا جاتا تھا۔ الغرض جب سلطان محمود مسافت طے کر کے وہاں پہنچا تو دریا کے کنارے پر اس نے ایک مضبوط قلعہ دیکھا۔ مسلمانوں کو دیکھنے کے لیے لوگ کثیر تعداد میں شہر سے باہر نکل آئے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا بت تمام مسلمانوں کو تباہ و برباد کر ڈالے گا آخر جب بہت کوشش اور کشمکش کے بعد قلعہ فتح ہوا تو ہندو بھاگ کر بت خانہ کے اندر جاتے تھے اور بت کو گلے لگا کر دتے تھے اور باہر آکر لڑتے اور جان دے دیتے تھے۔ اس لڑائی میں پچاس ہزار سے زائد کافر مارے گئے۔ اور باقی کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ جس کمرے کے اندر وہ بت رکھا تھا بہت لمبا چوڑا تھا۔ چنانچہ چھین ستون لعل اور زرد سے مرصع چھت کو اٹھائے ہوئے تھے وہ بت پانچ گز لمبا اور تین گز چوڑا تھا۔ سلطان محمود خود بت خانے میں آیا اور گز ہاتھ میں لے کر بت کو توڑ ڈالا۔ وہاں سے اٹھا کر غزنی لے گیا اور مسجد کے سامنے پھینک دیا۔ جس قدر خزانے وہاں جمع تھے سب سلطان کے ہاتھ آئے سومات سے سراز دار کا ہے جو اس وقت ملک نہروالا میں ایک بہت بڑا شہر تھا۔ وہ بت کشن تھا جس وہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ وہاں سے فارغ ہو کر سلطان نے بنارس تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ سلطان کے بھانجا سالار مسعود نے منترکھ بھراچ اور کوہ شمال کے دامن تک علاقہ فتح کر لیا۔ بعد ازاں

سلطان محمود کی اولاد میں سے تیرہ بادشاہوں نے قلعہ لاہور اور نواحی علاقے پر حکومت کی۔ ان میں سے تیرھواں بادشاہ سلطان خسرو ملک تھا جس سے سلطان شہاب الدین غوری نے قلعہ لاہور وغیرہ فتح کر کے اپنے تصرف میں لیا اور اپنے حاکم مقرر کیے پس سلاطین غزنویہ کا سلسلہ ۵۸۳ھ میں ختم ہو گیا چنانچہ تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہندوستان کا سب سے پہلا فاتح سلطان محمد غزنوی تھا۔ ملک ہند کی دوسری فتح خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین سنجری اجیری قدس سرہ کی توجہ کی برکت سے سلطان شہاب الدین معز الدین سام کو میسر ہوئی۔ جس نے رائے پتھوراکو میدانِ دہلی میں قتل کر کے قطب الدین ایبک کو دہلی میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اور واپس غزنی چلا گیا۔ خواجہ بزرگ کے کرم سے آج تک کوئی ہندو دوبارہ ہندوستان پر حکمران نہیں ہوا۔ پس جاننا چاہیے کہ سب سے پہلی اور سب سے آخری فتح ہند خواجگانِ چشت علیہم الرحمۃ کی برکت سے وقوع پذیر ہوئی سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری اس وجہ سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے قابل ہوئے کہ خواجگانِ چشت کا تمام ملک پر تصرف ہے اور جب تک یہ دنیا باقی رہیگی یہ تصرف باقی رہیگا (چنانچہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ ملک ہندوستان چشتیوں کا ورثہ ہے اور بالخصوص طور پر مشائخِ چشتیہ کے تصرف میں ہے) لغات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ ابو محمد کا ایک سرید تھا جس کا نام استاد مردان تھا جو قصبہ سنجان خواف کا رہنے والا تھا۔ وہ کئی سال سے حضرت خواجہ کے لئے استنجا کے ڈھیلوں اور پانی کا انتظام کرتا تھا۔ ایک دن جب آپ نے اسے اپنے دلن واپس جانے کا حکم دیا تو رونے لگا اور عرض کیا کہ میں آپ سے جدائی کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا جس وقت تجھے ہمارے ملنے کی خواہش ہوگی حجاب ہائے جسمانی اور ساقیائے مکانی سرتفع ہو جائیں گے (یعنی وہیں گھر بیٹھے بیٹھے زیارت کر لیا کر دگے) چنانچہ یہی

ہوتا استاد مردان ہمیشہ سنبان سے پشت کو دیکھا کرتے تھے۔ مشرورع میں جب یہ حکایت اس فقیر کاتب حروف (مصنف کتاب ہذا) تک پہنچی یہ بات بعید از قیاس اور مشکل معلوم ہوتی تھی لیکن جب ۱۰۶۵ھ میں یہ فقیر حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرف کی زیارت سے مشرف ہوا اور بے حد نوازشات ہوئیں۔ جو عرض استاد مردان نے حضرت خواجہ ابو محمد چشتی سے کیا تھا وہی بندہ نے حضرت خواجہ غریب نواز سے نواز کیا۔ اور حضرت غریب نواز نے ازراہ کرم فقیر کی درخواست منظور فرمائی۔ اسی روز سے جب موقع مناسب ہونا اور خواجہ غریب کی زیارت کا شوق غالب ہوتا ہے۔ تو اجمیر شریف کا سارا شہر مع روضہ متبرکہ آنحضرت بے حجاب صاف نظر آتا ہے۔ اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ الحمد للہ کہ ہمارے مشائخ کا تصرف حیات و لمات میں برابر ہے چنانچہ خواجگان چشت اور ان کے مریدین کے کمالات و تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور اس مختصر کتاب میں انکی گنجائش نہیں۔ آپ کی وفات ۸۲۷ھ میں سلطان محمد غزنوی کے عہد میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ سلطان محمد غزنوی خلیفہ عباسی ابوالعباس بن اسحاق جس کا لقب قادر تھا کا ہم عصر تھا۔ جو دیکھ کہ سلطان محمد کا تصرف تمام اسلامی ممالک میں تھا لیکن خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی خاطر اس نے بغداد کو خلیفہ عباسی کے تصرف میں دیکر اپنے آپ کو اس کا نائب مقرر کر لیا تھا۔

یا ابا

حضرت خواجہ یوسف ہشتی رح

عالم علوم مشاہدہ و سید زمرہ اولیاء اہل مجاہدہ فارغ از زیبا و زشتی، غرق وصال خواجہ ناصر الدین ابو یوسف ہشتی قدس سرہ بن محمد سمعان جمال معرفت اور کمال حقیقت سے آراستہ تھے۔ کمال حضور کی وجہ سے دریائے احدیت میں غرق تھے۔ ریاضات، مجاہدات و کرامات میں آپ بے نظیر تھے۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ ابو محمد محترم ہشتی سے حاصل کیا تھا۔ صاحب نفاذ الائن (مولانا جامی) فرماتے ہیں کہ آپ خواجہ ابو محمد بن احمد کے ہم شیر زادہ اور مرید و خلیفہ ہیں۔ خواجہ ابو محمد نے پینسٹھ سال تک شادی نہ کی۔ آپ کی ایک ہم شیرہ تھیں۔ جو ہمیشہ اپنے بھائی کی خدمت کرتی تھیں اور آپ کے لئے کھانا وغیرہ تیار کرتی تھیں۔ غرضیکہ چالیس سال تک وہ ہم شیرہ بھی بھائی کی خدمت گاری اور عبادت میں اس قدر منہمک رہیں کہ شادی کا خیال نہ آیا۔ ایک رات خواجہ ابو محمد نے اپنے والد بزرگوار خواجہ احمد کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ ولایت شافلان میں ایک شخص ہے جس کا نام محمد سمعان ہے، اس نے علم حاصل کر لیا ہے اور نیکی کے کام میں کمر بستہ ہے۔ تم اپنی ہم شیرہ کی شادی اس کے ساتھ کر دو۔ آپ نے بیدار ہوتے ہی ان کو تلاش کیا اور ہم شیرہ کی شادی کر دی۔ شادی کے بعد انھوں نے بھی چشت میں سکونت اختیار کر لی۔ خواجہ ابو یوسف ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ خواجہ ابو محمد نے پینسٹھ سال کی عمر میں شادی کی۔ لیکن آپ کا کوئی لڑکا جو ان نہ ہوا۔ اس لئے آپ نے اپنے خواہر زادہ خواجہ ابو یوسف کی اپنے فرزند کی طرح پرورش فرمائی اور سلوک الی اللہ تربیت دی۔ آپ کی وفات کے بعد خواجہ یوسف آپ کے قائم مقام ہوئے۔ پچاس سال کی عمر میں خواجہ ابو یوسف پر غلبہ محبت و ترک دنیا ہوا۔ اس لئے آپ خواجہ حاجی مکی جو بڑے بزرگ تھے اور خواجہ ابواسحاق ہشتی کے منازرات پر جا کر سکون قلب حاصل کرتے تھے۔ آخر آپ نے ایک دن زمین کھود

کر چلے خانہ بنوانے کی کوشش کی۔ ہاتھ غیبی نے آواز دی کہ فلاں جگہ کھود کر چلے بناؤ
 چنانچہ آپ نے وہ جگہ کھدوانی شروع کی جہاں آج کل آپ کا چلہ ہے۔ لیکن زمین
 اس قدر سخت تھی کہ پھاوڑ زمین کے اندر نہیں جاتا تھا۔ آپ نے پھاوڑ اپنے ہاتھ
 میں لیا، خود کھودنا شروع کیا، غرضیکہ چاشت کے وقت سے عصر کی نماز تک آپ
 نے چلہ مکمل کر لیا اور بارہ سال آپ اس چلے میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں آپ پر
 اس قدر فنا اور سکروتیرت طاری ہوتی تھی کہ کبھی کبھی جب خادم آپ کو وضو کراتا
 تو وضو کرتے کرتے آپ گم ہو جاتے تھے اور کئی کئی گھنٹوں کے بعد پھر آپ ظاہر ہوتے
 اور وضو پورا کرتے تھے۔ جب خواجہ عبداللہ انصاری پیرانِ چشت کے مزارات
 کی زیارت کے لئے چشت گئے تو خواجہ ابو یوسف سے بھی ملاقات کی۔ جب آپ
 ہرات واپس گئے تو اکثر مجالس اور محافل میں خواجہ علیہ الرحمۃ کا تذکرہ کیا کرتے تھے
 سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ ابو یوسف کہیں جا رہے تھے راستے
 میں دیکھا کہ لوگ سجد بنا رہے ہیں۔ لیکن ایک شہتیر ناپ سے کچھ کم تھا اس لئے
 راست نہیں آ رہا تھا۔ اس سے وہ لوگ بہت پریشان تھے۔ آپ یہ دیکھ کر
 گھوڑے سے اترے اور مسجد کی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم
 پڑھ کر شہتیر کا سراپہ اُڑا دیا اور دیوار پر رکھ دیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ شہتیر ایک گز دیوار
 سے زیادہ لمبا تھا۔ سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے خواجہ ابو یوسف کسی وجہ سے
 مترود تھے۔ رات کو اپنے شیخ علیہ رحمہ کو خواب میں دیکھا، انھوں نے فرمایا کہ
 اتنی دفعہ سورہ فاتحہ پڑھ لو۔ اس تردد سے خلاصی پاؤ گے۔ خواجہ یوسف ہرات
 پانچ ختم قرآن کرتے تھے۔ ختم قرآن کے بعد آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور آپ کا
 تردد جاتا رہا۔ آپ کے کمالات اور کرامات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ جب آپ کی
 وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ قطب الدین
 مودود چشتی کو تحصیل علم کی وصیت فرمائی اور اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس
 کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کا وصال ۷۵۹ھ میں خلیفہ ابو جعفر عبداللہ قائم

بن قادر خلیفہ عباسی کے عہد حکومت میں ہوا۔ یہ خلیفہ سلطان طغرل بیگ بن میکائیل بن سلجوق کا ہم عصر تھا۔ طغرل بیگ پہلا سلجوق بادشاہ ہے کہ جس نے سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی سے ملک خراسان فتح کیا اور بغداد میں بھی اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ادب کی خاطر سلطان طغرل بیگ خراسان واپس چلا گیا لیکن بہت مدت تک عراق و خراسان پر اس کا اور اس کی اولاد مثل سلطان ملک شاہ و سلطان سبخر کا تصرف رہا اور ملک روم آج تک عثمان بن طغرل کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ خواجہ ابو یوسف کی عمر صاحب نفحات الانس کے قول کے مطابق چوراسی سال تھی، آپ کا مزار حشمت میں ہے۔ جو آج کل کے جغرافیہ کے مطابق افغانستان میں شامل ہے اور ایران اور افغانستان کی سرحد پر ہرات کے مضافات میں واقع ہے [رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودودی حشمتیؒ

سر حلقہ مشائخ کبار، پیشوا مئے ادلیا، نامدار، موصوف بصفیت حضرت درود قطب ارشاد، حضرت خواجہ قطب الدین مودودی قدم سرور بن حضرت خواجہ ابو یوسف حشمتیؒ بڑے عظیم الشان اور عالی مقام بزرگ ہوئے ہیں اور تمام مشائخ زمانہ آپ کے ظاہری و باطنی علم کے کمالات کو مانتے تھے۔ آپ سرمدین کی تربیت میں بے نظیر تھے۔ آپ کو خرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف حشمتی قدم سرور سے حاصل ہو۔ آپ کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ اس مختصر کتاب میں انکی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا جامی اپنی کتاب نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ آپ سات سال کی عمر میں سارا قرآن حفظ کر کے علوم کیمیل میں مشغول ہو گئے۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد سرت خواجہ ابو یوسف حشمتیؒ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ ان کے سجادہ نشین ہو گئے۔ آپ اپنے خصائل حمیدہ اور انفعال پسندیدہ کی وجہ سے علانے

کے تمام لوگوں کے مقبول اور مقتدا بن گئے تھے۔ آپ کو حضرت شیخ احمد جامی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور تربیت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے جس وقت حضرت شیخ احمد جامی جام سے ولایت ہرات میں تشریف لائے اور لوگ ان کے کمالات اور کمالات دیکھ کر مرید اور معتقد ہوئے تو اس کی بہت شہرت ہوئی جب وہاں سے شیخ احمد جامی مزارات کی زیارات کیلئے حجت تشریف لے جانے والے تھے تو خبر ملی کہ حضرت خواجہ مودود چشتی اپنے تمام مریدین کو جمع کر کے آرہے ہیں تاکہ حضرت شیخ کو اس ولایت سے باہر نکال دیں۔ آپ کے مریدین آپ کو پوچھتا رہتے تھے لیکن آپ ان حالات کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ ایک دن شیخ احمد جامی کے سامنے خادم نے دسترخوان بچانا چاہا۔ آپ نے فرمایا ذرا ٹھہرا جاؤ کچھ مہمان آرہے ہیں۔ مٹوڑی دیر کے بعد وہ جماعت پہنچ گئی خادم نے دسترخوان بچایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر شیخ علیہ الرحمۃ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنے آنے کا قصہ تم بتاؤ گے یا میں بتاؤں۔ انہوں نے کہا آپ فرمائیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ خواجہ مودود نے تمہیں اس غرض سے بھیجا ہے کہ احمد سے کہو کہ ہماری ولایت میں تمہیں کیا کام سلامتی سے واپس چلے جاؤ۔ ورنہ جس طرح یہاں سے نکلنا چاہو گے ہم نکال دیں گے خواجہ مودود کے اصحاب نے کہا۔ آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر ولایت سے مراد دیہات ہیں تو یہ گاؤں یہاں کے لوگوں کی ملکیت ہیں۔ نہ میرے ہیں نہ تمہارے۔ اگر ولایت سے مراد یہاں کے لوگ ہیں تو یہ لوگ سلطان سمرکند کے ہیں۔ پس ان کا شیخ ایشوخ سلطان سمرکند سے مراد وہ ہے جو میں جانتا ہوں اور اللہ جانتے ہیں تو کل میں ان کو بتا دوں گا کہ کار ولایت کیا ہے اور کس طرح ہے۔ الغرض اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر خواجہ مودود چشتی حقیقت حال سمجھ کر ازراہ اخلاص و اعتقاد حضرت شیخ کی خدمت میں آئے اور انکو راضی کیا۔ چنانچہ نفحات الانس میں یہ واقعہ مفصل ہے۔ حاصل کلام آنکہ شیخ احمد جامی اس بات پر مامور تھے کہ خواجہ مودود چشتی کو نعمت دیں۔ اور خواجہ مودود بھی پہلے تو کسی اور کی طرف رجوع کر رہے تھے۔ لیکن بعد میں اس بات کو سمجھ گئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں آکر معافی مانگی۔ آپ نے معاف کر دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کو نصرت کر

دیں اور دخدمتگاہ اپنے پاس رہنے دیں۔ اور تین دن یہاں ٹھہریں۔ حضرت خواجہ نے ان طرح کیا اور شیخ کی خدمت میں آکر کہا کہ اب فرمائیے کیا فرمان ہے۔ شیخ نے فرمایا پیسے مصیلتے طاق میں رکھ دو اور علم حاصل کرو۔ انہوں نے کہا میں نے قبول کیا کیونکہ خواجہ ابو یوسف خواجہ مودود دے والد نے بھی آخر عمر میں ان کو یہی وصیت کی تھی۔ اس کے بعد خواجہ مودود نے کہا اور کیا فرمان ہے۔ شیخ نے فرمایا علم سے نارغ ہو کر اپنے خاندان کو زندہ کرو کیونکہ

تمہارے آباؤ اجداد بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ خواجہ مودود نے کہا جب آپ مجھے اچانک خاندان کا حکم دے رہے ہیں تو آپ خود تبرکاً اس کام کا آغاز فرمادیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا آگے آؤ۔ جب وہ آگے آئے تو شیخ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چار بالشت کے فاصلہ پر بٹھا دیا اور تین بار فرمایا "بشرط علم" اس کے بعد خواجہ مودود تین دن حضرت شیخ کی خدمت میں رہے اور بہت فوائد اور نعمتیں حاصل کیں۔ تھوڑے عرصے کے بعد آپ نے پنج و پنجابا جا کر علم حاصل کیا اور چار سال کے عرصے میں آپ تمام ظاہری و باطنی علوم میں بقدر وسعت و امکان کامل و مکمل ہو گئے اور ہر طرف سے طالبان راہ حق جمع ہوئے اور بلند مقامات حاصل کرنے لگے۔ ان میں سے ایک شاہ سنجان تھے۔ جن کا پورا نام رکن الدین محمود ہے وہ وہ سنجان نامی ایک قصبے کے رہنے والے تھے۔ وہ کافی عرصہ چشت میں رہ کر حضرت خواجہ کا فیض صحبت حاصل کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ جتنی مدت وہ چشت میں رہے۔ رفع حاجت کے لیے چشت سے بہت دور نکل جاتے تھے اور طہارت کر کے واپس آتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ مزارات چشت نہایت مبارک منزل اور مبارک مقام ہے اس جگہ رفع حاجت رنا بے ادبی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے وہ خواجہ سنجان کے نام سے مشہور تھے۔ خواجہ مودود نے بنو شاہ سنجان کا لقب عطا فرمایا اور وہ ہمیشہ اس نام پر ناز کیا کرتے تھے۔ شاہ سنجان کی وفات ۵۹۶ھ میں ہوئی۔ سیرالادبیا میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ زادہ بدخشاں سے خواجہ مودود کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت اور کلاہ کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے نور باطن سے معلوم کر لیا کہ وہ اس کے قابل نہیں۔ آخر سب اصحاب نے سفارش کر کے اسے کلاہ دلایا۔ لیکن حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اے جوان اس کلاہ کے

آداب پوری طرح بجالانا اور نہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔ جب وہ بدخشاں واپس گیا تو سب باتیں بھول کر نفسانی لذت میں گرفتار ہو گیا۔ جب یہ خبر حضرت خواجہ تک پینچی فرمایا کلاہ اپنا کام کیوں نہیں کرتا۔ چند یوم کے بعد اسے حکومت نے کسی تہمت میں گرفتار کر لیا اور اس کی آنکھیں نکال دیں۔

خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سجری اجمیری قدس سرہ دلیل العارفین میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے دنیا کے گرد کوہ قاف پیدا کیا ہے وہ پہاڑ سبز رنگ کے دمرد کا بنا ہوا ہے۔ (کوہ قاف سے مراد وہ پہاڑ نہیں ہے جو روس اور ترکی کی سرحد پر واقع ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جو عالم مثال میں ہے۔ یاد رہے کہ عالم مثال اس دنیا سے الگ جہان ہے جو بذریعہ کشف ادیا کرام کے مشاہدہ میں آتا ہے اور آسمان دنیا کی نیلاٹ (نیلا رنگ) اس پہاڑ کے فروغ و چمک سے ہے۔ حق تعالیٰ نے اس پہاڑ پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔ جس کا نام قد قائل ہے۔ اس زمین کی ٹنابیں اس فرشتے کے ہاتھ میں جنہیں وہ ضرورت کے مطابق ہلاتا رہتا ہے۔ جس وقت وہ زمین کی ٹنابیں کھینچتا ہے چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نباتات نہیں اُتی۔ [نوٹ۔ کم فہم لوگ اس میں شک کرتے ہیں کہ جغرافیہ میں تو یہ باتیں نہیں ملتیں۔ حالانکہ خود جغرافیہ ایک نامکمل علم ہے۔ ماہرین علم نجوم، علم طبیعیات، علم ہیئت اور علم جغرافیہ آج تک یہ نہیں بتا سکے کہ یہ کرہ ارض اور لاکھوں ستارے شمس و قمر کس برقی قوت سے اپنے اپنے راستے پر چل رہے ہیں اور اس کمال صحت (PRECISION) کے ساتھ چل رہے ہیں کہ ذرا برابر دائیں بائیں یا اوپر نیچے نہیں ہوتے۔ اگر اپنے راستے (ORBIT) سے ہٹ جائیں تو ساری دنیا جل کر خاک ہو جائے یا برف بن جائے اور دنیا میں رہنے والے سب انسان اور جانور ایک لمحے میں ختم ہو جائیں۔ فضا کے ماہر سائنسدانوں (SPACE SCIENTISTS) نے آج کل جو مصنوعی سیارے (SATELITES) فضا میں چھوڑے ہیں۔ یہ نیرا کے بنائے ہوئے لوہے وغیرہ سے بنتے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک پرکردڑوں پونڈ خرچ آتے ہیں۔ تب جا کر یہ فضا میں اڑنے کے قابل ہوتے ہیں اور ساری دنیا ان سائنس دانوں کو نراج عقیدت

پیش کر رہی ہے اور بجا طور پر پیش کر رہی ہے۔ لیکن جس عظیم سائنس دان نے عدم سے یہ سب سامان (MATERIAL) پیدا کیا درحقیقہ سورج چاند ستارے فضا میں اڑائے اور اس پختگی اور حکمت سے اڑائے کہ لاکھوں برس سے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ اپنے راستوں پر قائم ہیں اور معلوم نہیں کہ کون سے درکشاپ جسے انہیں اڑنے کی قوت (ENERGY) بخشی ہے۔ وہ خلاقِ اعظم، قادرِ مطلق، حکم الحاکمین، صنایعِ عظیم اور کارمازِ جلیل، کس قدر خراجِ عقیدت کا مستحق ہے۔ صاحبِ انصاف حضرات خود قیاس کر سکتے ہیں۔ گذشتہ اور آنے والی عبارت میں حضرت خواجہ معین الدین ہشتی قدس سرہ نے جس نظام کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ اس کائنات کو قائم اور دائم رکھنے والا نظام ہے جسے ظاہری آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ لہذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو ان باتوں کو تسلیم کیا جائے یا مترجم نے جو ادھر سوال کیے ہیں ان کا کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان جواب دے۔ جو کچھ ان بزرگوں نے بیان کیا ہے ان کا چشم دید مشاہدہ ہے۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اگر ان ماہرینِ روحانیت کے مشاہدات کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر باقی علوم کے ماہرین مثلاً ڈاکٹروں، انجینئروں اور فنی ماہرین کے مشوروں کو آجکل آنکھیں بند کر کے دنیا کیوں قبول کر لیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ماہرینِ فن خواہ وہ ظاہری علوم کے ماہر ہوں یا باطنی علوم کے یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کے مشوروں پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا لازمی ہے۔ ورنہ زندہ رہنا خال ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے جس کا مطالبہ کلامِ پاک میں کیا گیا ہے۔ ایک مریض ڈاکٹر کے پاس جا کر کتا ہے کہ میرے سر میں درد ہے دوا دیجئے۔ ڈاکٹر جو درد کو دیکھ نہیں سکتا یہ نہیں کتا کہ ثابت کرو کہ تمہارے سر میں درد ہے بلکہ اس کے کہنے ایمان بالغیب لے آتا ہے۔ جب ڈاکٹر دوائی دیتا ہے تو مریض یہ نہیں کتا کہ ثابت کرو کہ اس دوائی میں شفا کی خاصیت موجود ہے بلکہ آنکھیں بند کر کے اس کی بات قبول کر لیتا ہے۔ غرضیکہ آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں تو ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لہذا یہ کس قدر حماقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امتی یا اس کے نظام سلطنت کو سمجھنے کی دعوت جب انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور

علماءِ اسخین دیں تو لوگ آنکھوں دیکھے بغیر تسلیم کرنے سے انکار کریں! یہ زلزلہ جو آتا ہے اسی
 طنائیں ہلانے سے آتا ہے۔ زمین کو تنگی اور فراخی ان کے تصرف میں ہے۔ علومِ ارضیات
 کے ماہرین زلزلے کی وجوہات کوہِ آتش فشاں کا پھٹنا بتاتے ہیں اور یہ نہیں بتا سکتے کہ کوہِ
 آتش فشاں کب اور کیوں پھٹتا ہے صرف قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آتش
 فشاں کا پھٹنا زمین کی طنائیں کھینچنے کی وجہ سے ہو۔ کوہِ قاف کے پیچھے چالیس جہان ہیں۔
 اس جہان سے ماورئی۔ ان میں سے ہر جہاں کے چار سو حصے ہیں اور ہر حصہ تنہا اس دنیا سے
 چار گنا اور اس دنیا میں جو کہ کوہِ قاف کے پیچھے ہے کوئی اندھیرا نہیں وہاں کبھی رات نہیں
 ہوتی وہاں کی زمین سونے کی ہے۔ وہاں کے باشندگان سب فرشتے ہیں۔ وہاں نہ آدم
 ہے نہ ابلیس، نہ بہشت نہ دوزخ؛ ان چالیس جہانوں کے پیچھے حجابِ پردے ہیں اور
 ان پردوں کے پیچھے کا حال سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس
 کوہِ قاف کو حق تعالیٰ نے بل کے دو سینکڑوں کے درمیان رکھا ہے۔ اس نرگاہ کی عمر تیس ہزار
 سال ہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سانپ پیدا
 کیا ہے اور دوزخ کو اس سانپ کے منہ میں رکھا ہے۔ وہ سانپ زمین کے ساتویں طبقے
 کے نیچے ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ
 نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس روز میں نے یہ حکایات حضرت خواجہ قطب الدین مودودی کی زبان
 سے سنیں۔ آپ نے مراقبے میں سر جھکایا کیونکہ اُس وقت ایک اور درویش بھی بیٹھا تھا۔
 دونوں خواجہ مودودی اور درویش غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ظاہر ہو گئے۔ درویش
 نے کہا جو کچھ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اس کے متعلق میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ تو آپ
 نے مجھے وہاں لے جا کر آنکھوں سے دکھا دیا اور میں نے ان چالیس جہانوں کو دیکھا جن کا
 ذکر خواجہ نے فرمایا۔ پس خواجہ معین الدین فرماتے ہیں کہ درویش کو یہ قدرت ہوئی چاہے کہ
 اگر کوئی شخص ان کے کلام میں شک کرے تو اسے آنکھوں سے دکھا دے۔ کوہِ قاف کی
 یہی کیفیت حضرت غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی نے بھی کتابِ تکریم کی چوالیسویں حکایت
 فی مناقب شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصری میں بیان فرمائی ہے۔ اس کا ذکر پندرھویں طبقہ

میں کیا جائے گا۔ ان دونوں حکایات کا مقصد عالم بزرخ کا بیان کرنا ہے جسے صونبار کی اصطلاح میں عالم مثال بھی کہا جاتا ہے۔ سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الدین مودود چشتی کا آخری وقت آیا تو ایک باہمیت شخص اندر آیا اور اس نے حریر پارہ لکھا ہوا۔ حضرت خواجہ کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے اس کا مطالعہ فرمایا اور اسے آنکھوں پر رکھ کر جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ تجمیز و تکفین کے بعد لوگوں نے آپ کا جنازہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن کسی صورت میں جنازہ نہ اٹھ سکا۔ لوگ حیران ہوئے کہ کیا ماجرا ہے۔ آخر ایک خوفناک آواز آئی جس سے ڈر کر لوگ دور ہٹا گئے۔ اس وقت مردانِ غیب آئے اور انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد خلق نے جنازہ پڑھا۔ پھر کیا ہوا کہ آپ کا جنازہ ہوا میں اڑتا ہوا چلا گیا اور لوگ پیچھے پیچھے ہوئے۔ آخر ایک جگہ پر جسے حضرت خضرؑ نے پسند فرمایا جنازہ اتر اور آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے کفار اسی روز مسلمان ہوئے۔ آپ کی وفات شریف ۵۲۴ھ میں سلطان محمد الدین سبخر بن ملک شاہ بن سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ آپ کا مدفن چشت ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ شریف زندنیؒ

آں محب و محقق معاصب اسرار، آں مقتدائے اولیائے عالی مقدار آں عالم لعلوم
 لدنی قطب افراد خواجہ شریف زندنی قدس سرہ و ریاضات و مجاہدات، ترک و تجرید
 میں بڑے عالی ہمت تھے۔ آپ کے حقائق و معارف میں کلمات بہت ہیں اور توحید
 کے نکات و اشارات کے لیے لوگ اکثر آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ مشائخ و وقت
 میں عدیم المثال تھے۔ آپ نے فرقہ خلافت حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہ
 سے حاصل کیا۔ پہلا اولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ حاجی شریف زندنیؒ نے چالیس سال گوشہ
 نشینی اختیار کی اور دیرانے میں رہے اور جبل کے درختوں سے جو میوہ پاتے گرتے تھے
 اسی سے آپ قوت لایموت (اس قدر خوراک کہ جو موت سے بچا سکے، حاصل کرتے
 تھے۔ آپ دنیا سے سخت متنفر تھے۔ جب کوئی شخص آپ سے ملنے کی خواہش کرتا تو خادم

اسے نصیحت کر دیتا تھا کہ دنیا اور اہل دنیا کا ذکر نہ کرنا اور نہ زیارت کے شرف سے محروم رہ جائے۔ ایک دن ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں نذر پیش کی۔ آپ نے فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مہرا جو تم دیکھ رہے ہو خزانہ غیب سے بھرا پڑا ہے۔ جب اس شخص نے مہرا کی طرف نظر کی سونے کی ایک ندی صحرا میں بہ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا۔ حضرت خواجہ کا مقصد یہ تھا کہ آئندہ کوئی شخص اس قسم کی حرکت نہ کرے۔ آپ تنہائی اور تجرد کی حالت میں بڑے اطمینان سے رہتے تھے۔ سیرا لادیا ہے لکھا ہے کہ سلطان سبخر سلجوقی کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ اس نے پوچھا حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے جواب دیا کہ دنیا میں میں نے جو نیکی اور بدی کی تھی سب میرے سامنے لائی گئی اور دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ مجھے دوزخ میں لے جائیں۔ اسی اثنا میں فرمان ہوا کہ فلاں

وقت مسجد دمشق میں اس نے حاجی شریف زبیدی کی قدم بوسی حاصل کی تھی ان کے طفیل ہم نے اسے بخش دیا۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ عثمان جیسے جلیل القدر بزرگ آپ کے مرید ہیں۔ آپ کا وصال تین ماہ رجب کو ہوا۔ لیکن سن وفاقاً نظر سے نہیں گذرا۔ بہر حال آپ خواجہ یوسف ہمدانی کے ہم عصر تھے۔ اور آپ کی مرقد مبارک ملک شام میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔



حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

آں امام اربابِ طریقت، آں پیشوائے اولیائے حقیقت، آں دائم بہ مقامِ مشاہدہ افزونی قطبِ ارشاد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ اہل بھرت کے مقتدا تھے۔ اور اس طائفہ کے محنتمان میں سے تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ اور ریاضت و مجاہدات میں بے نظیر تھے۔ آپ نے خرقہٴ خلافت خواجہ حاجی شریف زندنی سے حاصل کیا۔ آپ کا اصلی وطن خراسان ہے اور آپ قصبہ ہارون کے رہنے والے تھے جو نیشاپور کے قریب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہارون ولایت فرغانہ یعنی مادرا النہر میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ لیکن آپ اکثر سفر میں رہتے تھے اور نہایت تجرید و تفرید میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ نے اپنے وقت کے تمام مشائخ کی صحبت پائی ہے اور ان سے فیوض حاصل کئے ہیں۔ آپ ہر فن میں غتھی تھے۔ اور نہایت قوی تقویٰ رکھتے تھے۔ آپ کی ولایت کے کالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین صن سنہری ثم اجمیری قدس سرہ جیسے شاہباز آپ کے مرید تھے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا معین الدین حق تعالیٰ کا محبوب ہے اور مجھے ان کی مریدی سے فخر حاصل ہے خواجہ بزرگ انیس الارواح میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے شہر بغداد میں خواجہ جنیدؒ کی مسجد میں سید العابدین، بد العارقیں شیخ الاعظم خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی دولتِ پابوسی نصیب ہوئی۔ اس وقت بڑے بڑے مشائخ آپ کی خدمت میں

حاضر تھے۔ اس درویش نے آپ کے پاؤں پر سر رکھا۔ آپ نے فرمایا دو گانہ نماز ادا کرو
 میں نے دو گانہ پڑھا۔ آپ نے فرمایا قبلہ رو ہو کر بیٹھو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی پھر
 فرمایا کہ سورہ بقرہ مکمل پڑھو۔ میں نے پڑھی۔ فرمایا بیس بار کلمہ سبحان اللہ پڑھو۔ میں
 حکم بجالایا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور منہ آسمان کی طرف کر کے میرا ہاتھ پکڑا
 اور فرمایا آؤ میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے دست مبارک سے
 میرے سر پر قیمتی چلائی اور کلاہ چارتر کی اس درویش کے سر پر رکھی۔ گلیم خاص عطا فرمائی
 اور فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا سورہ اخلاص ایک ہزار بار پڑھو۔ میں نے
 تعمیل کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے سلسلہ میں ایک دن رات کا مجاہدہ ہے۔ آج
 کا دن اور رات مشغولی میں گزارو۔ اس درویش نے آپ کے فرمان کے مطابق طاعت
 اور شغل باطن میں یہ وقت بسر کیا۔ دوسرے دن حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر
 ہوا۔ فرمایا بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا اوپر دیکھو۔ میں حکم بجالایا۔ آپ نے فرمایا کہاں تک
 نظر جاتی ہے۔ عرض کیا عرش اعظم تک۔ فرمایا زمین کی طرف دیکھو۔ میں نے حکم کی تعمیل
 کی۔ فرمایا کہاں تک دیکھ سکتے ہو۔ عرض کیا تحت الثریٰ تک۔ اس کے بعد فرمایا ایک
 ہزار بار سورہ فاتحہ پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ فرمایا پھر آسمان کی طرف دیکھو۔ میں نے اوپر
 دیکھا۔ فرمایا کہاں تک دیکھ سکتے ہو۔ عرض کیا کہ حجاب عظمت تک۔ پھر فرمایا کہ آنکھیں
 بند کرو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ فرمایا آنکھیں کھولو۔ میں نے کھول دیں۔ آپ نے
 اپنی دو انگلیاں میرے سامنے کیں۔ فرمایا کیا دیکھتے ہو میں نے عرض کیا اٹھارہ ہزار
 جہان انگلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔ پس آپ نے فرمایا جاؤ تمہارا کام ہو گیا۔ آپ
 کے سامنے ایک اینٹ پڑی تھی۔ فرمایا اسے توڑو۔ میں نے اینٹ کو توڑا تو مسمیٰ بھر
 سنری دینا رہ گئے۔ فرمایا یہ لے جاؤ اور درویشوں میں صدقہ کرو۔ جب میں خیرات کر کے
 خدمت اقدس میں واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ چند یوم میری صحبت میں رہو۔ میں نے
 عرض کیا کہ حکم کی تعمیل کروں گا۔ اس کے بعد آپ کعبۃ اللہ کی طرف سفر پر روانہ ہو گئے
 جب کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا وہاں بھی آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور خدا تعالیٰ
 کے سپرد کیا اور میزاب رحمت کعبۃ اللہ کا پرنا لہ جہاں ہر دعا قبول ہوتی ہے، کے نیچے

کھڑے ہو کر میرے لیے دعا مانگی۔ آواز آئی کہ ”معین الدین بخری کو ہم نے قبول کیا۔ وہاں سے ہم مدینہ منورہ گئے۔ جب روضہ اظہر پر حاضر ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرو۔ میں نے سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی ”وعلیک السلام یا قطب المشائخ“ یعنی تم پر سلام ہوا۔ شیخ کے قطب، جب یہ آواز آئی تو آپ نے فرمایا جاؤ کالات کو پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہاں سے سیر کرتے ہوئے بدخشاں پہنچے وہاں خواجہ جنید بغدادی کے خاندان سے ایک بزرگ رہتے تھے۔ جن کی عمر ایک سو چالیس سال تھی۔ ان کی زیارت سے مشرف ہوئے اور عجیب صحبت پائی۔ وہاں سے بخارا گئے اور وہاں کے بزرگان کی زیارت کی ان میں سے ہر بزرگ ایسی شان رکھتا تھا جو دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ اسی طرح دس سال تک حضرت خواجہ کی خدمت میں شریک سفر رہا۔ اس کے بعد بغداد پہنچ کر آپ معطف ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر سفر پروانہ ہو گئے اور مزید دس سال تک سفر میں رہے۔ حتیٰ کہ بیس سال پورے ہو گئے۔ اس دوران میں یہ درویش ہمیشہ حضرت خواجہ کا بستر اور کوزہ اٹھائے رہتا تھا۔ بیس سال کے بعد آپ نے بغداد میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اس درویش کو حکم ہوا کہ ہم باہر نہیں آئیں گے لیکن روزانہ چاشت کے وقت آجایا کرو اور ہم تجھے فقر کی تعلیم دیں گے۔ تاکہ یادگار رہے۔ اس درویش نے اسی طرح کیا جتنا نچہ کتاب انیس الارواح میں خواجہ بزرگ نے اپنے شیخ کے طفوظات اٹھائیں مجلس بن جمع کیے ہیں۔ اس میں سے صرف ایک مجلس کا ذکر تبرکاً کیا جاتا ہے

تیسری مجلس

شہروں کی خرابی کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ آخری زمانے میں گناہوں کی شامت سے شہر خراب ہو جائیں گے۔ خواجہ قطب الدین سودو و چشتی قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ میں سمرقند کی طرف سفر کر رہا تھا۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ جب یہ آیت

نازل ہوئی قال اللہ تعالیٰ وان من قرية الا نحن مهلكوها قبل يوم القيامة
او معذلوها عذاباً شديداً كان ذلك في الكتاب مسطوراً واللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا شہر یا بستی نہیں کہ جسے ہم تباہ نہیں کرتے۔ یوم قیامت سے پہلے یا
سخت عذاب نازل کرتے ہیں سخت عذاب اور یہ چیز لوح محفوظ میں لکھی جا چکی
ہے اپس مکہ کو حبشی ویران کریں گے۔ مدینہ قحط سے ویران ہو جائے گا۔ اور خلقت بھوکوں
مر جائے گی۔ بصرہ اور غرات شراب خوری کی شامت سے تباہ ہوں گے اور بلخ (طی)
آسمان سے وارد ہوگی۔ روم لواطت کی وجہ سے تباہ ہوگا۔ آسمان سے ایک آندھی
آئے گی۔ سب لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور سب مور اور کتے بن جائیں گے۔
خراسان سے بلخ تک سارا علاقہ اسیلے تباہ ہوگا کہ اہل تجارت خیانت کریں گے اور
مسلمان مردار خور بن جائیں گے۔ خوارزم اور اس کے گرد و نواح کے علاقے مزا میر
دگانے بجائے کی شامت سے خراب ہوں گے۔ اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کر
دیں گے اور ہلاک ہوں گے۔ سیستان میں تند تیز آندھیوں اور زلزلوں کی وجہ سے
بھاڑ پارہ پارہ ہو جائیں گے اور لوگ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ مہر اور دمشق
اس وجہ سے تباہ ہوں گے کہ آخری زمانے میں لوگ عورتوں کو تختہ دار پر لٹکائیں گے
اور کہیں گے کہ یہ فاطمہ ہے۔ ان کے منہ میں خاک۔ پس حق تعالیٰ ان سب کو زمین
میں دھنس کر ہلاک کر دے گا۔ اور سندھ کی دیرانی ہند کی وجہ سے ہوگی اور ہند کی
دیرانی سندھ کی وجہ سے۔ جب شراب خوری اور زنا کی کثرت ہو جائے گی تو حق تعالیٰ
آندھی کو حکم دے گا جو سب کو ہلاک کر دے گی۔ پھر فرمایا کہ جب شہر اس طرح تباہ
ہو جائیں گے تو محمد بن عبداللہ علیہ السلام (مہدی آخر الزماں) باہر آئیں گے اور شرق
سے غرب تک عدلی کریں گے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام، آسمان سے نیچے
آئیں گے۔ اس وقت دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت دن بہت
چھوٹے ہو جائیں گے اور شاید ایک وقت نماز پڑھی جاسکے۔ اس وقت سال مہینے کی
طرح، مہینہ ہفتے کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح ہوگا اور دن ایک وقت کی نماز کے

برابر ہو گا۔ یہ کہہ کر حضرت خواجہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا اے درویش لوگوں کو چاہئے کہ اب سال، ماہ، ہفتہ اور دن کو آخر وقت سمجھیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو چار سو سال سے کچھ زائد عرصہ گزرا ہے کہ آدمیوں سے کتے کے بچے پیدا ہو رہے ہیں حضرت خواجہ بزرگ آخری مجلس کے اختتام پر فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ عثمان ہاردنی قدس سرہ نے یہ فوائد ختم کئے عرصہ اس درویش کو عطا فرمایا اور مصلیٰ اور خرقہ بھی عنایت فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ہمارے خواجگان کی یادگار ہے۔ یہ لے لو اور جس کو لائق سمجھو دے دینا۔ جب حضرت خواجہ نے یہ فوائد تمام کئے تو مشغول ہو گئے اس درویش نے اپنا چہرہ زمین پر رکھا اور رخصت ہو گیا۔ الحمد للہ علی کل حال رہا حال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، خواجہ بزرگ نے سورہ فاتحہ کی اکثر مقامات پر بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں خواجہ عثمان ہاردنی قدس سرہ کی خدمت میں مسافر تھا۔ ہم دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے کشتی نہ تھی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا آنکھیں بند کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور بلا تکلف آپ کے ساتھ پانی پر چلتا گیا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے پانچ دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔ سیرالاولیا میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ایک بوڑھا آدمی نہایت پریشان حالت میں حضرت خواجہ عثمان ہاردنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ چالیس سال سے میرا رٹا کا گم ہے۔ مجھے اس کے مرنے جینے کی کوئی خبر نہیں۔ آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ آپ اس کے لیے فاتحہ پڑھیں۔ آپ نے سر نیچے کیا اور تھوڑی دیر کے بعد سراٹھا کہ حاضرین مجلس سے فرمایا کہ سب لوگ اس نیت سے فاتحہ پڑھو کہ اس کا رٹا کا واپس آجائے۔ جب سب نے فاتحہ پڑھی تو آپ نے اس آدمی سے فرمایا کہ گھر جاؤ تمہارا رٹا آ گیا ہو۔ جب وہ گھر گیا تو رٹا کا پہلے موجود تھا۔ اسے لے کر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس سے اس حال دریافت کیے گئے تو اس نے بتایا کہ مجھے لوگوں نے ایک جزیرے میں زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا۔ حضرت خواجہ کی شکل کے ایک بزرگ میرے نزدیک آئے۔ انہوں نے زنجیروں پر نگاہ ڈالی تو وہ ٹوٹ کر گر پڑیں اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ

کراپنے گھر پہنچایا۔ سیرالادیا میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہمسایہ تھا جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو ہم نے اس کا جنازہ پڑھا اور دفن کرنے کے لیے قبرستان لے گئے۔ دفن کرنے کے بعد جب سب لوگ واپس چلے گئے تو میں اس کی قبر پر مراقب ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عذاب کے فرشتے پہنچ گئے ہیں۔ لیکن خواجہ عثمان ہارونی فوراً وہاں پہنچ گئے اور فرشتوں سے کہا کہ یہ میرا مرید ہے۔ اس پر عذاب نہ کرو۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ عثمان ہارونی سے کہو کہ یہ شخص آپ کے برخلاف تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بیشک وہ میرے برخلاف تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو میرے حلقے میں باندھ لیا ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسے چھوڑ دو عثمان کا مرید ہے۔ ہم نے اسے ان کی بدولت بخش دیا۔

سیرالعارفین میں لکھا ہے کہ جب خواجہ بزرگ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے تو چند روز کے بعد خواجہ عثمان ہارونی محبت کے غلبہ سے جو ان کو اپنے پیار سے مرید سے تھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اتفاقاً ان کا ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں آتش پرست آباد تھے۔ ان کا ایک آتش کدہ تھا۔ جس پر انہوں نے گنبد بنایا تھا۔ اس میں روزانہ کئی سو من لکڑی جلتی تھی۔ حضرت خواجہ نے وہاں سے دور

ایک درخت کے نیچے ندی کے کنارے قیام فرمایا آپ نے اپنے خادم فخرالدین کو حکم فرمایا کہ اس قصبہ سے کچھ پھانسا اور آگ لے آؤ تاکہ افطار کے لیے روٹی پکائی جائے۔ خادم نے آٹا فرمایا لیکن آتش پرستوں نے جو آگ کے گرد بیٹھے تھے آگ دینے سے انکار کر دیا۔ خادم نے حضرت خواجہ علیہ رحمۃ کی خدمت میں جا کر ماجرا بیان کیا۔ آپ کے دل میں اسلامی غیرت نے جوش مارا۔ آپ فوراً آتش کدہ کے کنارے پہنچے جہاں آتش پرستوں کا سردار محیشا نامی اپنے سات سالہ بچے کو گود میں لیے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے گرد تمام آتش پرست بیٹھے آگ کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت خواجہ نے آتش پرستوں کے سردار سے کہا کہ جو آگ تھوڑے پانی سے ختم ہو جاتی ہے اسے پوجنے کا کیا

فائدہ۔ خالق مطلق کی پرستش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے کام بھی آسکے۔ کیونکہ یہ آگ وغیرہ سب اس کی مخلوق ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے مذہب میں آگ کا بڑا درجہ ہے۔ اس لیے ہم اس کی پوجا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اتنے سال ہو گئے ہیں تم لوگ اس کی پوجا کر رہے ہو۔ آؤ اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھو کہ تمہیں جلاتی ہے یا چھوڑ دیتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جلا نا آگ کی خاصیت ہے کسی کی کیا مجال کہ اس کے قریب جاسکے۔ آپ نے اس کی گود سے بچہ کھینچ لیا اور اٹھا کر آگ کی طرف دوڑے یہ دیکھ کر آتش پرست فریاد کرنے لگے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر آئیے پاک قل یا نار کوئی برڈ و سلام علی ابراہیم راعے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو اور سلامتی بن جا، پڑھی اور آگ کے اندر چلے گئے اور کامل چار گھنٹے وہاں کھڑے رہے لیکن آپ کا اور بچے کا ایک بال بھی نہ جلا۔ اس کے بعد آتش پرستوں نے بچے سے پوچھا کہ وہاں تم نے کیا دیکھا بچے نے جواب دیا کہ وہاں گل و گلزار کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہؒ کی ولایت ابراہیمی تھی۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر تمام آتش پرست یکبارگی مسلمان ہو گئے۔ آپ نے عیثا کا نام عبد اللہ اور اس کے بڑے کا نام ابراہیم رکھا۔ اور دونوں کی تربیت فرمائی حتیٰ کہ دونوں ولایت اور ارشاد کے درجہ تک پہنچ گئے۔ خلافت پائی اور مجاہد ہوئے اسیر العارفین کے مصنف لکھتے ہیں کہ میں نے وہ جگہ دیکھی ہے اور معتبر لوگوں سے میں نے تحقیق کی ہے کہ آپ ڈھائی سال اس مقام پر قیام پذیر رہے اور عبد اللہ اور ابراہیم کی تربیت فرمائی۔ مسلمان ہونے کے بعد آتش پرستوں نے آتش کدہ کی بجائے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر لی اور عبد اللہ اور ابراہیم کے مقبرے بھی وہاں موجود ہیں۔

گنج الاسرار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدینؒ سے اس قدر محبت تھی کہ ان سے ملاقات کے لیے آپ دہلی تشریف لائے اور چند روز دونوں بزرگان دہلی میں اکٹھے رہے ہیں۔ لیکن یہ روایت بہت ضعیف ہے کیونکہ کتاب گنج الاسرار اور دیگر سارے مجاوروں نے جمع کئے ہیں۔ لہذا معتبر

نہیں ہیں۔ حضرت خواجہ نصیر الدین اودھی دہلی کے رہنے والے تھے۔ اس روایت سے انکار فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ طویل سفر کے بعد آخر عمر میں پھر مکہ معظمہ جا کر معکف ہو گئے۔ آپ نے حق تعالیٰ سے دو دعائیں مانگی تھیں۔ ایک یہ کہ آپ کی قبر مکہ معظمہ میں ہو اور اس کا ہمیشہ نشان باقی رہے تاکہ فاتحہ کا ثواب ملتا رہے۔ کیونکہ کعبہ شریف میں یہ رسم ہے کسی قبر کا نشان نہیں چھوڑتے اور خاک کے ساتھ برابر دیتے ہیں۔ دوسری دعا آپ نے یہ مانگی کہ میرے فرزند معین الدینؒ نے مدت دراز تک مقام تجرید و تفرید میں بندہ کی خدمت کی ہے۔ اسے وہ ولایت عطا ہو کہ کسی اور کو اس قسم کی ولایت عطا نہ ہوئی ہو۔ ہاتھ نے آواز دی کہ تمہاری قبر مکہ میں ہوگی اور اس کا نشان کوئی نہیں مٹا سکے گا۔ اور معین الدینؒ کو ہندوستان کی وہ ولایت عطا ہوگی جو آج تک ہم نے کسی اہل اسلام کو نہیں دی۔ لیکن اسے چاہیے کہ پہلے مدینہ جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہند کی ولایت میں جا کر تصرف کرے۔ پس خواجہ عثمان ہارونیؒ نے سجدہ شکر الہی ادا کیا اور مشائخ عظام کی سب امانت مع اسمائے معظمہ و خرقہ خلافت حضرت خواجہ معین الدینؒ قدس سرہ کو عطا فرمائی اور مدینہ منورہ کی طرف رخصت فرمایا۔ جب خواجہ بزرگ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال مہربانی سے پیش آئے اور ہندوستان کی ولایت آپ کے حوالہ فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارا مسکن اجیر مقرر ہوا ہے۔ وہاں جا کر رہو اور تمہارے وہاں پہنچنے کے بعد ہندوستان میں اسلام کی بہت ترقی ہوگی، چنانچہ یہی ہوا۔ کیونکہ آپ سے پہلے بہت شاہان اسلام نے ہندوستان جا کر بہت کوششیں کیں لیکن کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں

ملا آپ کی قبر آج تک مکہ معظمہ میں سابق شریف کہ شریف حسین کے محل میں

موجود ہے۔ بندہ سترہم مولانا دمرشدنا حضرت سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ کی معیت میں حضرت

خواجہ عثمان ہارونیؒ قدس سرہ کی قبر کی زیارت سے ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں مشرف ہوا اور فاتحہ

پڑھی۔ قبر مبارک محل کے صحن میں ہے اور کسی نے اس کے گرد لکڑی کا چوڑا لگا دیا ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے۔

مفصل اس کا ذکر موجود ہے اور اس کا بھل ذکر ہم نے خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے حالات میں کر دیا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے خواجہ بزرگؒ کی تشریف آوری کے بعد ہندوستان کے راجہ رائے پھورار پر کتھراج) کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور اس کی جگہ سلطان محمد الدین سام سلطان شہاب الدین غوریؒ کو شاہ ہندوستان مقرر فرمایا اور اسلام کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔ جیسا کہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے بقیہ عمر مکہ معظمہ میں بسر فرمائی اور ہمیشہ خواجہ بزرگؒ کی کامیابی کے لیے حق تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کو اطمینان ہو گیا اور چھ سوال سنا کر رحلت فرمائی اور مکہ معظمہ میں دفن ہوئے چنانچہ آج تک آپ کی قبر زیارت گاہ نخلق بنی ہوئی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آہی تابود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی



حضرت خواجہ معین الدین حسینی

قدس سرہ الغریزہ

امام اربابِ طریقت، پیشوائے اصحابِ حقیقت، مُستغرقِ درویشِ ذوالجداں، ناطقِ بلسانِ احوال، طوفانِ ضلالت کی کشتی، قطبِ وحدت، حضرت خواجہ معین الحق والدینِ حسینی قدس سرہ بن سید غیاث الدین حسن سجری اولیائے کبار اور عارفینِ صاحبِ امر میں سے تھے۔ آپ کے کلمات و کرامات بے شمار ہیں، حقائق و معارف میں آپ کے کلمات بہت بلند ہیں۔ آپ حق تعالیٰ کے مُختشان و مقربانِ خاص ہیں سے تھے اور آپ کا شان بہت بلند اور حاصلِ نہایت قوی تھا جو شخص آپ کا چہرہ مبارک دیکھتا تھا وحدانیتِ حق اور رسالتِ مُکھطفہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آتا تھا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جو لوگ غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا تھے آپ ان سب کو شرک کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئے یہ اس وجہ سے تھا کہ بحکمِ حدیثِ الشَّيْخِ فِي الْفِتْوَى كَالنَّبِيِّ فِي الْأُمَّتِ (شیخِ اپنی قوم میں اس طرح ہے جس طرح ایک نبی اپنی امت میں) آپ وارثِ بلکہ نائبِ رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ آپ کو رسولِ ہند کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے ارواح اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ آپ ساداتِ حسینی ہیں۔ یعنی خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین حسن بن سید احمد حسن بن سید طاہر حسن بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ، بن امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

عالی مقام | آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک ملک ہندوستان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے چنانچہ احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک سے پانچ سو سال تک آپ کے سوا حق تعالیٰ نے کسی ولی اللہ کو اس قدر قدرت عطا نہیں کیا کہ جس نے پورے ہندوستان کو جو ابتدائے آفرینش سے شرک کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اپنی ولایت کی قوت سے نور وحدانیت سے منور کر دیا۔ جیسا کہ اظہر من الشمس ہے۔ اس بارے میں اس زمانے کے ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ قطعاً

ہمہ غافل از حکم دینِ شریعت ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
 نہ ہرگز کے دید منجارتبند نہ ہرگز شنید، کس اللہ اکبر

(سب لوگ شریعت کے احکام سے غافل اور خدا اور رسول سے بے خبر تھے نہ کسی نے کعبہ دیکھا تھا نہ کبھی اللہ اکبر کی آواز سنی تھی۔) شعر:-

از فیض او بجائے سلیب و کلیسا در دار کفر و محراب و منبر است
 آنجا کہ بود نعرہ فریاد مشرکوں انکوں خموش نعمہ اللہ اکبر است

خواجہ بزرگ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے حاصل کیا اور آپ کو اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کی صحبت حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ سحر میں ہوئی اور خراسان میں پرورش پائی۔ سیر العارفين میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو آپ کے والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین قدس سرہ نے جو نہایت ہی متقی و پرہیزگار تھے وفات پائی۔ آپ کا ایک باغ تھا جس کی آمدنی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ وہاں ایک مجذوب رہتے تھے جن کا نام ابراہیم تھا۔ ایک دن ان کا گذر حضرت خواجہ بزرگ کے باغ میں ہوا۔ آپ نے ان کو نہایت عزت و تکریم کے ساتھ درخت کے نیچے بٹھایا، انگوروں کا خوشہ پیش کیا اور اوب سے ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ ابراہیم نے بغل سے کھلی نکال اور چبا کر حضرت خواجہ بزرگ کے منہ میں ڈال دی۔ اُسے کھاتے ہی آپ کے باطن میں نور معرفت

چکنے لگا۔ چنانچہ آپ گھر بار اور ملک اٹاک سے متنفر ہو گئے۔ دو تین دن کے اندر آپ نے اپنا باغ اور سامان فروخت کر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور طلب حق میں روانہ ہو گئے مدت تک آپ سمرقند اور بخارا میں رہے۔ کلام پاک حفظ کیا اور ظاہری علم حاصل کیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا تو وہاں سے آپ مرشد کی تلاش میں عراق، عرب، تشریف لے گئے جب آپ قصبہ ہارون جو مینا پور کے نواح میں ہے پہنچے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ڈھائی سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی اور ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے جب آپ مرتبہ تکمیل تک پہنچے تو خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خرقہ خلافت دے کر رخصت کر دیا لیکن خواجہ بزرگ خود ایس الارواح میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زیارت کے لیے میں بغداد پہنچا اور بیس سال آپ کی خدمت میں رہ کر ظاہری اور باطنی سفر طے کئے اس کے بعد خرقہ خلافت سے مشرف ہوا چنانچہ اس کا ذکر حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے حالات میں ہو چکا ہے وہاں سے آپ قصبہ سنجان میں تشریف لائے اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ بغداد میں ابتدائی سلوک طے کر رہے تھے خواجہ بزرگ قدس سرہ نے ان کے حق میں دُعا کی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی اتنے ہی حال میں آپ سے فیض حاصل کیا ہے چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس نے خواجہ بزرگ کے ملفوظات میں اکثر جگہ لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ اوحد کرمانیؒ ڈھائی مہینے آپ کی خدمت میں رہے وہاں سے خواجہ بزرگ قصبہ جبال تشریف لے گئے جو بغداد سے سات دن کے راستہ پر کوہ جوادی کے دامن میں واقع ہے۔ شیخ محی الدین عبدالعتادرجیلی قدس سرہ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے۔ آپ پانچ ماہ اندر سات دن ان کی صحبت میں رہے اور دونوں حضرات کے درمیان راز و نیاز کی مجالس گرم رہیں وہاں سے آپ بغداد تشریف لے گئے اور شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ کی صحبت میں رہے اور بہت محظوظ ہوئے۔ شیخ اوحد کرمانیؒ اس وقت ابتدائی سلوک میں تھے خواجہ بزرگ نے ان کے حق میں بھی توجہ فرمائی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ آپ

بعد اسے چل کر ہمدان پہنچے وہاں شیخ یوسف ہمدانی جو اس وقت کے بڑے بزرگ تھے
کی صحبت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد آپ تبریز تشریف لے گئے اور شیخ ابوسعید تبریزی
جو بڑے عارف کامل، مجرود اور متوکل تھے کی صحبت حاصل کی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں
کہ شیخ ابوسعید کے شیخ جلال الدین تبریزی کی طرح ستر مرید تھے

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خواجہ بزرگ
نے بڑے بڑے مجاہدات کئے۔ آپ سات دن کے بعد پانچ ہفتال کے

مجاہدات

برابر روٹی پانی میں جھگو کر کھاتے تھے۔ آپ کا لباس دو چادریں تھیں جن میں کسی پیوند
لگ چکے تھے۔ پیوند لگانے کے لیے جس قسم کا کپڑا مل جاتا آپ چادر میں سی لیتے تھے۔
جب آپ اصغمان تشریف لے گئے تو شیخ محمود اصغمانی جو وہاں کے بڑے مشائخ تھے
کی خدمت میں گئے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا اس وقت یہ ارادہ تھا کہ شیخ محمود سے
بیعت کر لیں لیکن جب خواجہ بزرگ کے جمالی احوال کا مشاہدہ کیا تو بے اختیار ہو کر آپ
کی خدمت میں پیوست ہو گئے اور بیعت کر لی۔ خواجہ غریب نواز کے لیے بھی ان سے بہتر
کوئی مصاحب اور محرم راز نہ تھا جیسا کہ حضرت خواجہ عثمان بارونی قدس سرہ کے لیے خواجہ
غریب نواز سے بہتر کوئی مرید نہ تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتا تھا کہ ہمارا معین الدین اللہ تعالیٰ کا
محبوب ہے اور مجھے اپنے مرید پر فخر ہے۔ اسی طرح خواجہ غریب نواز بھی خواجہ قطب علیہ رحمۃ
کے ساتھ کمال شفقت سے پیش آتے تھے۔ آخر آپ نے وہ دو چادریں خواجہ قطب کو
عنایت کیں جو ان سے خواجہ نذیر الدین گنج شکر قدس سرہ ہمک پہنچیں۔ سلطان المشائخ
فوائد الفوائد میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان دو چادروں کی زیارت کی ہے۔ غالباً سلطان المشائخ
کو ملی ہوں گی۔ خواجہ بزرگ کو بادن برس کی عمر میں خرقہ خلافت اور اجازت نامہ حضرت خواجہ
عثمان بارونی قدس سرہ سے ملا تھا۔ آپ مشغولی عظیم رکھتے تھے۔ جہاں کہیں جلتے تھے۔ اکثر
قبرستان میں رہائش رکھتے اور روزانہ دو قرآن پاک ختم کرتے تھے جس جگہ
آپ کی شہرت ہو جاتی آپ وہاں سے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ تبریز سے ہنہ
کطرف تشریف لے گئے اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ کے مزار کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔

خرقان گئے تو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے مزار اقدس سے فیض حاصل کیا۔ دو سال اس علاقے میں رہنے کے بعد آپ استرآباد تشریف لے گئے اور شیخ ناصر الدین استرآبادیؒ کا فیض صحبت حاصل کیا۔ شیخ ناصر الدینؒ عظیم الفہم و شائع تھے جن کی عمر اس وقت ایک سو سات سو سال تھی اور جو دو تین واسطوں سے سلطان العارفين خواجہ بایزید بسطامیؒ سے نسبت رکھتے تھے۔ نیز انہوں نے شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی پائی تھی۔

استرآباد سے خواجہ بزرگؒ ہرات تشریف لے گئے اور کافی عرصہ اس علاقہ میں رہ کر وہاں کے مشائخ کی زیارت کرتے رہے۔ آپ رات دن شیخ عبدالشمال نصاریٰ قدس سرہ کے مزار مبارک پر رہتے تھے اور اکثر عشا کی نماز کے وضو کے ساتھ نماز فجر ادا کرتے تھے۔ جب ہرات میں آپ کی شہرت زیادہ ہو گئی اور خلقت کا ہجوم ہونے لگا تو وہاں سے رخصت ہو کر آپ سبزوار تشریف لے گئے۔ وہاں کا حاکم محمد یادگار نامی ایک نہایت سخت مزاج، کج طبع اور فاسق و فاجر اور بد عقیدگی میں مشہور تھا۔ اس نے ایک باغ کے اندر مکان بنا رکھا تھا جس میں وہ اکثر شراب خوری اور فسق و فجور میں مشغول رہتا تھا۔ حضرت خواجہ جب سبزوار پہنچے تو پہلے ہی دن آپ نے باغ کے اندر جا کر حوض پر غسل فرمایا اور دو گناہ نفل ادا کر کے تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو گئے۔ اتفاقاً محمد یادگار بھی اسی وقت باغ میں آ گیا۔ خادم نے خواجہ بزرگؒ کو اطلاع دی کہ امیر شہر باغ میں آ رہا ہے۔ اس کے فرآش پہنچ گئے ہیں اور خود بھی پہنچنے والا ہے۔ خادم نے کہا کہ مصلحت یہ ہے کہ آپ باغ سے باہر تشریف لے جائیں کیونکہ وہ بہت بد تمیز آدمی ہے۔ لیکن آپ نے قطعاً پروا نہ کی اور خادم کو حکم دیا کہ فلاں سرد کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جاؤ۔ فرآشوں نے آکر حوض کے گرد ٹالین بچھلنے شروع کر دیئے لیکن ان کے دل میں خواجہ بزرگؒ کی اس قدر ہمت پیدا ہوئی کہ کوئی بات منہ سے نہ نکال سکے۔ اتنے میں محمد یادگار بھی آ گیا اور حضرت خواجہ کو دیکھ کر ناراض ہوا۔ لیکن آپ نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ البتہ ایک نگاہ لطف اس پر ڈالی جس سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور لڑکھڑا کر

زمین پر گر پڑا۔ اس کے خدام پر بھی یہی حالت طاری تھی اور سب آپ کے قدموں پر گر رہے تھے۔ آپ نے خدام سے فرمایا کہ حوض سے تھوڑا سا پانی لے کر اُس کے منہ پر ڈال دے پانی پڑتے ہی وہ ہوش میں آیا اور اُٹھ کر خواجہ بزرگ کے قدموں پر گر گیا۔ آپ نے فرمایا اب تو بڑے عقاید سے باز آئے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ واللہ میں اپنی تمام خواہشات دنیوی و اخروی سے باز آیا۔ خدا معلوم آپ نے اسے کیا دکھایا جس سے وہ اپنی تمام عادات پر چھوڑ کر آپ کے ہاتھ پر تائب ہوا اور شرف بیعت حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا مال اسباب اور زر و جواہر لاکر حضرت خواجہ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور خصموں کو راضی کرو تاکہ حق تعالیٰ تمہاری توبہ میں استقامت بخشے اس نے حکم کی تعمیل کی اور تمام غلاموں اور خادماؤں کو آزاد کر دیا جو کچھ ان کے پاس تھا سب ان کو بخش دیا۔ اس کی دو بیویاں تھیں دونوں کا حق المہر ادا کر کے ان کو طلاق دے دی اور اپنے آپ کو حضرت خواجہ کی محبت میں شاکر کر دیا۔ آپ نے اس طرح اس کی تربیت فرمائی کہ عقوڑے عرصے میں وہ عارف باللہ اور صاحب ارشاد ہو گئے۔ یعنی خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے وہاں سے آپ حصار شاد ماں پہنچے اور محمد یادگار کو وہاں مقیم فرما کر ساما علاقہ ان کے سپرد کر دیا چنانچہ خلقت ان سے فیض یاب ہوئی صاحب سیر العارفين نے لکھا ہے کہ میں نے حصار شاد ماں جا کر محمد یادگار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کی ہے۔ بڑی پرفضا جگہ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

وہاں سے خواجہ بزرگ بلخ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے ملنے کے بعد آپ نے فرجام کے مقام پر شیخ احمد خضویہ قدس سرہ کی خانقاہ میں ان صاحب عافی محبت کی کی بنا پر چند ماہ قیام فرمایا۔ وہاں مولانا ضیاء الدین حامد حکیم بلخی رہتے تھے جو تصوف میں بہرگز یقین نہ رکھتے تھے بلکہ اہل تصوف سے شدت سے پیش آتے تھے اور بالکل منکر تھے ایک دن خواجہ بزرگ درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے تھے اور خادم کباب تیار کر رہا تھا اتفاقاً مولانا ضیاء الدین کا وہاں سے گذر ہوا۔ جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا ضیاء الدین نے آکر سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ خادم نے کباب لاکر سامنے رکھ دیئے آپ نے کچھ کباب ان کے سامنے رکھے۔ کھاتے ہی تمام اعتراضات ان کے دل سے

صاف ہو گئے اور نور معرفت چمکنے لگا۔ بے اختیار ہو کر خواجہ بزرگ کے قدموں میں گر گئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ دوسرے دن انہوں نے اپنا سارا کتب خانہ پانی میں پھینک دیا اور اسباب دنیا سے الگ تھلگ ہو کر مجاہدات و سلوک میں مشغول ہو گئے۔ ان کے تمام شاگرد بھی تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولانا ضیاء الدین کو خلافت دیکھا آپ نے وہ علاقہ اُن کے پیر کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے غزنی کا سفر اختیار کیا اس وقت شمس العارفین شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ نظام الدین ابوالموید کے مرشد تھے اور جن کا ذکر خواجہ گارچشت کے ملفوظات میں اکثر آتا ہے غزنی میں رہتے تھے۔ خواجہ بزرگ کی اُن سے بھی ملاقات ہوئی۔ غزنی سے آپ لاہور پہنچے اور حضرت سید علی حسری (ہجویری) معروف داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار مبارک سے فیض یاب ہوئے اس وقت شیخ حسین زنجانی ظاہری حیات میں تھے۔ اُن سے آپ کے گھر سے تعلقات ہو گئے۔ چند روز لاہور میں رہ کر آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت دہلی رائے پھورا چوہان کا پایہ تخت تھا وہ لوگ مسلمانوں سے اس قدر مستفرق تھے کہ مسلمان کا منہ دیکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن خواجہ بزرگ اپنی ولایت کی قوت سے دہلی کے اندر داخل ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ اس وقت چالیس موٹی ہانپا تھے آپ چند ماہ دہلی میں رہے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ نے اس جگہ قیام فرمایا تھا جہاں اب شیخ رشید مکی کی قبر ہے۔ ہندوستان کفر کی کان میں رہتے ہوئے آپ کے خدام پانچ وقت آذان دیتے تھے اور نماز باجماعت ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر کفار جلتے تھے۔ انہوں نے آپ کے خدام کو نقصان پہنچانے کی بہت کوشش کی لیکن جو نہی وہ یہ خیالِ فاسد لے کر باہر نکلتے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور مجبور ہو کر رہ جاتے تھے ایک دن ایک سخت دل کا زخیر بغل میں چھپا کر خواجہ بزرگ پر ہاتھ صاف کرنے کی غرض سے آیا اور اگر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فراست سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا۔ اور اس سے فرمایا کہ زخیر کیوں نہیں چلاتے میری گردن حاضر ہے۔ یہ سنتے ہی اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ زخیر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور حضرت خواجہ کے قدموں پر گر گیا۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ کتاب کلمات الصادقین میں

لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ بزرگ کا گزر کفار کے ایک بتکدہ پر ہوا۔ اس وقت سات
 کافرت پرستی میں مشغول تھے، آپ کا جمال باکمال دیکھتے ہی بے بس ہو گئے اور قدموں
 میں آکر گر گئے توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو "حمید الدین"
 کا لقب دیا اور شیخ حمید الدین دہلوی ان سات حضرات میں سے ہیں۔ جب دہلی میں خاص
 عام آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو وہاں سے آپ نے اجمیر کی راہ اختیار کی۔ اُس
 وقت راتے پھورا اکثر اجمیر میں رہا کرتا تھا۔ خواجہ بزرگ کے کرامات اور عمارت عادت دیکھ
 کر وہ ششدر رہ گیا اپنی جاہ و حسنت کی خاطر وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا لیکن دل میں
 وہ ملک ہندوستان کی بادشاہی سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ جب اجیپال جوگی خواجہ بزرگ کے
 کمالات و کرامات کا مشاہدہ کر کے پشیمان ہوا اور اسلام لایا اور حضرت خواجہ کا حلقہ بگوش
 غلام بن گیا تو راتے پھورا مجبور ہو گیا اور آپ کے خادمان کو ضرر پہنچانے کے منصوبے بنانے
 لگا لیکن جو نہی اس کے دل میں یہ خیال ناسداتا تھا وہ نابینا ہو جاتا تھا اور جب اس
 خیال سے توبہ کرتا تو بسینا ہو جاتا۔ اس قسم کے کرامات دیکھنے کے باوجود شرک کی عظمت
 اُس کے دل سے نہیں نکلتی تھی۔ سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ کا ایک
 مرید تھا جسے راتے پھورا بہت تنگ کرتا تھا اس نے آپ سے مدد کی التجا کی۔ آپ نے
 راجہ پھورا سے کھلا بھیجا کہ اس کو مت ستاؤ۔ لیکن راتے پھورا کا سر عذر و تبر سے بھرا
 ہوا تھا۔ باز نہ آیا اور خواجہ بزرگ کی شان میں بھی ناشائستہ کلمات منہ سے نکالے۔ جب
 یہ بات آپ تک پہنچائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ "پھورا را زندہ گرفتہ بدست لشکر
 اسلام داوم" (یعنی پھورا کو زندہ گرفتار کر کے میں نے لشکر اسلام کے ہاتھ میں لے
 دیا) انہی ایام میں سلطان فخر الدین سام عرت شہاب الدین غوریؒ لشکر لے کر غزنی سے
 ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ پھورا نے مقابلہ کیا لیکن اللہ کے حکم سے وہ زندہ گرفتار ہو
 گیا اور مسلمانوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اسی واقعہ سے ہندوستان میں اسلام مستحکم ہو گیا
 خواجہ بزرگ کی برکت سے اس کے بعد کوئی ہندو حکمران نہ ہوا۔ منتخب تاریخ میں لکھا ہے
 کہ ۵۸۹ء میں دہلی سلاطین اسلام کا پایہ تخت ہو گیا۔ سلطان معز الدین نے چند روز دہلی میں

رہ کر سلطنتِ ہندوستان اپنے معتد غلام قطب الدین ایک کے سپرد کر دی اور خود غزنی چلا گیا۔ چند سال خراساں میں حکومت کرنے کے بعد تین شعبان سن ۶۰۰ھ کو غزنی کے نواح میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین ایک دہلی کے تخت پر مستحکم ہو گیا اور ہندوستان کے ہر گوشے میں لشکر بھیج کر سلطنت کی توسیع کی۔ میر سید حسین مشہدی کو جو سید حسین جنگ سوار کے نام سے مشہور تھے امیر کا حاکم مقرر کیا۔ سید حسین خواجہ بزرگ سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ سیر العارین میں لکھا ہے کہ امیر کے گرد و نواح کے اکثر لوگ سید حسین کی کوشش سے امیر اکبر خواجہ بزرگ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ غرضیکہ جب آپ کی کرامات اور کمالات کا چرچا ہوا تو مختلف قبائل کے لوگ امیر پہنچ کر خواجہ بزرگ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے لگے۔ حضرت خواجہ کی نظر خاص آیہ پاک **يَهْدِي سَبِيلَ كَيْشَاهُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ** (اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔) پر تھی۔ صوفیا کرام کے مشرب کے مطابق آپ کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دیتے تھے جو شخص غلوں دل سے خود بخود اسلام کی طرت مائل ہوتا تھا آپ سے قبول کر لیتے تھے۔ دعوت الوجود میں کمال استغراق کی وجہ سے آپ ہر فرقہ کے لوگوں سے تواضع سے پیش آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کافر و مسلمان، اپنے اور پرانے، تمام مذاہب کے پیروکار آپ کی خدمت میں استعانت کے لیے حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ چنانچہ اس وقت تک یہ سنت جاری ہے اور ہندو اور دیگر اقوام کے لوگ عرس کے ایام میں یا دوسرے مواقع پر مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر غایت صدق و اخلاص سے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور آستانہ عالیہ کی خاک پر منہ رگڑنے سے فخر حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے فیض نظر سے ملک بھر میں ایسے صاحبِ ولایت پیدا ہوئے ہیں جو اپنے اپنے علاقہ میں شاہی کرتے ہیں، ملک کا کوئی صوبہ کوئی شہر اور کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں خواجہ بزرگ کے غلامان کا تصرف نہ ہو۔ دوسرے سلسلوں کے بزرگ جو ہندوستان میں شہرت رکھتے ہیں وہ بھی خواجہ بزرگ کی ولایتِ معنوی کے فیض سے تصرف کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض باقاعدہ خرقہ حاصل کرتے ہیں اور بعض آپ کی روحانیت سے ویسے فیض یاب ہوتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔ چنانچہ سالار مسعود غازی

کے حالات میں اس قسم کے واقعات بیان ہو چکے ہیں اور شیخ بیع الدین معروف بہ شاہ مدار
 قدس سرہ کے حالات میں بھی رسالہ مرآتِ مداری میں مفصل اس بات کا ذکر آتا ہے۔ خواجہ
 بزرگ کے بعد طبقاً بعد طبقہ آپ کے خلفاء ہرزمانے میں آپ کی مستشار شاد پر ہمکن ہو کر ہندوستان
 بھر میں معنوی طور پر تصرف کرتے ہیں اور ولایت صوری اور معنوی کا عزل و نصب ان کے تصرف
 میں دیا جاتا ہے اور وہ آپ کی روحانیت سے استعانت حاصل کرتے ہیں اس قسم کی ولایت
 کا تصرف یعنی دورانِ حیات و مملکت متصرف ہونا دوسرے اولیاء کو کم نصیب ہوتا ہے۔ اور
 انشاء اللہ آپ کے خلفاء کرام قیامت تک اسی طرح ہرزمانے میں تصرف کرتے رہیں گے۔
 چنانچہ خواجہ گنج شکر قدس سرہ راحت القلوب میں فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ نعمت سجادہ
 اور ملک ہندوستان کسی دوسرے کے سپرد کروں۔ بالف نے آواز دی کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ
 راستے میں ہیں ذرا ٹھہر جائیں تاکہ وہ پہنچ جائیں کیونکہ یہ ان کی سمت میں بکھا گیا ہے علیٰ ہذا القیاس

بیت سے اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغِ مقلباں ہرگز نہ میرد

(دینا ختم ہو جائے تو ہو جائے لیکن خدا کے مقبول بندوں کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا)

خواجہ بزرگ کے اس قدر تصرفات و خوارقِ روحانی طریق پر کاتبِ حروف کے دل پر وارد
 ہوتے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔ اس لیے آپ کی صرف
 ایک کرامت پر اکتفا کیا جاتا ہے جس وقت خواجہ بزرگ نے عالمِ باطن میں کمال ذرہ پروری
 سے اپنا ہاتھ بندہ کے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ اگرچہ تم ہمارے سلسلہ میں مُرید ہو لیکن اس وقت
 ہم تمہیں براہِ راست مُرید کرتے ہیں تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب حضرت خواجہ
 عثمان ہارونی قدس سرہ نے خواجہ بزرگ کو مُرید بنایا اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور
 کعبہ کی طرف سے آواز آئی کہ معین الدین کو میں نے قبول کیا تو اس وقت خواجہ بزرگ کی
 روحانیت نے مجھ پر تصرف کیا اور میں نے اپنے آپ کو حرم کعبہ میں پایا اور زیارت سے
 مشرف ہوا۔ بعدہ دیکھا کہ ایک بزرگ صاحبِ وقار چاہِ زمزم کے قریب کھڑے ہیں اور
 بندہ کی طرف متوجہ ہو کر فرما رہے ہیں کہ تجھے بھی قبول کیا۔ خواجہ بزرگ کے تصرف کا یہ
 کمال دیکھ کر میں حیران ہوا اور سجدہ شکر سجایا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس سے زیادہ کیا

کیا لکھوں کہ خواجہ بزرگ کے کمالات و کرامات کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کی روحانیت اب بھی طلب صادق رکھنے والوں کی تربیت کرتی ہے اور مرتبہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ چنانچہ یہ مکتہ رسالہ مرات الولایت میں حضرت شیخ عبدالمجلیل اویسی قدس سرہ کی منقبت میں بیان کیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے حضرت خواجہ بزرگ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی تھی یہیں بیان کر رہا تھا کہ پہلے میر شہید حسین شہدی سلطان قطب الدین ایک کی سلطنت کے آخری ایام میں قلعہ بہتلی کے محاصرہ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اسی جگہ دفن ہوئے قطب الدین ایک بھی بیس سال حکومت کر کے شہر میں بروایت دیگر سنہ ۶۱۰ھ میں چوگان کھیلے ہوئے گر کر فوت ہوئے۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش جو اس کے غلام اور معتدبے تھے اراکین سلطنت کے مشورہ سے دہلی کے تخت پر بیٹھے جس سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ سلطان التمش حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے نہایت پر خلوص مرید تھے۔

ملفوظات گرامی خواجہ قطب الدین اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل العارین میں خواجہ بزرگ کے ملفوظات جمع کئے ہیں، ان میں سے چند کلمات تبرکاً یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہے جو کچھ اس کے اندر جاتا ہے بل کر رکھ ہو جاتا ہے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو تے آب کو دیکھو کس جوش و خروش سے پہاڑوں سے ہوتی ہوئی آتی ہے لیکن جب سمندر میں داخل ہوتی ہے خاموش ہو جاتی ہے۔ (یعنی جب سالک ہجر میں ہوتا ہے تو ذوق و شوق میں بے چین ہوتا ہے لیکن جب ذات حق کے سمندر بے پایاں میں فنا ہوتا ہے تو اس کا سارا جوش و خروش جاتا رہتا ہے۔)

نیز فرمایا کہ حق تعالیٰ کے وہ دوست ہیں کہ اگر ایک لمحہ بھی اُس سے مجرّب رہیں
پر وہ سو جلتے، تو نیست و نابود ہو جائیں۔

فرمایا: جس شخص میں یہ تین خصلتیں نہ ہوتی ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست
کہتے ہیں۔ اول: سخاوت یعنی دریا کی طرح سخی ہو۔ دوم: شفقت یعنی آفتاب کی
طرح شفیق ہو۔ سوم: تواضع یعنی زمین کی طرح متواضع ہو۔ فرمایا: آدمی اس وقت فقر کا
مستحق ہوتا ہے جب اس عالم فانی میں سے اس کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔

فرمایا: محبت کی علامت یہ ہے کہ تو دوست کا مطیع ہو جائے اور ہمیشہ اس بات
سے ڈرتا رہے کہ ماندہ درگاہ نہ ہو جائے۔ فرمایا: عارف جو ارادہ کرتا ہے فوراً ہو جاتا ہے۔
اور جس سے بات کرتا ہے اس سے جواب سنتا ہے۔ (یعنی جس چیز کو وہ مخاطب کرتا ہے وہ
اس سے ہمکلام ہو جاتی ہے خواہ بے جان کیوں نہ ہو)

فرمایا: عارف کا کمترین درجہ یہ ہے کہ حق کے صفات سے متصف ہو۔
فرمایا: اہل محبت وہ لوگ ہیں جو (حق تعالیٰ سے) براہ راست کلام سنتے ہیں فاضل ترین
وقت وہ ہے کہ دل کے وساوس بند ہو جائیں۔

فرمایا: علم بجز محیط ہے اور معرفت اس بحر سے ایک ندی ہے۔ پس بندہ کجا اور خدا
کجا۔ بحر محیط سے مراد حق ہے اور معرفت سے مراد بندہ۔

فرمایا: حق تعالیٰ کے نزدیک بہترین عبادت مظلوموں کی فریاد رسی اور بھوکوں کو
کھانا کھلانا ہے۔

فرمایا: جب میں پوست (پھلکے) سے باہر آیا تو عاشق، معشوق اور عشق کو ایک دیکھا
یعنی عالم توحید میں سب ایک ہیں۔

نیز فرمایا: کہ حاجی لوگ جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور بہشت کے طالب
ہوتے ہیں۔ لیکن عارفین قلب کے ساتھ عرش و حجابِ عظمت کا طواف کرتے ہیں۔ اور
اللہ کے دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔

فرمایا: ایک مدت تک میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا۔ لیکن اب کعبہ میرا طواف کرتا ہے۔

فرمایا۔ درحقیقت متوکل و دست جو انیس سے محبت کرنا بند کر دے۔

فرمایا۔ اس راہ میں قرار پکڑنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ عبودیت کو محفوظ خاطر رکھے دوسرے حق تقلے کی تعظیم کو لازم پکڑے۔

فرمایا۔ عارین آفتاب کی مانند ہیں جو دنیا پر تکیے ہیں۔ اور سارا جہان ان کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

دلیل العارین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ قطب الاسلام؟ خواجہ بزرگ کی آخری عمر میں دہلی سے اجیر تشریف لے گئے۔ چنانچہ دلیل العارین میں خواجہ قطب الدین بختیار علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جمعرات کے دن جامع مسجد اجیر میں خواجہ بزرگ کی دوست پالوسی نصیب ہوئی اور یہ آپ کی آخری مجلس تھی۔ تمام درویش اور عزیز واقارب درمیدین حاضر خدمت تھے۔ ملک الموت کے متعلق بات ہونے لگی۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا۔ بے موت کی زندگی کی قیمت رائے کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کس طرح۔ فرمایا اسیلے کہ **الْمَوْتُ جَسْرِيُو مَعْلُ الْحَبِيْبِ اِلَى الْحَبِيْبِ** موت ایک پل ہے جو دست کو دست سے ملاتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ دوستی یہ ہے کہ اسے دل سے یاد کرے نہ صرف زبان سے اور سوائے دوست کے کسی چیز کا ذکر نہ کرے۔ کلام پاک میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا ذکر قلبہ کرتا ہے تو میرے سوا تو کسی کو یاد نہیں کرتا اور میں تیرا عاشق ہو جاتا ہوں جب حضرت خواجہ نے یہ نواد بیان فرمائے تو روئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے درویش بھے اس جگہ اس لیے لایا گیا ہے کہ میرا مدفن یہاں ہوگا اور چند روز کے بعد ہم آخری سفر پر روانہ ہوں گے۔ پس آپ نے شیخ علی سجریٰ کو حکم دیا کہ خلافت نامہ لکھو۔ میں نے اپنی خلافت اور اپنے خواجگان کا سجادہ تطلب الدین بختیار کے حوالے کیا۔ دہلی اس کا مقام ہوگا جب خلافت نامہ مکمل ہوا تو اس دعا گو کے ہاتھ میں دیا۔ اس دعا گو نے سر زمین پر رکھ دیا۔ حکم ہوا کہ قریب ہو جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے کلاہ اور دستار بندہ کے سر پر رکھی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کا عصا ہاتھ میں دیا۔ اس کے بعد خرقہ پہنایا اور قرآن مجید، مصحفی اور نعلین بھی عطا فرمائے اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے جو خواجگان کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ ہم نے یہ امانت تمہارے سپرد کی جس طرح خواجگان نے اس کا حق ادا کیا تم بھی حق ادا کرنا تاکہ خواجگان کے سامنے مجھے شرمندگی نہ ہو۔ بندہ نے سرزمین پر رکھا۔ پس میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا جاؤ میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا اور منزل گاہِ عزت تک پہنچایا۔ اور صحرا نے حقیقت سے تجھے گزار دیا۔ اس وقت فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جو گوہر فقر ہیں اول ہمدیشی ہمت سہارا کرنے لیکن تو نگہ دکھائی دے۔ سوم۔ بھوکا سہے لیکن سیر دکھائی دے۔ سوم۔ غمناک ہو لیکن خوش دکھائی دے۔ چہارم۔ دشمن کے ساتھ دوست ہو کر دکھائے۔ (یعنی اگرچہ دشمن دشمنی کرے فقیر اس کے ساتھ بھلائی کرے) جب خواجہ بزرگ نے یہ فوائد ختم کئے ہیں نے چاہا کہ رخصت ہوؤں آپ نے فوراً میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ آگے آؤ میں نے حکم کی تعمیل کی اور سر آپ کے قدموں پر رکھا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا جاؤ جہاں رہو مردین کو رہو میں تسلیماتہ سبحان لایا اور رخصت ہوا۔ مسافت طے کرنے کے بعد وہی پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ تمام خلقت نے میری طرف رجوع کیا۔ چالیس دن نہیں گزرے تھے کہ خبر آئی کہ میرے رخصت ہونے کے بعد خواجہ بزرگ بیس دن حیات ظاہری میں رہ کر رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔ اس رات یہ دُعا گزشتہ نہایت عم و اندوہ کے عالم میں مصلے پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے غنزدگی طاری ہوئی تو مجالِ خواجہ سے مشرت ہوا۔ دیکھا کہ آپ عرشِ معلیٰ کے نیچے کھڑے ہیں۔ میں نے سر قدموں پر رکھ کر حال دریافت کیا تو فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور ساکنانِ عرش ملائکہ کے ساتھ جگہ دی ہے تاکہ یہاں قیام کروں۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس رات خواجہ بزرگ نے رحلت فرمائی۔

وصال مبارک | چند اولیاء اللہ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ کے دوست معین الدین بخاری آرہے ہیں ہم ان کے استقبال کو آئے ہیں۔ انتقال کے وقت آپ کی پیشانی پر ہرے رنگ کے نور سے یہ لکھا تھا

جَبِيبَ اللّٰهُمَّاتِ فِي حُبِّ اللّٰهِ رِيَةَ اللّٰهِ كَدَدِ اللّٰهِ حَبَّتِ فِي حَبِّ اللّٰهِ

رے دی، آپ کے کلمات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ تمام مقامات فارسی قطبی اور قطب الاقطاب سے گذر کر اور مقام فرد حقیقی یعنی مرتبہ محبت سے مشرف ہو کر کمال استعراق فنائے احدیت میں دوست سے یک رنگ ہو چکے تھے۔ آپ کا وصال در شنبہ کے دن ماہ رجب ۹۳۲ھ اور دوسری روایت کے مطابق یک شنبہ ماہ ذوالحجہ ۹۳۳ھ کو ہوا۔ آفتاب ملک ہند سے آپ کی تاریخ وصال نکلتی ہے۔ لیکن سلطان المشائخ و حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، اور دیگر مشائخ چشت نے یہ تصحیح کی ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ کا وصال ۱۴ ماہ ربیع الاول ۹۳۳ھ کو ہوا اور دلیل العارفین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور خواجہ قطب الدین نے خود تحریر فرمایا ہے کہ خواجہ بزرگ کا وصال اس وقت ہوا جب خواجہ قطب بقید حیات تھے۔ پس اس سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور کتاب کلمات الصادقین سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ خواجہ بزرگ کا وصال چھ رجب ۹۲۶ھ ۱۷ ربیع و عشرین دستمہ، کو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک کو روشن کریں۔ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف تناوے سال تھی۔ اس میں سے چالیس سال آپ نے اجیر شریف میں بسر فرمائے آپ کا وصال آپ کے حجرہ خاص میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ چنانچہ آپ کا مزار مبارک تمام ہندوستان کا قبلہ ہے۔



حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ

مطالعہ سے پہلے ہی سے اس کا نام بختیار اوشیؒ مستغرق درذات حضرت علیم، سہید
 آقا رضاؒ اور سید شہزادہ بختیار اوشیؒ کے نام سے مشہور ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ ابن کمال الدین احمد
 بن موسیٰ و شوقی اوسید اوشیؒ کے سب سے پہلے ہیں جو ماوراء النہر میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اوشی دیار فرغانہ
 میں ہے۔ آپ کے لقب بختیار بھی ہے۔ آپ حضرت خواجہ غریب خواجہ بزرگ قدس سرہ کے
 اہل بیعت ہیں آپ کا لقب مادرہ ہے جو اسے بنی آدم تھا اور مقام ترکہ و تجرید میں راسخ القدم تھے۔

بیاضات و مجاہدات میں آپ بے نظیر اور حقائق و معارف بیان کرنے میں بے ہمتا
 تھے۔ استفراق قنائے احدیت میں آپ تمام مشائخ میں ممتاز تھے۔ سیر العارفين میں لکھا
 ہے کہ خواجہ قطب السلام قصبہ اوشی میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر ڈیڑھ سال ہوئی تو آپ
 کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نہایت پاک دامن اور صالحہ تھیں۔
 آپ کی پرورش فرمائی۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کے قریب ہوئی تو ایک ہمسایہ آپ کو استاد
 کے پاس لے گیا۔ راستے میں ایک بزرگ نورانی صورت آپ کے ساتھ ہوئے اور کمال شفقت
 سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر شیخ ابا حفص کے پاس لے گئے جو تمام کمالات سے آراستہ تھے۔ ان
 سے کہنا کہ اس بچے کو اچھی طرح تعلیم دیجئے کیونکہ یہ ایک دن اولیائے کبار میں سے ہوگا اور مشائخ
 نامدار کے زمرہ میں شامل ہوگا۔ شیخ ابو حفص نے دل و جان سے قبول کیا۔ جب وہ بزرگ چلے

گئے تو استاد نے آپ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو وہ بزرگ کون تھے۔ آپ نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا یہ حضرت علیہ السلام تھے جنہوں نے تمہاری تعلیم کا کام میرے ذمہ لگایا ہے۔
 شیخ نصیر الدین محمود اودھنی قدس سرہ بھی خیر المجاہدین میں فسر مانتے ہیں کہ مولانا ابو حفصؒ کی صحبت کی برکت سے خواجہ قطب الدین کو تہذیب الاخلاق ظاہری و باطنی اور آداب شریعت و طریقت کی تعلیم حاصل ہوئی۔ اور آپ کا ظاہر و باطن اس قدر آراستہ ہوا کہ ایک ساعت بھی آپ ریاضت و مجاہدہ کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ ہر روز دعائی سو رکعت نماز کمال خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے اور حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد شہر بغداد میں مسجد امام ابولیث سمرقندی کے اندر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حد الدین کرمانیؒ شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفحانی کے سامنے خواجہ بزرگ معینی الحق والدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرید ہوئے۔

اور خواجہ بزرگ کے کمال شفقت سے آپ نے تھوڑے عرصے میں سلوک تمام کر لیا اور خرقہ خلافت حاصل کر کے مسند ارشاد پر فائز ہوئے جیسا کہ اس سلسلے کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ خواجہ قطب الاسلام اٹھارہ سال کی عمر میں مرید ہوئے اور بیس سال کی عمر میں آپ کی تکمیل ہو گئی۔ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ سے نقل کیا گیا ہے کہ خواجہ قطب الاسلام بہرات سونے سے قبل تین ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے۔ جب اوش میں آپ کی شادی ہوئی تو تین رات کے لئے آپ سے درود قضا ہو گیا۔ آپ کے ایک مرید احمد رئیس نامی نے رات کو خواب میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ بختیار کاکا کو میرا سلام کہنا اور ان سے یہ کہنا بہرات جو تھوڑے تم مہیتے تھے مجھے مل جاتا تھا لیکن تین رات سے نہیں ملا یہ بند سے بیدار ہو کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت خواجہ کو پہنچایا۔ آپ نے اپنی بیوی کو بلا کر حق المہر ادا کیا اور اسے چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے۔ جب آپ ملتان پہنچے تو شیخ بہاؤ الدین ذکریا قدس سرہ سے آپ کو بہت محبت ہو گئی۔

شیخ جلال الدین تبریزی بھی ان دنوں ملتان میں تھے یہ تینوں بزرگوں کے درمیان محبت خوب گرم رہی۔ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ تینوں حضرات

بیٹھے تھے کہ کفار کا لشکر قلعہ طمان کے نیچے پہنچ گیا۔ والی طمان قباچہ بیگ نے حاضر خدمت ہو کر امداد کی درخواست کی۔ خواجہ قطب الاسلام نے ایک تیر قباچہ بیگ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اسے کفار کی طرف بھینکو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب صبح ہوئی تو ایک کافر بھی قلعہ کے نزدیک نہ تھا۔ حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہ پہلی مرتبہ طمان ہی میں خواجہ قطب الاسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ چند ایام کے بعد خواجہ قطب الاسلام دہلی روانہ ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو سلطان شمس الدین محمد اپنے لئے سعادت دارین سمجھ کر کمال اخلاص سے آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہفتے میں ایک دفعہ آپ کی زیارت کو آتے تھے۔

شیخ جمال الدین محمد بسطامی جوان دنوں دہلی میں مقیم تھے اور جن کے کمالات حضرت سلطان المشائخ نے کتاب فوائد الفوائد میں درج کئے ہیں ان کو بھی خواجہ قطب الاسلام سے کمال اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا۔ اور حضرت شیخ محمد عطار المعروف قاضی حمید الدین ناگوری کو بغداد ہی میں قطب الاسلام سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ ہندوستان میں ان کی باہمی محبت اور بھی زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ قاضی حمید الدین ناگوری کمال صدق و صفا کی وجہ سے اکثر اوقات حضرت خواجہ علیہ رحمہ کی محبت میں بستے تھے۔ بعض اوقات دونوں حضرات باہم سفر پر بھی چلے جاتے تھے۔ چنانچہ سیرت میں خواجہ قطب الاسلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر میں تھے جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو ہم پر بھوک غالب آگئی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ عالم غیب سے ایک بکری دو روٹیاں منہ میں لئے ظاہر ہوئی اور روٹیوں کو ہمارے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ ہم نے روٹی کھائی۔ اس کے بعد چانک ایک بہت بڑا بچھو دریا کے کنارے پر نظر آیا۔ اس نے اپنے آپ کو پانی میں مچینا اور مہنے لگا۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے پس ہم اس کے پیچھے ہوئے۔ جب بچھو دریا کے دوسری طرف چلا گیا تو ہم نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ہمیں بھی پار کر دے۔ چنانچہ دریا شق ہو گیا اور درمیان میں خاک زمین نظر آنے لگی۔ جب ہم نے دریا پار کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ درخت کے نیچے ایک آدمی سوا سوا

ہے اور ایک سانپ قریب بیٹھا اسے ڈسنے کے لیے تیار تھا تاکہ اسے ہلاک کر دے
 اس بچپونے ایک جست لگائی اور سانپ کو مار کر عیب ہو گیا۔ ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا
 کہ کون بزرگ ہیں جس کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن قریب جا کر دیکھا تو وہ ایک تہرانی
 نکلا چونٹے میں مست پڑا تھا اور پاس اس کی قے پڑی تھی۔ ہمیں دیکھ کر شرم آئی کہ دیکھو
 یہ اس قدر بے فرمان ہے اور حق تعالیٰ کس قدر نگہبان ہے۔ ہاتھ سے آواز آئی
 کہ اے عزیزان! اگر ہم صرف صالحین اور پارسا لوگوں کی نگہبانی کریں تو ان گنہگاروں
 اور بدکاروں کی حفاظت کون کرے گا۔ اس اثنا میں وہ آدمی بیدار ہو گیا۔ ہم نے سارا
 جراثیم ستایا۔ وہ سن کر شرمندہ ہوا اور شراب نوشی سے توبہ کر کے بعد میں واصل
 ہو گیا۔

اس کے بعد خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ اسے درویش جب وقت
 آتا ہے اور لطف و کرم کی ہوا چلتے لگتی ہے تو صد ہزاران شرابیوں کو صاحب سجادہ
 بنا دیتے ہیں اور اگر نسیم قہر چل پڑے تو صد ہزاران سجادہ نشینوں کو اڑا کر شراب خانہ میں پھینک دیتی
 ہے۔ سیر العارین میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الاسلام وہلی میں مقیم ہوئے تو تمام اکابر
 و اشراف اور ساری خلقت یکبارگی آپ کی صورت و سیرت پر عاشق اور فریفتہ ہو گئی۔ ان ہی
 ایام میں شیخ بدر الدین غزنوی کو آپ نے خرفہ خلافت عطا فرمایا اور انہوں نے ساری عمر آپ کی خدمت
 میں گزار دی۔ اس کا ذکر تفصیلاً اپنے مقام پر آچکا ہے۔ ایک دفعہ خواجہ قطب الاسلام نے
 سلطان الافاق خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ اشتیاق
 دیدار اس قدر ہے کہ رہا نہیں جاتا اگر اجازت ہو تو بندہ شرف قدمبوسی حاصل کرے۔ خواجہ
 بزرگ نے جواب لکھا کہ "الْمَسْرُوعُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ مَقْبَرَاتُ - قَرَبِ
 جَانِي رَابِعُ مَكَانٍ مَانِعٌ نَيْتٌ"

(آدمی اسی کے ساتھ رہتا ہے جسکے ساتھ اسے محبت ہو) (المحدث) قرب
 روحانی کے لئے بعد (دوری) جسمانی مانع نہیں ہے یعنی اگرچہ جسمانی طور پر آپ مجھ سے دور
 ہیں روحانی طور پر مجھ سے بالکل قریب ہیں) خواجہ بزرگ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ آپ وہاں

سلامت رہیں۔ انشاء اللہ کچھ عرصے کے بعد بارادت حضرت اللہ آپ کی طرف آنا ہوگا۔ پس ناچار خواجہ قطب الاسلام اپنے شیخ کے حکم کے مطابق دہلی ہی میں رہے۔ ان دنوں شیخ الاسلام جمال الدین بطنائی بھی رحلت کر گئے۔ سلطان شمس الدین نے چاہا کہ شیخ الاسلامی خواجہ قطب الاسلام کے سپرد کریں لیکن آپ نے اس کی طرف ذرہ بھرا التفات نہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام بنا دیا۔ اس منصب سے پہلے شیخ نجم الدین صغریٰ نیک روش اور پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے لیکن دنیا کے ڈول نے اپنا اثر دکھایا اور کم حوصلگی کی وجہ سے وہ اپنے حال پر قائم نہ رہ سکے۔ سلطان شمس الدین اور تمام اراکین سلطنت کو خواجہ قطب الاسلام سے حد درجہ کا اعتقاد و محبت تھی۔ اتفاقاً ان ہی ایام میں خواجہ بزرگ رحیم شریف سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الاسلام بے حد خوش ہوئے اور دو گاہ رت العزت میں ٹھکانہ سجالاتے۔ آپ نے چاہا کہ سلطان شمس الدین کو اطلاع دیں لیکن خواجہ بزرگ نے منع فرما دیا کہ تم مخلص نہیں بنے آئے ہیں اور دو تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے شہر دہلی کی ساری خلقت خواجہ بزرگ قدس سرہ کی زیارت کے لیے ٹوٹ پڑی لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ نہ آئے۔ باوجودیکہ اس کے قبل ملک خراسان میں حضرت خواجہ کے ساتھ بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ چونکہ کمال اخلاق و عجز اس خاندان کا شہوہ ہے خواجہ بزرگ خود

شیخ نجم الدین کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ ایک عمارت کی تعمیر میں مصروف تھے اور خواجہ بزرگ کی طرف بالکل التفات نہ کیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے نجم الدین تجھے کیا ہو گیا ہے شاید شیخ الاسلامی نے تجھے تبدیل کر دیا ہے انہوں نے شرمساری سے سزگوں ہو کر کہا کہ میں تو وہی مخلص اور معتقد ہوں لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑ دیا ہے کہ جس کی وجہ سے میری شیخ الاسلامی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ خواجہ غزنی نے یہ کلمات سن کر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ فکر نہ کرو اس مرتبہ میں بابا قطب الدین کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ خواجہ قطب الاسلام کے مکان پر تشریف لائے چند روز کے بعد شیخ نجم الدین عہدہ شیخ الاسلامی سے برطرف ہو کر قتل ہو گئے۔ چنانچہ اس کی تفصیل شیخ جلال الدین تبریزی کے حالات میں لکھی جائے گی۔

الایام میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرف بھی حضرت خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ خواجہ بزرگ علیہ رحمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ خواجہ بزرگ نے کہاں مہربانی سے آپ کے متعلق فرمایا کہ بابا قطب الدین تم نے ایسا عظیم شاہ باز قید کر رکھا ہے جو سدیۃ المنتہیٰ کے سوا کسی جگہ آشیانہ نہیں بناتا۔ یہ فرید قہ شمع ہے کہ درویشوں کے خاندان کو منور کرے گا۔

جس طرح خواجہ قطب الاسلام سے بڑھ کر خواجہ بزرگ کا کوئی مرید نہ تھا اسی طرح خواجہ گنج شکر سے بڑھ کر خواجہ قطب الاسلام کا کوئی مرید و خلیفہ نہ تھا۔ الغرض چند ایام کے بعد خواجہ بزرگ اجمیر تشریف لے گئے اور خواجہ قطب الاسلام کو بھی ساتھ لے جانے کا قصد کیا۔ جب خواجہ قطب الاسلام خواجہ بزرگ کے ہمراہ شہر دہلی سے باہر نکلے شہر کے ہر محلہ سے شہر و عونا بلند ہوا اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ساری خلقت اور بر خاص و عام مع سلطان شمس الدین پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور جس جگہ خواجہ قطب الاسلام قدم رکھتے تھے لوگ کہاں صدق سے وہاں کی مٹی تبرک کے لیے اٹھا لیتے تھے اور منہ پر ملتے تھے جب خواجہ بزرگ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا بابا قطب الدین اسی جگہ رہ جاؤ کیونکہ تمہارے چلے جانے سے ساری خلقت مضطرب اور پریشان حال ہے۔ میں اتنے دلوں کو خراب و کباب نہیں کرنا چاہتا جاؤ اس شہر کو ہم نے منہاری پناہ میں دے دیا پس خواجہ قطب الاسلام کو رخصت فرما کر آپ خود اجمیر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد خواجہ بزرگ ایک مرتبہ اور دہلی تشریف لے گئے یعنی بادشاہ سے اپنے فرزندوں کے لئے موضع حاندن کا فرمان درست کرانے کی غرض سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین المنتش کا مدت سے ارادہ تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض تیار کرایا جائے تاکہ خلق خدا کو آرام پہنچے۔

ایک رات اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے شمس الدین اگر تو چاہتا ہے کہ حوض بنائے اور خلقت فیض یاب ہو تو اس جگہ بنا چال ہم کھڑے ہیں جب بادشاہ

بیدار ہوا تو وہ جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے معلوم نہ کر سکا۔ حیران ہوا کہ کیا کیا جائے آخر اپنے ایک خاص آدمی کو خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہو کر عرض کروں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو حوض بنانے کا اشارہ فرمایا ہے۔ ہم اسی جگہ جا رہے ہیں جہاں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف فرما تھے بادشاہ سے کہو کہ جلدی وہاں پہنچ جائے۔ خواجہ قطب الاسلام وہاں پہنچ کر دو گانہ نماز میں مشغول ہو گئے۔ سلطان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور جو جگہ بھول چکا تھا اسے یاد آگئی وہاں جا کر دیکھا تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سُم کا نشان موجود تھا۔ پس اسی مقام پر حوض تیار کرایا گیا اور جس جگہ گھوڑے کے سُم کا نشان تھا وہاں ایک چھوٹا سا گنبد بنا دیا گیا۔ سبحان اللہ! عجب پر فیض مقام ہے کہ بے شمار اولیاء اللہ اس کے گرد آرام فرما رہے ہیں۔ خواجہ قطب الاسلام اور فاضل حمید الدین ناگوری اکثر اوقات وہاں جا کر مشغول ہوا کرتے تھے اور خضر علیہ السلام اور دیگر مردانِ غیب کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ ایک بزرگ نے خوب لکھا ہے کہ۔

بزرگ نے خوب لکھا ہے کہ۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سہا سجدہ صاحب نظران خواہد بود

رجس زمین پر اسے محبوب اتیرے قدموں کا نشان آیا ساہا سال صاحب

معرفت لوگ وہاں سجدے کرتے رہیں گے

سیر الغارین میں لکھا ہے آخر عمر میں خواجہ قطب الاسلام دہلی میں متاثر ہوئے اور

دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک شیخ احمد ہیں جن کی قبر حضرت خواجہ کے پہلو میں ہے۔ آپ

بہت صاحب کمالات و کمالات تھے۔ آپ کو خواجہ احمد نما بھی کہتے ہیں۔ رحمتہ

اللہ علیہ۔ آپ سلطان المشائخ کے زمانے تک زندہ رہے دوسرے بیٹے کا نام شیخ

محمد تھا جو ایام طفلی میں رحلت کر گئے تھے۔

عیال و اطفال کے باوجود حضرت خواجہ فتوح کم قبول فرماتے تھے اور ہمیشہ

تنگی سے بسر کرتے تھے۔ سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ خواجہ بزرگ نے آپ کو اجازت سے رکھی تھی کہ اگر ضرورت ہو تو پانچ سو درم قرض لے کر خرچ کر لیا کریں۔ جب دو تین دن متواتر فاقہ ہوتا تو حرم پاک شرف الدین بقال سے جو آپ کا ہمسایہ تھا بقدر ضرورت قرض لے کر خرچ کرتے۔ ایک دن بقال کی عورت نے کہا اگر ہم ہمسایہ نہ ہوتے تو معلوم نہیں ان لوگوں کا کیا حال ہوتا۔ حرم شریف نے یہ بات حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ نے فرمایا آج سے قرض ہرگز نہ لینا۔ آپ کے حجرے کے اندر ایک طاق تھا آپ نے فرمایا آئندہ جس چیز کی ضرورت ہو بسم اللہ پڑھ کر اس طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو۔ حرم خواجہ جس وقت طاق میں ہاتھ ڈالتیں گرم کاک (روٹی) نکال لیتیں۔ اس سے انکے گھر کے لوگوں کو سہرا دقات ہو جاتی تھی۔ اسی وقت سے حضرت خواجہ کا خطاب کاک ہو گیا۔ خواجہ بزرگ اکثر آپ کو قطب الدین بختیار کہا کرتے تھے اس وجہ سے آپ کا لقب بختیار ہو گیا۔ سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الاسلام اکثر استغراق میں رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ سے ملنے آتا تو دیر کے بعد آپ کو معلوم ہوتا کہ کون ہے اور اس کی دل جوئی کی خاطر ایک دو باتیں کر کے رخصت کر دیتے اور فرماتے تھے کہ مجھے معذور رکھو۔ آپ فنائے احدیت میں اس قدر مستغرق تھے کہ جب آپ کا لڑکا فوت ہوا تو آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن آپ نماز سے فارغ ہو کر اس جگہ پہنچے جہاں اس وقت آپ کا مزار مبارک ہے! اس زمانے میں وہ زمین غیر آباد تھی اور وہاں کوئی قبر اور گنبد نہ تھا۔ آپ وہاں سرے ہو گئے اور تامل کرنے لگے۔ جو عزیز ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا کہ آج عید کا دن اور خلقت آپ کے انتظار میں ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ آپ گھر تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا ”مرا ازیں زمین بوئے دلہا مے آید“ (مجھے اس زمین سے بوئے دلہا یعنی دلوں کی خوشبو آتی ہے) آپ نے مالک زمین کو طلب فرمایا اور اپنی قبر کے لیے وہ زمین خرید لی۔ سلطان المشائخ یہ بیان فرما کر آبِ میدہ ہو گئے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ ”مرا ازیں زمین بوئے دلہا مے آید“ سبحان اللہ کون کون سے بزرگ اس زمین کے اندر آسودہ ہیں۔ اور اس وقت خلقت

کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ کتاب دلیل العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر
وقت میں آپ ایک دفعہ خواجہ بزرگ سے ملنے اجمیر شریف گئے اور وہاں سے رخصت
ہو کر دہلی آئے اور سب روز کے بعد خواجہ بزرگ کا وصال ہو گیا۔ خواجہ قطب الاسلام
بھی تھوڑے عرصے کے بعد رحلت فرما گئے۔ حضرت گنج شکر قدس سرہ فوائد السالکین
میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الاسلام کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ قاضی حمید الدین^۱
ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک، شیخ شرف الدین، شیخ محمود مونیہ ووز، مولانا
فقیر خداداد کہ جن کی نظر کے سامنے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی حجاب نہ تھا؛ مجلس
میں حاضر تھے۔ حج کے متعلق بات ہونے لگی خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے
لیے بندے بھی جو اپنے خراب آباد میں ہوتے ہیں اور خانہ کعبہ کو حکم ہوتا ہے کہ وہاں جا
کر ان کا طواف کرے۔ جب عزیزوں نے یہ بات سنی تو کھڑے ہوئے اور عالم تحیر میں
مستغرق ہو گئے چنانچہ انہیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ یہ دعا گو بھی عالم شوق میں مستغرق ہو گیا۔ حضرت خواجہ
ہم سب نے ہاتھ اوپر اٹھائے جیسا کہ خانہ کعبہ کے طواف کے وقت اٹھا کر تکبیر پڑھتے
ہیں اس وقت ہم سب ہوش میں آ گئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ ہمارے سامنے ہے۔
پس ہم نے تمام شرائط کے ساتھ طواف کیا ہاتھ نے آواز دی کہ اے عزیزان ہم نے
تمہارا حج اور نماز قبول کیا۔ اس کے بعد ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اب میں نے اپنا منہ
زمین پر رکھ کر ہانسی جانے کے لئے اجازت طلب کی۔ یہ دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور
فرمانے لگے کہ بابا فرید جانا چاہتے ہو، میں نے دوبارہ منہ زمین پر رکھ کر عرض کیا کہ جس طرح فرمان
ہو۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ تقدیر میں ہی لکھا ہے۔ خواجہ بزرگ کے وصال کے وقت میں
حاضر نہ تھا۔ تم بھی میرے آخری سفر کے وقت حاضر نہ ہو گے۔ اس وقت آپ نے تمام
دوستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کی خواجہ گنج شکر کی (مزید نعمت کے لیے فاتحہ
اخلاص پڑھو۔ سب نے تعمیل کی۔ اس کے بعد منصلے اور عصا اس دعا گو کو عطا فرمایا اور کہا
کہ دو گنا ادا کرو۔ میں نے تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا میں تیری امانت سدا سجاوہ، دستار،
خرقہ اور نعلین قاضی حمید الدین ناگوری کے سپرد کروں گا کہ میرے انتقال کے چوتھے یا

پانچویں دن تمہیں دے دیں گے تم ان کا احترام کرنا (حق ادا کرنا) ”مقام ما مقام تست“ (ہمارا مقام تمہارا مقام ہے)۔ جب حضرت خواجہ نے یہ فرمایا تو مجلس سے آہ و نعرہ بلند ہوا۔ آپ نے فرمایا مرید کو چاہیے پیروں کی نسبت پر چلے اور ذرہ بھر تجاوز نہ کرے تاکہ کل (قیامت کے دن) ان سے نثر مند نہ ہو۔ اس کے بعد اس دعا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مرید تو میرا اس دنیا میں اور آخرت میں دوست دار ہے لیکن غافل نہ رہنا کیونکہ اہل سلوک فرماتے ہیں کہ راہِ طریقت بہت پر خوف راستہ ہے۔

اور مشائخِ عظام فرماتے ہیں کہ اس کو چہ میں قدم رکھنے والے جب تک دست

بلا سے دروازہ نہیں کوٹتے نہیں کھلتا اور جب تک زبانِ ندامت اور غم سے طلب نہیں

کرتے مقصود حاصل نہیں کرتے اور جب تک دل کے قدم سے نہیں چلتے منزل گاہ

عزت تک نہیں پہنچتے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سال تک ہر قسم کی

زبان استعمال کی لیکن کچھ نہ ملا۔ ہر قسم کے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن نہ کھلا اور ہر قسم

کے قدموں سے چلا لیکن منزل گاہِ عزت تک رسائی نہ ہوئی۔ جب بلا کے ہاتھ سے دروازہ

کھٹکھٹایا اور زبان اندوہ سے التجا کی تو منزل مقصود تک پہنچ گیا۔

جب خواجہ نے فوائذ ختم کئے تو سب عزیزوں نے منہ زمین پر رکھا اور رخصت ہو گئے۔

جب میری باری آئی تو آپ نے میرا سر کنار (گود) میں لے کر فرمایا ”ہذا فراقِ بینی و بینک“

(یہ وقت ہے جدائی کا میرے اور تمہارے درمیان) فرمایا جاؤ تجھے خدا کے سپرد کیا اور

منزل پر پہنچا دیا۔ پس دعا گو نے اپنا منہ زمین پر رکھا اور اجازت حاصل کر کے ہانسی

چلا گیا۔

سیر العارفین میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ شیخ علی سنجرمی کی خانقاہ

میں مجلس سماع گرم تھی۔ درویشانِ اہل حال اور اہل کمال موجود تھے خواجہ قطب الاسلام بھی

تشریف رکھتے تھے۔ قوال شیخ احمد جام کا یہ شعر گار ہے تھے۔

کشتگانِ خنجرِ سلیم را
ہرزماں از غیب جانِ دیگر است

اس پر خواجہ قطب الاسلام کو حال آگیا اور بے ہوش ہو گئے۔ شیخ محمد عطاء عرف قاضی

حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو گھر لے آئے۔ قوال بھی ساتھ چلے آئے
تین دن رات تک آپ اسی حال میں مستغرق رہے۔ قوالوں کو اسی سیت کا حکم فرماتے رہے
اور وجد کرتے رہے اس سے آپ کی ہڈی ہڈی الگ ہو گئی۔ تیسرے دن استغراق کا غلبہ
نیا وہ ہو گیا۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی نے کہا کہ آپ کے خلفاء میں سے
کس کے لئے حکم ہے کہ آپ کی مسند پر بیٹھے۔ آپ نے فرمایا دستار خرقہ مصلا اور نعلین
چوبیس (کڑی کے جوتے) جو خواجہ بزرگ سے مجھے ملے ہیں شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچا دینا
کیونکہ میرے جانشین وہی ہیں یہ کہہ کر آپ نے جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ شیخ بدر الدین
غزنوی کہتے ہیں کہ خواجہ کی وفات کی رات مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ
خواجہ اوپر کی طرف جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اسے بدر الدین دوستان حق کے لیے
موت نہیں ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ کی وفات
بروز دوشنبہ چودہ ماہ ربیع الاول ۶۳۳ھ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوئی۔ اس وقت
آپ کی عمر پچاس سال تھی ایک روایت کے مطابق آپ کی عمر باون سال تھی ایک اور
روایت کے مطابق چونسٹھ سال تھی۔ ایک اور روایت میں آپ کی عمر پچھتر سال بتائی
جاتی ہے۔ آپ دہلی میں حوض شمس کے قریب دفن ہوئے۔ برحمتہ اللہ علیہ



مثنوی مولانا روم

بہتر از صد سالہ طاعت کے یہا	یک زمانے صحبت با اولیا
تیر جہتہ باز گردانند ز راہ	اولیا را بہت قدرت از اذہ
نور حق اندر مجال اولیا	فیض حق اندر کس ال اولیا
اونشیند در حضور اولیا	ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
در حقیقت گشتہ دور از خدا	چوں شوی دور از حضور اولیا
یعنی دید پس دید کبیرا	پیر کامل صورت ظل الہ
نے مرید نے مرید و نے مرید	ہر کہ پیر و ذات حق ایک نشید

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

دوسرا باب

شیخ الاسلام گنجشکر کا سلسلہ نسب و حالات زندگی تاریخ کے آئینہ میں

اصل مقصد جس کے لیے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے یہ ہے کہ حضرت خواجہ گنجشکر کے تاریخی حالات بیان کیے جائیں تاکہ حضرت اقدس کا صحیح مقام قارئین کرام کے سامنے آسکے۔ اور آپ کے بلند و بالا روحانی منازل و مقامات کا پتہ چل سکے۔ اگرچہ حضرت اقدس کے تذکرہ نویسین شہا ہیں اور لوگوں نے کئی قسم کی باتیں حضرت اقدس سے منسوب کر دی ہیں لیکن صحیح تاریخی مواد صرف چند کتابوں ہی میں ملتا ہے، چنانچہ ہماری کتاب "مقام گنجشکر" حسب ذیل نو تاریخی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

اس کتاب کے مصنف حضرت خواجہ محمد کرمانی ہیں جو میر خور دیا خواجہ دا سیر الاولیاء : خورد کے نام سے موسوم تھے۔ آپ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ کے آباؤ اجداد نے حضرت محبوب الہی اور حضرت خواجہ گنجشکر کے آغوش میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ میر خورد کے دادا حضرت شیخ محمد کرمانی "حضرت بابا صاحب" کے مرید و خلیفہ تھے اور اٹھارہ سال اجودھن میں حضرت اقدس کے ساتھ رہ کر خلافت حاصل کی اہل علم

میں یہ کتاب یعنی سیر الاولیاء مستند مانی جاتی ہے اور اس کے حوالہ جات بعد کی کتابوں میں جا بجا ملتے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ نادر کتاب اپنے اصل متن فارسی میں اب دستیاب ہے۔ حال ہی میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور نے مرکز تحقیقات فارسی ایران کے تعاون سے شائع کی ہے۔

اس کتاب کے مصنف بھی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین (۲) فوائد الفوائد : اولیاء کے ایک مرید خواجہ حسن علائق بنی جو بڑے عالم فاضل اور صوفی شاعر تھے۔ یہ کتاب حضرت محبوب الہی کے اقوال و ملفوظات کا مجموعہ ہے اور حقائق و معارف کا بیش بہا خزینہ ہے۔ کتاب مذکور کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ لکھ لیتے تھے حضرت شیخ کو دکھا کر صحیح کرا لیتے تھے۔ اس طرح اس کتاب کی حیثیت بھی ایک مستند ماخذ کی ہے۔ (یعنی فوائد الفوائد سلوک الی اللہ کا دستور العمل ہے اور نہایت اعلیٰ ہے اگرچہ حضرت امیر خسروؒ نے بھی ملفوظات جمع کئے ہیں لیکن وہ اس قدر مقبول نہیں ہوئے۔۔۔ فوائد الفوائد نہایت معتبر ہے۔ اس کتاب کے متعلق حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں کہ کاش میری تمام تصانیف حسن کے نام ہوتیں اور فوائد الفوائد میرے نام۔

یہ کتاب حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ اعظم حضرت نصیر الدین (۳) خیر المجالس : محمود چراغ دہلوی قدس سرہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو حضرت مولانا حمید قلند نے جمع کیے ہیں۔ مولانا حمید قلند بھی حضرت محبوب الہی کے مرید تھے لیکن آپ کے وصال کے بعد ان کو خلافت حضرت چراغ دہلویؒ سے حاصل ہوئی۔ حضرت چراغ دہلویؒ نے بھی جو کچھ حضرت خواجہ گنجشکر کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ اسے شیخ حضرت سلطان المشائخ سے سن کر فرمایا ہے۔ اس لیے ان ملفوظات کے مستند ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو (۴) جوامع الکلم : آپ کے فرزند سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینی نے جمع کیے ہیں۔ حضرت گیسو درازؒ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مرید و خلیفہ ہیں اور بہت بڑے بزرگ ہیں آپ کا مزار مبارک گلبرگہ شریف میں ہے جو ریاست حیدرآباد دکن میں واقع

ہے۔ یہ کتاب بھی نہایت معتبر ہے کیونکہ اس میں وہی باتیں درج ہیں جو
نے اپنے شیخ سے سنیں اور انہوں نے اپنے شیخ حضرت محبوب الہی سے سنیں۔

اس کتاب کے مصنف مولانا حامد فضل اللہ جمالیؒ میں جو

(۵) سیر العارفین : شیخ سہار الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کنپور

سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے شیخ حضرت سہار الدین بھی کنپور تھے۔ اور ملتان کے رہنے

والے تھے۔ لیکن بعد میں دہلی میں مقیم ہو گئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ شیخ جمالی سلطان

بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے زمانے میں ہو گزرے ہیں۔ آپ کا سن وفات جو اخبار اللہ

میں دیا ہے ۹۹۹ھ ہے۔ سیر العارفین ۹۳۸ سے ۹۴۱ کے عرصے میں لکھی گئی۔ شیخ جمالیؒ

بلند پایہ بزرگ شاعر اور عالم فاضل تھے اور آپ کی تصانیف کثیر ہیں۔

اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔

(۶) اخبار الاخبار : جو شیخ جمالی کے ہمزمان تھے لیکن آپ کا سلسلہ قادریہ تھا۔ آپ

بڑے محقق اور بلند مقام صوفی تھے۔ علم حدیث میں آپ کی شرح مشکوٰۃ شریف مشہور کتاب ہے۔

یہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ

(۷) لطائف اشرفی : ہے آپ حضرت شیخ علاؤ الدین بنگالیؒ کے خلیفہ ہیں آپ

حضرت شیخ نجمی سراج الدین کے خلیفہ ہیں اور آپ حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں

یہ ملفوظات آپ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین مینیؒ نے قلمبند کیے ہیں حضرت

شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردو لویؒ اور حضرت مخدوم جہانیاں

جہاں گشت اوچیؒ کے ہمزمان تھے۔

اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ عبدالرحمن چشتی صابری ہیں

(۸) مرآۃ الاسرار : جو عہد شاہجہانی کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت شاہ ابوسعید

گلگوہریؒ کے دوست تھے۔ مرآۃ الاسرار ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے لے کر شاہجہاں کے وقت تک اولیائے کرام کی گیارہ صدیوں کی تاریخ ہے

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام سلاسل کے مشائخ عظام کے حالات

بڑی صحت کے ساتھ درج ہیں اور انداز بیان انتہائی موثر ہے۔ اس کتاب کے ماخذ یہ ہیں
تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فرید الدین عطارؒ کشف المحجوب مصنفہ سید علی ہجویریؒ۔ لغات
الانس مصنفہ مولانا جامیؒ۔ لطائف المشرقی۔ اخبار الاخیار۔ سیر الاولیاء۔ فوائد الفوائد۔ یہ کتاب ابھی
تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ جس کی فوٹو کاپی
حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کے خلیفہ حضرت شاہ سراج علی محمد نے لے کر کراچی میں تیار کرایا
ہے اور اس احقر راقم الحروف نے سات سال کے عرصہ میں اس کا اردو ترجمہ مکمل کر لیا ہے
الْحَمْدُ لِلَّهِ یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔

یہ قائدانہ مغلیہ کے آخری دور کی تصنیف ہے اس کے
(۹) آفتاب النوار : مصنف حضرت شیخ محمد اکرم ہیں جو حشی صابری تھے اور

بڑے صاحبِ حال بزرگ تھے۔ یہ کتاب حضرت خواجہ غلام فرید چاچراں شریف کے
زیر مطالعہ رہتی تھی اور اس کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بادشاہ کتاب ہے اور اس
کا مصنف ولی اللہ ہے اس میں مشائخ صابریہ کے حالات کے علاوہ ان کے بلند روحانی
مقامات بھی بیان کیے ہیں مصنف بڑے نقاد ہیں اور ضعیف روایات کی ہر جگہ نفی
کرتے جاتے ہیں۔

اس کتاب کا بھی راقم الحروف نے اردو ترجمہ کر لیا ہے اور زیر طبع ہے۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنجشکر قدس سرہ کا شجرہ نسب امیر المومنین حضرت
سلسلہ نسب : عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ سے اس طرح جاملتا ہے۔ حضرت فرید الدین مسعود

بن حضرت جمال الدین سلیمان بن حضرت قاضی شعیب بن حضرت شیخ محمد احمد بن حضرت شیخ
محمد یوسف بن حضرت شیخ شہاب الدین بن فرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین محمود بن شیخ
سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبد اللہ واعظ اصغر بن شیخ ابوالفتح واعظ اکبر بن شیخ اسحاق بن شیخ
ابراہیم بن شیخ ادھم بن شیخ سلیمان بن شیخ منصور بن شیخ ناصر بن حضرت عبد اللہ ابن
امیر المومنین و خلیفۃ المسالین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت قاضی شعیبؒ : جب حضرت بابا صاحبؒ کے دادا صاحب حضرت

قاضی شعیبؒ کے والد حضرت شیخ احمد تاتاریوں کے حملے میں کابل میں شہید ہو گئے تو قاضی شعیبؒ کابل سے ترک سکونت اختیار کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ پہلے لاہور پہنچے۔ اس کے بعد قصور سے ہوتے ہوئے بمقام کھتوال پہنچے جس کا موجودہ نام چاولی مشائخ ہے۔ سرکاری ریکارڈ سے معلوم ہوا ہے کہ چاولی مشائخ کا پہلا نام کھتوال ہے۔ سیر الاولیاء کے مطابق قصور کے قاضی کی وساطت سے حضرت قاضی شعیبؒ کو بادشاہ نے کھتوال کی قضا کا عہد سپرد کیا۔

حضرت قاضی شعیبؒ کے دو فرزند تھے
حضرت قاضی جمال الدین سلیمانؒ: بڑے کا اسم گرامی قاضی جمال الدین

سلیمان اور چھوٹے کا نام قاضی عبداللہ تھا۔ قاضی سلیمانؒ بڑے عالم و فاضل تھے آپ کی شادی حضرت مولانا وجیبہ الدین خجندی کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا اسم گرامی بی بی قرسم خاتون تھا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد آپ کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے۔

حضرت قاضی جمال الدین سلیمانؒ کے تین فرزند تھے۔ پہلے فرزند کا
اولادِ مجاد: اسم گرامی شیخ اعز الدین محمودؒ تھا۔ دوسرے کا اسم گرامی حضرت

شیخ فرید الدین مسعودؒ اور تیسرے کا حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ تھا۔ حضرت بی بی قرسم خاتون کے متعلق صاحب مرآة الاسرار سیر العارفين اور اخبار الانبياء لکھتے ہیں کہ بڑی عابدہ زاہدہ اور مستجاب الدعوات تھیں یعنی جو دعائیں مانگتی تھیں قبول ہوتی تھیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ کا سن پیدائش
حضرت گنجشکرؒ کی ولادت: سیر الاولیاء کے مطابق ۵۶۹ھ ہے اور سن

وصال ۶۶۴ھ ہے اس حساب سے آپ کی عمر شریف پچانوے سال بنتی ہے لیکن فوائد الفوائد میں آپ کی عمر حضرت سلطان المشائخ نے تیرانوے سال بتائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا سن پیدائش ۵۶۸ھ تھا جو بعض تواریخ میں مذکور ہے۔

لہ مرآة الاسرار و سیر العارفين

لیکن ہمارے شجرہ شریف میں حضرت اقدس کاسن وصال ۶۶۸ھ ہے جو کشفی معلوم ہوتا ہے۔ اور اصح ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ گنج شکرؒ کی والدہ

حضرت بی بی قریم خاتون کی کرامت:

ماجدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ، تہجد گزار، ذاکرہ و شاعلی تھیں۔ مرآۃ الاسرار، سیر الاولیاء، سیر العارفين اور اخبار الانبیاء چاروں مستند اور معتبر کتابوں میں حضرت بی بی ماجدہ کے ظاہری و باطنی کمالات کا ذکر آیا ہے۔ سیر العارفين میں لکھا ہے کہ ایک رات جب بی بی صاحبہ تہجد و ذکر و فکر میں مشغول تھیں تو گھر میں چور داخل ہوا اور اس عفت مآب خاتون کے سامنے آتے ہی اندھا ہو گیا۔ اب وہ بھاگنا چاہتا تھا لیکن اندھا ہو چکا تھا کیا کرتا۔ اس نے آواز دی کہ اس گھر میں ضرور کوئی ایسی ہستی موجود ہے جس کی وجہ سے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے آنکھیں مل جائیں تو مسلمان ہو جاؤں گا اور چوری چھوڑ دوں گا۔ حضرت بی بی صاحبہ کو اس کے حال پر رحم آیا اور اس کے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کی تو فوراً اس کی آنکھیں بنیا ہو گئیں۔ صبح کے وقت وہ چور بال بچوں سمیت حاضر ہوا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے اس گھرانے کی بہت خدمت کی اور بزرگی کو پہنچا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کی مزار آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اور حضرت گنج شکرؒ کے آباؤ اجداد کے ساتھ واقع ہے۔

حضرت خواجہ گنج شکرؒ کی ابتدائی تعلیم قصہ کھتوال میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

لیکن چونکہ وہاں اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہیں تھا۔ آپ تیرہ سال

کی عمر میں قصبہ الاسلام ملتان تشریف لے گئے جو اس وقت علم و فضل کا گہوارہ اور اہل علم کا مرکز تھا۔ وہاں کوئی پانچ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کی ملاقات حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کالی اوشی قدس سرہ سے ہو گئی اور وہیں سے آپ کی کایا پٹی۔ اس حکیم اور قدیر علم یزلی نے کچھ ایسا انتظام فرمایا کہ جس

وقت حضرت خواجہ گنجشکرؒ مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں بیٹھے کتاب "نافع" پڑھ رہے تھے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار بھی وہاں جا پہنچے۔ اپنے ہونے والے مرشد کے رخ الو پر نگاہ پڑتے ہی اس نوجوان طالب علم کے دل و دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ حضرت شیخ کے سن و جمال کو تکتے رہ گئے جب حضرت خواجہ قطب الاقطاب، نماز تمہیۃ الوضوء سے فارغ ہوئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ "نافع" حضرت شیخ نے فرمایا اس سے تم کو نفع ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور مجھے نفع تو آپ کی نظر کیمیائے اثر سے ہی ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ حضرت شیخ کے قدموں پر گر گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الاقطاب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ظاہری تعلیم کی تکمیل ضروری ہے۔ صاحب سیر الاویار لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد جب حضرت خواجہ قطب الاقطاب دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ گنجشکرؒ بھی ساتھ تھے اور وہاں جا کر بیعت سے مشرف ہوئے اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے۔ لیکن بعض تذکروں میں یہ آیا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے حکم سے آپ پہلے ظاہری تعلیم کی تکمیل کے لیے قندھار اور اس کے بعد دیگر بلاد اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے تحصیل علم کے علاوہ اکابر و ایار سے بھی ملاقات کی اور فیوض حاصل کیے اور واپس آکر بیعت ہوئے۔

شیخ الاسلام خواجہ گنجشکرؒ کا سلسلہ طریقت "سلسلہ عالیہ حشمتیہ ہے جو مندرجہ ذیل واسطوں سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ

سلسلہ طریقت:

و سلم سے جا ملتا ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنجشکرؒ تاریخ وصال ۵ محرم ۶۶۸ھ مدفن پاکپتن شریف۔

حضرت خواجہ شیخ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ وصال ۱۲، ۱۲ یا ۲۲ ربیع الاول ۶۳۵ھ مدفن دہلی شریف۔

حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجر حشمتی جمیریؒ وصال ۶ رجب ۶۲۳ھ مدفن اجیر شریف۔

حضرت خواجہ عثمان ارنیؒ وصال ۶ شوال ۶۱۱ھ مدفن مکہ معظمہ اندر باب اول قدیم محل شریف حسین درناط چوبی۔

حضرت خواجہ حاجی سید شریف زندنیؒ وصال ۱۰ رجب ۶۱۲ھ مدفن زندنہ۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودود حشمتیؒ وصال ۱۰ رجب ۵۲۶ھ مدفن حشت (افغانستان نزد ہرات)

- حضرت خواجہ ابو یوسف ہشتیؒ وصال ۳ رجب ۴۵۹ھ مدفن ہشت۔
- حضرت خواجہ ابو محمد محترم ہشتیؒ وصال ۴ ربیع الاول ۳۱۱ھ مدفن ہشت۔
- حضرت خواجہ ابو احمد ابدال ہشتیؒ وصال ۳ جمادی الثانی ۳۵۵ھ مدفن ہشت۔
- حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ وصال ۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ مدفن عکہ (مکہ شام)۔
- حضرت خواجہ مشاعلی دنیوریؒ وصال ۴ محرم مدفن دنیور۔
- حضرت خواجہ ابو سیرہ امین الدین بصریؒ وصال ۴ شوال ۲۸۲ھ مدفن بصرہ۔
- حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ وصال ۴ شوال ۲۰۶ھ مدفن بصرہ۔
- حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ وصال یکم شوال ۱۶۲ھ مدفن اقلیم شام۔
- حضرت خواجہ جمال الدین فضیل بن عیاضؒ وصال ۳ ربیع الاول ۱۸۶ھ مدفن مکہ معظمہ محلہ حارۃ الباب۔
- حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ وصال ۲ صفر ۱۶۶ھ مدفن بصرہ۔
- حضرت خواجہ حسن بصریؒ وصال ۴ محرم ۱۱۱ھ مدفن بصرہ۔
- حضرت سید مولانا امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وصال ۱۲ رمضان ۴۰ھ ہزار نجف اشرف حضور حضرت سیدنا مولانا ونبینا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ روضہ اقدس مدینہ طیبہ۔

حضرت خواجہ شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی بیعت مجاہد و خلافت: گنجشکر دہلی میں

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار خاں شہ کاکی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کرنے کے بعد ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس وقت آپ نے حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ سے شرف بیعت حاصل کیا مجلس میں یہ بزرگ موجود تھے۔ حضرت قاسمی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ، مولانا علاء الدین کرمانیؒ، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، شیخ نظام الدین ابوالموثد مولانا سٹمس الدین ترکؒ و خواجہ محمود موذن دوز و عزیزان دیر جن میں سے ہر شخص کی نظر عرش سے تحت الثریٰ تک جاتی تھی۔ ریاضت و مجاہدہ کے لیے آپ نے ایک حجرہ منتخب فرمایا جو غربی دروازہ کے قریب

برج کے نیچے تھا۔ سیرالاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ریاضت کے دوران آپ ہفتے میں ایک بار اپنے مرشد علیہ رحمۃ کی خدمت میں آیا کرتے تھے لیکن شیخ بدرالدین غزنوی و دیگر اصحاب ہر وقت حضرت شیخ کی خدمت میں رہتے تھے۔ جب کسی نے حضرت سلطان المشائخ سے دونوں حاضرین کا فرق معلوم کرنا چاہا تو آپ یہ مصرع زبان مبارک پر لاتے :-

بیرونِ درون بہ کہ درونِ بیرون

دباہرہ کر دل میں رہنا اس سے بہتر ہے کہ گھر میں رہ کر آدمی دل سے باہر رہے، سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ دہلی میں قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ اکثر جمعہ کے دن شیخ بدرالدین غزنویؒ کے وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک دن شیخ بدرالدینؒ ممبر پکھڑے حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی تعریف کر رہے تھے۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ کس کی تعریف ہو رہی ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملے تھے۔ وعظ کے بعد ایک آدمی نے آپ کو نیا کرتہ دیا۔ آپ نے کرتہ پہنا لیکن فوراً اتار کر اپنے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیا اور فرمایا کہ پھٹے پرانے کرتے میں مجھے جو مزہ آرہا ہے نئے کرتے میں نہیں آتا۔

صاحب سیرالاولیاء نے حضرت شیخ

الاسلام گنجشکرؒ کی عظمت ترک دنیا اور

حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی عظمت و مجاہدہ :

انقطاع عن الناس کی کیفیت یوں بیان فرمائی ہے :

”وہ سلطان العارفین، وہ برہان العاشقین، وہ پیشوائے اصحابِ دین، وہ مقتدائے اربابِ یقین، وہ گنج عالم عزلت، وہ گنجینہ سرائے دولت، وہ سرورِ قلمِ اعظم، وہ قطبِ الاقطاب عالم یعنی شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین ملجائے فقراء و المساکین مسعود بن سلیمان جو سعادتِ ابدی، اور دولتِ سرمدی کو پہنچ چکے تھے۔ علم و تقویٰ، ورع، ترک تجرید، عشق و

محبت اور ذوق و شوق، رموز و اشارات میں بے نظیر زمانہ اور اپنے عہد میں یگانہ تھے۔ میدانِ کرامت میں آپ سب سے سبقت لے گئے تھے۔ آپ کی بلندی ہمت اور

ت درجبت کا یہ کمال تھا کہ نعمائے دنیاوی و آخروی سے آپ لا تعلق تھے اور عشق ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی رغبت نہ تھی۔ باوجودیکہ دہلی شہر میں جو قبۃ الاسلام تھا۔ ظاہری نعمتوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اور باغِ جنت کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا۔ بندگانِ خدا کرامات کے دروازے کھول رہے تھے اور لوگ ناز و نعمت میں مست تھے لیکن حضرت اقدس کی توبہ ذاتِ باری تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی تھی۔ اور اس بادشاہِ عالمِ حقیقت نے ہر چیز سے قطع تعلق کر رکھا تھا اور اس قسم کے شہر کو ترک کر کے دین کے شیروں کی طرح جنگلوں اور ویرانوں کو مسکن بنا لیا تھا اور نانِ درویشانہ اور جامہٴ فقیرانہ پر قناعت کر رکھی تھی لیکن آپ جس قدر اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔ آپ کی شہرت اطرافِ عالم میں زیادہ ہوتی تھی اور آپ کے جمالِ ولایت کا شہرہ زیادہ سے زیادہ بلند ہوتا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے سہ

البدری طلع من فرید جبینہ والشمس تغرب فی شقائق خدہ

ملك الجمال باسره فکانتمنا حسن البریہ کلمہ من عندہ

د آپ کی پیشانی سے چودھویں کا چاند ظاہر تھا اور آپ کے رخِ نور میں آفتاب گم ہو جاتا تھا۔ وہ حسن کا بادشاہ ہے اور ایسا حسین ہے کہ سارے جہاں کی خوبصورتی اس سے سجھا

غرضیکہ شدید ریاضت و مجاہدات کے بعد حضرت
خلافت کے بعد ہانسی کوڑائی : خواجہ قطب الاقطاب نے آپ کو خلافت عطا

فرمائی لیکن جب دہلی میں آپ کے گرد ہجوم خلق ہونے لگا تو تنگ آکر آپ ہانسی چلے گئے لیکن لوگوں نے وہاں بھی نہ چھوڑا اور دہلی و گرد و نواح سے خلقِ خدا آپ کے گرد جمع ہونے لگی جس سے تنگ آکر آپ اپنے قدیم وطن کھتوال چلے گئے۔

سیر الاولیاء اور فوائد القواد

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سے ملاقات : میں حضرت سلطان المشائخ

فرماتے ہیں کہ جب شیخ جلال الدین تبریزی ملتان سے دہلی جا رہے تھے تو راستے میں

کھتوال کے مقام پر قیام فرمایا اور لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی درویش بھی ہے تاکہ اس کی زیارت کروں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک قاضی کے بیٹے اور شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے خلیفہ یہاں ہیں جو جامع مسجد کے عقب میں رہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین آپ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں کسی شخص نے انار پیش کیا۔ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی خدمت میں آکر انار کو توڑا اور آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میرا روزہ ہے۔ اس وقت آپ نہایت ہی بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ اور بار بار ستر چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے فرمایا کہ بخارا میں ایک درویش رہتا تھا جو سات سال وہاں مشغول رہا لیکن سولتے ایک ٹگوت کے اس کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ آپ فکر نہ کریں۔ غرضیکہ جب شیخ جلال الدین نے انار کھا لیا اور چلے گئے تو حضرت خواجہ گنجشکرؒ کو افسوس ہوا کہ کاش میں نے انار کھا لیا ہوتا۔ اب زمین پر جو دیکھتے ہیں تو ایک دانہ انار پڑا ہوا ہے آپ نے اسے اٹھا کر دستار کے کونے میں باندھ لیا۔ جب مغرب ہوئی تو آپ نے اسی دانہ انار سے افطار کیا۔ دانہ انار کھانا تھا کہ دل میں روشنی پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے دل میں کہا کہ افسوس زیادہ نہ کھا سکا۔ اس کے بعد جب آپ وہلی گئے اور حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ مسعود وہی ایک دانہ تمہارے لیے مقصود تھا اور وہ تجھے مل گیا۔ خاطر جمع رکھو۔

چونکہ کھتوال ملتان سے قریب تھا آپ کی شہرت اس قدر ہوئی کہ اجودھن میں آمد: ملتان سے خلق خدا جا کر حضرت اقدس کے گرد جمع ہونے لگی، جس سے تنگ آکر اجودھن (پاکپتن) چلے گئے۔ اجودھن ایک غیر معروف قصبہ تھا اور وہاں آپ نے یوم وصال تک قیام فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق آپ وہاں سولہ سال رہے

لے اگرچہ آپ کا روزہ تھا لیکن نفلی روزے کا یہ حکم ہے کہ اگر دوستوں کی خاطر غروب آفتاب سے پہلے افطار کر لیا جائے تو جائز ہے

اور دوسری روایت کے مطابق چوبیس سال۔ آپ کو گوشہ عزلت اور گننامی اس قدر پسند تھا کہ خلق خدا سے ہمیشہ چھپتے پھرتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک پر اکثر یہ شعر رہتا تھا:

ہر کہ در بند نام و آوازہ است خانہ او برون دروازہ است

(جو شخص نام اور شہرت کا طالب ہے وہ حریم دوست سے محروم ہے)

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ

صوم داودی چھوڑ کر صوم الدہر اختیار کرنا: ایک دفعہ جب حضرت شیخ الاسلام

گنجشکر ہانسی میں قیام فرماتے تھے تو شیخ علی گرد میرٹھ سے آپ کو ملنے آئے۔ ان ایام میں

حضرت اقدس صوم داودی رکھتے تھے یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں

رکھتے تھے جس دن روزہ نہیں تھا حضرت اقدس نے شیخ علیؒ کو کھانے پر بلایا ابھی کھانا

شروع نہیں ہوا تھا کہ شیخ علیؒ کے دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ

صائم الدہر ہوتے یعنی ہر روز روزہ رکھتے جو نہی ان کے دل میں یہ خیال آیا حضرت

شیخ الاسلام کو روشن ضمیری سے اس کا علم ہو گیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر فرمایا کہ جو کچھ

فاصلان خدا کے دل میں آتا ہے اسی پر عمل کرنا بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس روز کے بعد آپ

نے صوم الدہر شروع کر دیا۔

حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے

ہیں کہ جب شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے اجودھن میں

حضرت گنجشکرؒ کا کھانا کیا تھا:

سکونت اختیار کر لی تو خلق خدا اس قدر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی کہ آدھی

آدھی رات تک جمع رہتا تھا اور آنے والوں کے سامنے طرح طرح کے کھانے رکھے

جاتے تھے اور ہر شخص کے ساتھ نہایت مہربانی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور

کسی شخص کو محروم نہیں کرتے تھے لیکن آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ جنگل کے پھل مثلاً پیلو

اور ڈیلے دگری کا پھل جو نہایت ہی ادنیٰ ہوتا ہے اور بکریاں بھی کم کھاتی ہیں، کھا کر

بسر اوقات کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ شربت سے روزہ افطار فرماتے تھے جس میں کشمش کے چند دانے ہوتے تھے۔ شربت کا نصف یاد و تہائی حصہ حاضرین مجلس کو عطا فرماتے تھے اور ایک تہائی خود نوش فرماتے تھے بلکہ اس میں سے بھی کچھ بچا کر اپنے خاص خادین کو عنایت فرماتے تھے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ تھے جو آپ کا پس خوردہ حاصل کرتے تھے۔ نماز سے پہلے گھی لگا کر دو روٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں۔ ایک روٹی کے ٹکڑے کر کے آپ حاضرین مجلس کو عنایت فرماتے تھے اور ایک خود تناول فرماتے بلکہ اس روٹی میں سے بعض لوگوں کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ زہے نصیب۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ مشغول بحق ہو جاتے تھے۔ اس کے دسترخوان لگتا تھا اور حاضرین مجلس کے سامنے قسم و قسم کے کھانے رکھے جاتے تھے لیکن آپ اس میں سے کچھ نہیں کھاتے تھے اور پھر دوسرے دن کے افطار کے وقت اسی طرح روزہ افطار فرماتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سحری بھی نہیں کرتے تھے اور چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک وقت روٹی کے چند ٹکڑے اور کھوڑا سا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس کھاٹ پر آپ سویا کرتے تھے اس کا بستر اس قدر چھوٹا تھا کہ پائنتی ننگی رہ جاتی تھی۔ آپ کے پاس حضرت خواجہ قطب الاقطاب کا عطا کردہ عصا تھا جو آپ چوم کر ہاتھ میں لیتے تھے اور جب آرام کرتے تھے تو کھاٹ کے سر ہانے کی طرف رکھ کر سوتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ کی شان شوکت کی اصل وجہ: سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دن خادم نے بازار

سے نمک ادھار لے کر آٹے میں ڈالا جب کھانا لایا گیا تو حضرت اقدس نے روشن ضمیری سے فرمایا کہ کھانے سے اسراف کی بو آتی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس روز کھانا نہ کھایا۔

حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ آخر عمر میں حضرت شیخ الاسلام نہایت عسرت اور تنگی کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ رمضان شریف میں بہت ہی کم کھانا لایا جاتا تھا جو حاضرین کے لیے کافی نہ ہوتا تھا اور میں نے بھی

کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں جب میں حضرت اقدس سے رخصت ہو کر دہلی جانے لگا تو آپ نے زادراہ کے طور پر مجھے ایک سلطانی دستار وقت عطا فرمائی اور اسی دن مولانا بدرالدین اسحاق کے ذریعے کہلا بھیجا کہ آج نہ جاؤ کل چلے جانا۔ چنانچہ میں کھڑ گیا۔ حضرت شیخ کے گھر اس دن کچھ نہیں تھا یہاں تک کہ افطار کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے وہ سلطانی حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ حکم ہو تو اس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ یہ دیکھ کر حضرت اقدس بہت خوش ہوئے اور میرے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے خدا تعالیٰ سے قدرے دنیا طلب کی ہے۔ حضرت شیخ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا کیونکہ کسی بزرگان دین دنیا کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہیں میرا کیا حال ہوگا۔ جو نہی میرے دل میں یہ خیال آیا حضرت اقدس نے فرمایا فکر مت کرو، تمہارے لیے دنیا باعث فتنہ نہ ہوگی۔ یہ بات سن کر میری جان میں جان آئی۔ چنانچہ حضرت اقدس کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ چاروں طرف سے فتوح کے دروازے کھل گئے اور اس قدر مال و دولت حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں جمع ہونے لگا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ آپ کے لنگر میں ستر سیر نمک روزانہ خرچ ہوتا تھا اور ستر اونٹ پیاز اکھا کر لائے تھے اور وہ روزانہ خرچ ہو جاتے تھے۔ حضرت امیر خسرو حضرت محبوب الہی کی شان میں فرمایا:

در حبرۃ فقر بادشاہ ہے در عالم دل جہاں پنا ہے

شہنشاہ بے سر و تاج شاہ نش بخاک پائے محتاج

(آپ فقیری کے حجرہ میں بیٹھ کر بادشاہی کرتے تھے اور عالم باطن میں جہاں پناہی کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کے پاس نہ تخت تھا نہ تاج، لیکن شاہان عالم سب تھے آپ کے محتاج،

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ میرے شیخ حضرت سلطان المشائخ

ذات حق میں پناہ استغراق:

روایت کرتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکر کے متعدد حرم تھے اور کافی بال بچے

تھے۔ ایک حرم نے اگر عرض کیا کہ حضور آج آپ کا فلاں بچہ فاقہ کی وجہ سے قریب لڑک

ہے۔ آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ نے مڑاٹھا کر فرمایا کہ بندہ مسعود کیا، اگر خدا کی تقدیر سے مر جائے تو ٹانگ میں زسی ڈال کر باہر پھینک دو۔ حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ جس نے اچھا کھانا کھایا اور وہ اچھی نیند سویا اگر خدا کی محبت کا دعویٰ کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ گنجشکر نے حضرت خواجہ قطب الاقطاب قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ

جب میری گنجشکر:

کوئی مجاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ طے کار روزہ رکھو۔ چنانچہ میں نے تین دن طے کار روزہ رکھا۔ تیسرے دن ایک آدمی چند روٹیاں لایا۔ میں نے سمجھا غیب سے آئی ہیں۔ میں نے لے کر کھالیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک کوامردار آئیں جو پنج میں لے کر سامنے درخت پر بیٹھ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے کراہت آئی اور جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔ اور معدہ بالکل خالی ہو گیا۔ جب میں نے یہ واقعہ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ مسعود وہ جو تم نے تین دن کے بعد روٹی کھائی وہ ایک شراب فروش کے گھر سے آئی تھی اس لیے تمہارے پیٹ میں نہ رہ سکی۔ اب جاؤ اور مزید تین دن کاروزہ رکھو۔ چنانچہ میں نے تین دن مزید طے کار روزہ رکھا اور چھ دن کچھ نہ کھایا۔ اس سے جسم بے حد کمزور ہو گیا اور بے حد بھوک محسوس ہوئی۔ میں نے زمین پر ہاتھ مار کر چند سنگریزے اٹھائے اور منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہو گئے۔ حکیم سنائی نے کیا خوب کہا ہے۔

سنگ در دست تو گہر گرود زہر در کام تو شکر گرود

(پتھر تیرے ہاتھ کی برکت سے گوہر بن جاتا ہے اور زہر تیرے منہ میں شکر بن جاتی ہے،

حضرت خواجہ گنجشکر فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حال دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ

شاید یہ شیطان کا کٹر ہے اس لیے منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ اور پھر حق میں مشغول ہو گیا۔

حتیٰ کہ ادھی رات گزرتی اور کمزوری غالب آگئی۔ اس کے بعد پھر سنگریزے اٹھا کر منہ

طے کاروزہ وہ ہوتا ہے کہ جس میں کئی کئی روز تک نہ سحری کی جاتی ہے نہ افطار

میں ڈالے۔ وہ بھی شکر بن گئے اور میں نے مکر شیطان کے خوف سے نکال کر پھینک دیئے اور حق میں مشغول ہو گیا۔ لیکن ضعف کا ایسا غلبہ ہوا کہ مشغولی میں فرق آ گیا۔ چنانچہ میں نے پھر پتھر اٹھا کر منہ میں ڈالے تو شکر ہو گئے۔ اس مرتبہ دل میں خیال آیا کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس وجہ سے کہ تیسری بار یہی ہوا ہے۔ حضرت شیخ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ جو کچھ غیب سے آئے اس سے افطار کر لینا۔ چنانچہ آپ نے وہ پتھر کے ٹکڑے جو شکر ہو گئے تھے تناول فرمائے اور صبح ہوتے ہی سارا ماجرا حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس سے افطار کر لیا کیونکہ ہر چہ از غیب است نیکو است (جو کچھ غیب سے آتا ہے اچھا ہے) جاؤ شکر کی طرح مسٹھے بن جاؤ گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ کو شکر بار اور گنج شکر کہا جاتا ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ پر مزید

چلہ معکوس : ریاضت و مجاہدات کا شوق غالب ہوا تو حضرت شیخ کی خدمت

میں عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ایک چلہ کر لوں۔ یہ بات حضرت شیخ کو ناگوار گزری اور فرمایا کہ ضرورت نہیں ہے ان چیزوں سے شہرت ہوتی ہے آپ نے جواب دیا کہ حضور گواہ ہیں کہ مجھے شہرت کی طلب نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ گنجشکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں بقیہ ساری عمر اس بات سے پشیمان رہا کہ حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں کیوں ایسی بات کہی جو آپ کی طبع مبارک کو ناگوار معلوم ہوئی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ نے فرمایا کہ اب جاؤ اور ایک چلہ معکوس کر لو۔ لیکن اس وقت حضرت خواجہ گنجشکرؒ کو معلوم نہ تھا کہ چلہ معکوس کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے شیخ بدر الدین غزنوی سے کہ حضرت شیخ نے مجھے چلہ معکوس کا حکم فرمایا ہے لیکن میں حضرت اقدس کے رعب و جلال کی وجہ سے یہ نہیں پوچھ سکا کہ چلہ معکوس کیا ہوتا ہے آپ مجھے بتائیں یا حضرت شیخ سے دریافت کریں۔ شیخ بدر الدین نے حضرت خواجہ قطب الاقطاب سے چلہ معکوس کی کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ چلہ معکوس یہ ہوتا ہے کہ چالیس دن یا چالیس رات یاؤں میں تری باندھ کر کسی کنوئیں میں اٹا لٹک کر عبادت کرے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ گنجشکرؒ نے

چلے معکوس کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ اس کا علم کسی کو نہ ہو۔ اب آپ ایسے مقام کی تلاش میں نکلے جہاں مسجد کے پاس کنواں ہو اور کنوئیں کے پاس ایسا درخت ہو کہ اس کی شاخیں کنوئیں پر چھپائی ہوئی ہوں۔ نیز کوئی ایسا موذن بھی ہو جو نیکدل اور درویشوں کا ہراز ہو۔ چنانچہ آپ ایسے مقام کی تلاش میں سارا دہلی کا شہر چھپان مارا۔ کوئی جگہ ایسی نہ ملی۔ اس کے بعد آپ نے ہانسی کا سفر اختیار فرمایا لیکن وہاں بھی کامیابی نہ ہوتی غرضیکہ آپ شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ اور خطہ بہ خطہ پھرتے رہے لیکن کوئی ایسا مقام نظر نہ آیا حتیٰ کہ

اوپر شریف میں آدور چلے معکوس :

آپ اوپر پہنچ گئے۔ جہاں مسجد کے پاس کنواں اور کنوئیں کے اوپر درخت تھا اور مسجد کا امام بھی حضرت خواجہ گنجشکرؒ کو جانتا تھا اور آپ کا معتقد تھا۔ وہ ہانسی کا رہنے والا تھا اور اس کا نام خواجہ رشید الدین مینائی تھا۔ حضرت اقدس نے چند روز اس مسجد میں قیام فرمایا جب امام مسجد کو اعتماد میں لے لیا اور اس سے وعدہ کر لیا کہ یہ راز فاش نہیں ہوگا تو آپ نے چلے شروع کر دیا۔ ایسا ہوتا تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد وہ موذن آپ کے پاؤں میں رسی باندھ کر کنوئیں میں اٹا لٹکا دیتا تھا اور صبح صادق ہونے سے پہلے باہر نکال لیتا تھا۔ نظامی نے خوب کہا ہے ۔

دارد دوسرا این رشتہ یکے عجز و دگر ناز زیں سو عجز آدوزاں سو ہر ناز

(اس رشتہ یعنی تعلق باللہ کے دوسرے ہیں ایک ہر ناز کا دوسرا ہر ناز کا۔

اس طرف سے نیاز ہی نیاز ہے اور اس سمرے سے ناز ہی ناز ہے)

ہر صبح صادق سے قبل موذن آکر دیکھتا تھا کہ حضرت اقدس مشغول بحق ہیں اس کے بعد وہ آواز دیتا تھا کہ اے مخدوم کیا حکم ہے۔ آپ پوچھتے تھے کہ صبح صادق ہوئی ہے یا نہیں۔ وہ جواب دیتا تھا کہ ہوتے والی ہے۔ حضرت اقدس فرماتے تھے کہ اچھا

۱۔ اوپر شریف ضلع بہاولپور میں احمد پور شرقیہ سے غربی جانب ۱۳ میل کے فاصلے پر ہے جہاں قادری اور سہروردی اکابر اولیاء کرام کے کثرت سے مزارات ہیں،

مجھے باہر نکال لو۔ آپ کھوتیں سے باہر آکر مسجد میں مراقب ہو جاتے تھے اسی طرح چالیس شب آپ نے چلہ جاری رکھا اور اپنے شیخ کا حکم اس طرح پورا کیا کہ کسی کو اس کا علم نہ ہوا وہ مسجد اب تک اوچ میں موجود ہے اور زیارت گاہ اور حاجت روائے خلق ہے۔

اس کے بعد خواجہ رشید الدین موزن نے حضرت خواجہ گنجشکرؒ سے عرض کیا کہ حضور میں بال بچے دار آدمی ہوں میرے ہاں بہت سی لڑکیاں ہیں روزی تنگ ہے دعا کریں کہ روزی فراخ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ وعظ کیا کرو۔ سب کام درست ہو جائے گا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں عالم نہیں ہوں۔ وعظ کیسے کروں۔ آپ نے فرمایا منبر پر قدم رکھنا تمہارا کام ہے اور کرم حق تعالیٰ کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے وعظ شروع کر دیا اور بہت کامیاب ہوا۔ اور تنگی جاتی رہی۔

صلوۃ معکوس کا ثبوت حدیث نبوی سے حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید الباخیری

فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے میں نے سب پر عمل کیا ہے جس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس ادا کی تھی تو میں نے اپنے پاؤں میں رسی باندھی اور اپنے آپ کو کھوتوں میں لٹکا دیا۔

چلہ معکوس کے متعلق حضرت گیسو درازؒ کی وضاحت: جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ ایک دن کسی شخص نے حضرت بندہ نواز

سید محمد گیسو درازؒ سے کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اُلٹے لٹکنے کی وجہ سے آنکھوں اور منہ سے خون کیوں نہ جاری ہو جاتا تھا اور نہ خوراک اور پانی باہر نکلتا تھا۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ ایک ولی اللہ کے سوکھے ہوئے جسم میں خون اور خوراک کہاں باقی رہ جاتے ہیں وہ تو مجاہدہ اور ریاضت میں سوکھ کر ایک انسانی ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے جسم مبارک میں خون کہاں تھا۔ آپ تو ہمیشہ فقر و فاقہ سے محبت رکھتے تھے۔ اور صائم الدہر رکھتے۔ اس کے باوجود دن رات عبادت ریاضت میں گزارتے تھے آپ نے چالیس سال عشرت کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اعتراض کرنے والوں

میں سے کوئی ہے جس نے ایک رات عشر کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہو۔ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابراہیم بن آدم روضۃ المبارک کا چاند دیکھ کر سحری کر لیتے تھے اور شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرتے تھے اور پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود سارا دن گرمی کے موسم میں گندم کے کھیت میں مزدوری کرتے تھے اور جس قدر غلہ ملتا تھا اس سے روٹی پکا کر اجاب کو کھلاتے تھے۔ اب ان کے جسم میں کہاں ہوگا خون اور خوراک؟ بلکہ ان حضرات کا سارا جسم نور ہی نور بن جاتا ہے۔

سیر الاولیاء میں حضرت
سلطان المشائخ فرماتے:

دادا پیر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زیارت و حصول نعمت:

ہیں ایک دفعہ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین سنجری شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اور شیخ الشیوخ العالم حضرت فرید الدین قدس امرارہم ایک حجرہ میں تشریف رکھتے تھے حضرت خواجہ بزرگ نے حضرت خواجہ قطب الدین سے دریافت کیا کہ کب تک اس جوان کو مجاہدہ میں جلاؤ گے کوئی چیز اسے بخش دو۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے عرض کیا کہ میری کیا مجال ہے کہ حضور کے سامنے بخشش کروں۔ حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا یہ تمہارا کام ہے اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ آؤ ہم دونوں بخشش کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت گنجشکر کی دائیں طرف حضرت خواجہ بزرگ کھڑے ہو گئے اور بائیں طرف حضرت قطب الاقطاب اس کے بعد دونوں حضرات نے جو کچھ عطا کرنا تھا عطا فرمایا۔ اس واقعہ کو

صاحب سیر الاولیاء نے یوں قلمبند کیا ہے

بخشش کوین از شیخن شد در باب تو بادشاہی یافتی زین بادشاہان جہاں،

مملکت دنیا و دین گشتہ مستلم مرترا عالم کن گشتہ اقطائے تو اے شاہ جہاں

(تو نے دو جہاں کی نعمت دو بزرگوں سے حاصل کی اور بادشاہوں سے

بادشاہی پائی۔ دین و دنیا کی تم کو شاہی ملی اور کائنات تمہاری جاگیر بن گئی،

اس وقت حضرت خواجہ بزرگ نے حضرت گنجشکر کے حق میں فرمایا کہ یہ ایک شمع ہے

کہ جس سے سارا جہاں روشن ہوگا۔

حضرت خواجہ قطب الدین کا وصال اور خواجہ گنجشکر کی عدم موجودگی: سیر الاولیاء میں حضرت

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ کا وصال قریب آیا تو شیخ الاسلام گنجشکر موجود نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا یہ خرقہ، عصا، اور نعلیں جو میں فرید الدین گنجشکر کو پہنچا دینا۔ وصال کی رات حضرت خواجہ گنجشکر نے خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ ہانسی سے دہلی روانہ ہو گئے۔ چوتھے روز آپ دہلی میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ نے وہاں جا کر اپنا گرسے آلود چہرہ مزار مبارک پر ملا اور شیخ حمید الدین ناگوری نے وہ امانت آپ کے سپرد کی۔ آپ نے دو گانہ نماز ادا کر کے حضرت شیخ کا خرقہ زیب تن فرمایا اور حضرت شیخ کی مندر پر متمکن ہوئے۔

حضرت خواجہ گنجشکر فرماتے ہیں کہ جب میں نے ہانسی جانے کا قصد کیا تو حضرت خواجہ قطب الاقطاب مجھے دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا:

مولانا فرید الدین مجھے معلوم ہے تم چلے جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور جو حکم ہو فرمایا، تقدیر الہی اسی طرح ہے کہ ہمارے آخری سفر کے وقت تم موجود نہیں ہو گے۔ اس کے بعد حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس درویش (بابا فرید الدین) کے لیے مزید نعمت دنیا و دین و فقر کے لیے ہم سب مل کر فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھیں اور دعا کریں۔ چنانچہ سب نے مل کر دعا کی اور بعد دعا حضرت شیخ نے اس دعا کو عصا، عطا فرمایا اور تیز فرمایا کہ میں تمہاری امانت یعنی سجادہ (مصلی، خرقہ، دستار اور نعلیں قاضی حمید الدین ناگوری کے حوالہ کر دوں گا۔ پانچ دن کے بعد تم کو مل جلتے گی۔ وہ ان سے لے لینا اور یہ فرمایا کہ:

مقام ما مقام شماست

(ہمارا مقام تمہارا مقام ہے)

جو نبی حضرت قطب الاقطاب نے یہ الفاظ منہ سے نکالے مجلس میں نعرہ بلند

ہوا اور ہر شخص نے دعا کی۔

سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ
حضرت قطب الاقطاب کے وصال کا واقعہ:

نے فرمایا ہے کہ عید کا دن تھا، عید گاہ
سے فارغ ہو کر قطب الاقطاب وہاں آئے جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔ وہاں ایک
صاف میدان تھا نہ کوئی قبر تھی نہ قبرستان، حضرت اقدس وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور
سوچتے رہے۔ ایک عزیز نے عرض کیا کہ حضور آج عید کا دن ہے خلیق خدا انتظار میں
ہے کہ حضرت اقدس آئیں اور طعام تناول فرمائیں۔ آپ اس ویرانے میں کیا کر رہے
ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

مرا زیں زمین بونے دلہا مے آید

(مجھے اس زمین سے دلوں کی بو آرہی ہے)

اس کے بعد آپ نے مالک زمین کو طلب فرمایا اور وہ قطعہ زمین خرید لیا اور
وصیت فرمائی کہ مجھے یہاں دفن کیا جائے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے سلطان المشائخ ابدیدہ ہو
گئے اور فرمایا کہ یہ جو حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ مجھے اس زمین سے "بونے دلہا مے
آید" اب جا کر دکھو کہ وہاں کتنے صاحب دل سوئے ہوئے ہیں حضرت سلطان المشائخ
فرماتے ہیں:

کہ حضرت قطب الاقطاب پر چار شب و روز تحیر طاری رہا۔ وصال آپ کا یوں
ہوا کہ شیخ علی سمستانی کی خانقاہ میں محفل سماع منعقد ہوئی جس میں حضرت قطب الاقطاب
مع جمیع احباب موجود تھے۔ قوالوں نے احمد جام کی غزل گائی۔ جب اس شعر پر پہنچے
کشتگانِ خنجر تسلیم را ہرزماں از غیب جان دگر است

(جو لوگ خنجر تسلیم و رضا سے شہید ہو چکے ہیں ان کے لیے ہر لمحہ نئی جان ہے)

اس شعر پر حضرت قطب عالم کو وجد آیا اور عالم تحیر میں رقص کرنے لگے۔ حضرت
قاسمی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو مکان پر لے گئے اور قوالوں کو
یسی سا نکلے گئے۔ قوال وہی شعر گاتے رہے اور اب چار شب و روز رقص کرتے

رہے لیکن جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ وضو تازہ کر کے فرض اور سنت نوکڑہ ادا کرتے تھے اور پھر وجد کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہڈیاں اپنی جگہ پر نہ رہیں۔ چوتھی رات آپ کی حالت زیادہ وگرگوں ہو گئی۔ حضرت شیخ کا مہر مبارک حضرت شیخ محمد عطاء اللہ بن ناگوری کے زانو پر تھا اور پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی گود میں تھے اسی حالت میں شیخ حمید الدین نے عرض کیا حضور کی حالت متغیر ہو رہی ہے اپنے خلفاء میں سے کسی ایک کے متعلق حکم دیجئے کہ جو حضور کی جگہ پر مندر نشین ہو جائے۔ اگرچہ حضرت خواجہ قطب العالم کے بڑے بیٹے موجود تھے لیکن آپ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حکم دیا کہ وہ خرقہ جو حضرت شیخ الشیوخ معین الدین سے مجھے ملا ہے، خاص مصلتے اور عصار اور نعلین چوہین کے ساتھ شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچادیں۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۲ھ کو ہوا۔

مشہد شاہ غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ حضرت اقدس کی شادی کا واقعہ

سیر الاقطاب کی روایت صاحب اقتباس الانوار نے یوں بیان کی ہے کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے وصال کے بعد جب حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ مندر نشین ہوئے تو سلطان غیاث الدین بلبن حضرت اقدس سے بے حد عقیدت رکھتا تھا اور اکثر خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یہ بندہ خود تو حاضر ہو کر آستانہ بوسی کی سعادت حاصل کرتا ہے لیکن بندہ کے حرم کے لوگ پردہ کی وجہ سے زیارت سے محروم ہیں۔ وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے بے حد خواہشمند ہیں اگر حضور مہربانی فرمادیں تو تشریف لے چلیں تاکہ وہ سب زیارت سے مشرف ہوں۔ حضرت اقدس نے بادشاہ کی درخواست قبول فرمائی اور محل کے اندر تشریف لے گئے۔ تمام مستورات نے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف زیارت حاصل کیا لیکن بادشاہ کی بیٹی جس کا نام شہزادی ہزیرہ بانو تھا۔ دور کھڑی رہی حضرت اقدس نے سراپراٹھا کر ایک طرف دیکھا تو شہزادی کو کھڑے ہونے پایا۔ اس کے بعد گردن جھکائی۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے دوبارہ سراٹھایا اور شہزادی کو غور سے دیکھا اور پھر سُرنگوں ہو گئے جب حضرت اقدس

محل سے تشریف لے گئے تو بادشاہ عقلمند تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی بات ضرور ہے چنانچہ اس نے وزیر کو حضرت اقدس کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ حضور نے دو مرتبہ میری بیٹی کو غور سے دیکھا ہے اگر حضور کا حکم ہو تو یہ بندہ درگاہ اپنی بیٹی کو خدمت گزاری کے لیے پیش کرے۔ جب وزیر نے حضرت اقدس کی خدمت میں جا کر بادشاہ کی عرضداشت پیش کی تو آپ نے دعوت قبول فرمائی اور کہلا بھیجا کہ میری خواہش مطلقاً یہ نہیں تھی کہ اپنے آپ کو اس تعلق سے آلودہ کر لوں لیکن میرے پروردگار کا متواتر حکم آ رہا تھا کہ اے فرید میری رضامندی یہی ہے کہ تم میرے حبیب کی سنت کے مطابق نکاح کرو۔ چنانچہ میں نے یہ بات تسلیم کر لی۔ لیکن مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ کہاں کا حکم ہوتا ہے۔ جب بادشاہ مجھے محل کے اندر لے گیا تو میں متوجہ الی اللہ تھا۔ مجھے حکم ہوا کہ فرید سراٹھا کر دیکھو۔ جب میں نے سراٹھا کر دیکھا تو بادشاہ کی بیٹی کو کھڑا پایا۔ اس کے بعد میں نے سرنگوں کر لیا۔ حق تعالیٰ سے فرمان ہوا کہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرو گے۔ چنانچہ میں نے دوبارہ سراٹھا کر اچھی طرح دیکھا اور حق تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ بندہ حکم کی تعمیل کرے گا۔ جب وزیر یہ پیغام لے کر بادشاہ کے پاس آیا تو وہ بے حد خوش ہوا خاص طور پر اس بات سے زیادہ خوش ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس کی بیٹی کے لیے حکم فرمایا ہے چنانچہ اس نے فوراً شادی کا انتظام کیا اور شہزادی کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھیج دیا۔ رات کے وقت جب حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت اقدس منکوحہ کے پاس تشریف لائے تو گھر میں ساز و سامان دیکھ کر کافی دیر تک حیرت زدہ ہو کر کھڑے رہے اور عبادت کے لیے جگہ تلاش کرتے رہے۔ کونے میں ایک جگہ خالی دیکھ کر آپ نے مصیبتی بچھایا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شہزادی فوراً اپنی منہ سے اٹھ کر نیچے آئی اور دست بستہ ہو کر پاس کھڑی ہو گئی حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور حضرت اقدس باہر چلے گئے۔ دوسری رات پھر یہی واقعہ ہوا۔ تیسری رات بھی یہی ہوا۔ چوتھی رات شہزادی نے عرض کیا حضور مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے کہ حضور میری طرف توجہ نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا بی بی فقیروں کی رضامندی خدا تعالیٰ کی رضامندی ہی ہوتی ہے۔ اگر تجھے خدا تعالیٰ کی رضامندی درکار ہے تو دنیا کو ترک کر دے اور ولیوں

کا لباس پہن لے اور عبادت میں مشغول ہو جا اور یہ سارا مال و متاع راہِ خدا میں خیرات کر دے
 بی بی نے یہ سنتے ہی دوسرے روز فوراً سارا مال و متاع درویشوں کو دے دیا اور گھر میں
 کوئی چیز باقی نہ رکھی۔ اس سے حضرت اقدس بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کے محل سے
 جو اس نے اپنی بیٹی کو دیا تھا باہر آ کر اجاب سے کہا کہ ایک جوڑا موٹے کپڑوں کا میرے
 اہل خانہ کے لیے لاؤ۔ شیخ محمود مومنہ دوز وہاں موجود تھے۔ وہ اٹھ کر چلے گئے اور کپڑوں
 کا جوڑا لا کر پیش کیا۔ حضرت اقدس نے وہ جوڑا حضرت بی بی صاحبہ کو پہنایا۔ جب
 بادشاہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے اسی مقدار میں دوبارہ مال و متاع بھیج دیا۔
 بی بی صاحبہ نے وہ بھی خیرات کر دیا اور صرف عین سو بانڈیاں رہ گئیں۔ جو خدمت گزار
 کے لیے بی بی صاحبہ کے ساتھ آئی تھیں۔ بی بی صاحبہ نے کہا کہ ان میں سے اکثر قدیمی
 خدمت گار ہیں میرے لیے یہ مناسب نہیں کہ ان کو کسی اور کے حوالہ کر دوں اس لیے
 ان کو میں اپنے والد کے پاس بھیجنا چاہتی ہوں۔ اس میں سے جو آنحضرت کو پسند آئیں۔
 اپنی خدمت کے لیے رکھ لیں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے ان میں سے دو خادماؤں کو رکھ
 لیا۔ ایک کا نام شادو تھا اور دوسری کا نام شکرو۔ اور باقی سب کو بادشاہ کے پاس واپس
 بھیج دیا۔ اس کے بعد بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ اب ہمارا اس جگہ رہنا مناسب نہیں
 ہے۔ کیونکہ جب میں فقر و فاقہ میں زندگی بسر کروں گی تو میرے والد یہ کس طرح بُراشت
 کر سکتے ہیں کہ میری خبر گیری نہ کریں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کسی ایسی جگہ پر چلے جائیں جہاں
 ہمیں کوئی نہ جانتا ہو۔ اور پھر ہم دل کھول کر عبادت کریں گے۔ یہ بات حضرت اقدس
 کو بہت پسند آئی اور وہاں سے رات کے وقت کوچ کر کے اجودھن پہنچ گئے۔ بعض
 روایات میں ہے پہلے کچھ عرصہ ہنسی رہے اور پھر وہاں سے اجودھن تشریف لے گئے۔
 سیر الاقطاب کی اس روایات کے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ کے تین حرم تھے جن میں سے

ازواج و اولاد : پانچ فرزند اور تین دختران وجود آئے۔ ان کے اسمائے گرامی

یہ ہیں (۱) حضرت خواجہ نصیر الدین (۲) حضرت خواجہ شہاب الدین گنج علم (۳) حضرت خواجہ

بدرالدین سلیمان (۴) حضرت خواجہ نظام الدین (۵) حضرت خواجہ یعقوب (۱) حضرت بی بی مستورہ (۲) حضرت بی بی شریفہ (۳) حضرت بی بی فاطمہ رحمہم اللہ اجمعین۔

(۱) حضرت خواجہ نصیر الدین : آپ سب سے بڑے بیٹے تھے اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ آپ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے

اور ہمیشہ رزقِ حلال کے حصول میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ کے چھ بیٹے تھے شیخ عبدالرشید، شیخ یازید، شیخ نعمت اللہ، شیخ کریم الدین، شیخ ابراہیم اور شیخ عبداللہ۔

(۲) حضرت شیخ شہاب الدین گنج علم : آپ بڑے عالم فاضل تھے۔ اس لیے آپ گنج علم کہلاتے تھے اور حضرت خواجہ گنجشکر

کی خدمت میں علمی گفتگو میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے بھی چھ لڑکے تھے جن کی اولاد اب ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پائی جاتی ہے۔

(۳) حضرت شیخ بدر الدین سلیمان : درجے پر تھے لیکن حضرت خواجہ گنجشکر کے

خلیفہ جانشین ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ آپ تمام بھائیوں اور مریدین کے اتفاق سے مسند نشین ہوئے تھے۔ آپ بڑے درویش اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیے گئے جو بہت بڑا شرف ہے۔

حضرت مولانا علاؤ الدین موج دریا : حضرت شیخ بدر الدین سلیمان کے فرزند ہیں جو آپ کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔

آپ ۱۶ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور چوں سال خلافت کے فرائض انجام دیئے۔

آپ بڑے بلند مرتبہ ولی اللہ تھے۔ بادشاہ وقت آپ کا مرید تھا لیکن آپ نے ساری عمر گوشہ نشینی میں بسر فرمائی اور کبھی پاکستان مشرفین سے باہر قدم نہ رکھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ حضرت شیخ علاؤ الدین کی زیارت کے لیے اجودھن حاضر ہوا اور حضرت اقدس

سے ملاقات کر کے بہت محظوظ ہوا۔ آپ اس قدر متقی و پرہیزگار تھے کہ ابن بطوطہ سے مصافحہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے۔ اسی طرح جب حضرت شیخ رکن الدین

سہروردی قدس سرہ اجدہن میں حضرت شیخ علاؤ الدینؒ سے ملے اور مصافحہ کے بعد لقمہ
 کیا تو ان کے چلے جانے کے بعد حضرت اقدس نے کپڑے بدل دیئے اور غسل بھی فرمایا۔ جب
 یہ بات حضرت شیخ رکن الدین کو کسی نے شکوہ کے طور پر بتائی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں
 کو شیخ علاؤ الدین کے مقام کا کیا علم ہے انہوں نے جو کچھ کیا ہے بہت اچھا کیا ہے کیونکہ
 ہم سے دنیا کی بو آتی ہے اور وہ اس سے مبرا ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے بعد اس سلسلہ عالیہ نے جس قدر ترقی کی ہے اس کا
 سہرہ حضرت شیخ علاؤ الدینؒ کے سر ہے۔ آپ کا مرید سلطان محمد تغلق آپ سے اس قدر
 ڈرتا تھا کہ سامنے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت شیخ کے مزار پر جو بہت بڑا گنبد ہے
 وہ اسی بادشاہ یعنی محمد تغلق کا تعمیر کردہ ہے۔

حضرت شیخ علاؤ الدین کے دو صاحبزادے تھے۔ شیخ معز الدینؒ اور شیخ علم الدینؒ
 حضرت شیخ معز الدینؒ اپنے والد کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ بڑے حسین جمیل تھے۔
 حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے چوتھے فرزند
 حضرت شیخ نظام الدینؒ تھے جو سلطان غیاث الدین

(۴) حضرت شیخ نظام الدینؒ :

بلبن کی فوج میں افسر تھے اور بڑے شجاع تھے۔ آپ اپنے بھائیوں میں سے حضرت
 خواجہ گنجشکرؒ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور حضرت اقدس آپ کی تمام باتیں برداشت
 کر لیتے تھے جس رات کو حضرت شیخ الاسلام کا وصال ہوا۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ اسی
 رات اجدہن پہنچ چکے تھے۔ لیکن قلعہ کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے گھرنے جاسکے اس
 لیے وصال سے پہلے حضرت گنجشکرؒ نے فرمایا تھا کہ نظام الدینؒ پہنچ تو گیا ہے۔ لیکن
 اس کے آنے کا کیا فائدہ کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

(۵) حضرت شیخ یعقوبؒ :

آپ حضرت شیخ الاسلام کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور زندگیاں تھے آپ
 اکثر سفر میں رہتے تھے۔

حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے خلفاء کی تعداد
 میں قدرے اختلاف ہے بعض کتب

مثل جواہر فریدی میں تو خلفاء کی تعداد کئی ہزار بتائی گئی ہے۔ ممکن ہے اس میں آپ کے
 خلفاء، خلفاء کے خلفاء اور ان کے خلفاء تا قیامت شامل ہوں۔ بہر حال معتبر کتابوں میں
 جو حالات درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے گیارہ نامور خلفاء تھے جن کے
 اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ (۲) حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ (۳) حضرت شیخ
 بدر الدین سلیمانؒ (۴) حضرت مولانا بدر الدین اسحاقؒ (۵) حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد
 صابرؒ (۶) حضرت مولانا عارفؒ (۷) حضرت مولانا حمیدؒ (۸) حضرت مولانا فخر الدین صفایاؒ
 (۹) حضرت مولانا بردان الدین صوفیؒ (۱۰) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۱۱) حضرت
 قاضی منتخب الدینؒ۔ لیکن قضائے الہی سے ان میں سے اکثر حضرات کے سلسلے یا تو
 ختم ہو گئے یا ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
 سے دو سلاسل زندہ اور پائندہ ہیں اور تا قیامت سلامت رہیں گے۔ اول سلسلہ عالیہ
 چشتیہ صابریہ دوم سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ یہ اول و دوم کی ترتیب اگر چہ بے معنی ہے لیکن
 چونکہ حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد کو خلافت پہلے ملی تھی اس لیے آپ کے سلسلہ عالیہ
 کو سلسلہ اول کہا گیا ہے ورنہ آجکل جو چشتی صابری ہیں ان میں بھی نسبت نظامیہ کئی
 واسطوں سے داخل ہو چکی ہے اور تفریق محض بے معنی ہے اسی طرح سلسلہ عالیہ چشتیہ
 عالیہ اور سلسلہ عالیہ صابریہ کے لوگوں کے مابین جو قدرے کدر پایا جاتا ہے وہ بھی
 بے معنی ہے کیونکہ حضرت شیخ جمال ہانسویؒ اور مخدوم صابرؒ کے مابین جو نزاع بتایا جاتا
 ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ ایک من گھڑت کہانی ہے جو بعد میں آئے والے
 متعصب لوگوں کی اختراع ہے۔ اس لیے اس کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے لیکن افسوس
 ہے کہ ہمارے معاصر سوانح نگار حضرت مولانا مسلم نظامی نے اس غلط واقعہ کو اپنی کتاب
 انوار الفریدی میں جگہ دے کر نہ صرف بھولی ہوئی بات تازہ کر دی ہے بلکہ آپ نے جو

الفاظ استعمال فرماتے ہیں ان سے بھی بڑا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے آپ نے یہ کہانی دہرائی ہے کہ ایک نفس پرست آدمی تھا جو حصولِ خلافت کے لیے حضرت بابا صاحبؒ کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اس لیے آپ نے اُسے ٹال دیا اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اس شخص کو حریص اور جھوٹا دعویٰ سمجھ کر اس کا خلافت نامہ جو شاید اس نے خود لکھ لیا تھا پھاڑ دیا جب وہ شخص حضرت بابا صاحبؒ کے پاس آیا اور پھٹا ہوا خلافت دکھایا تو آپ نے فرمایا کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو فرید درست نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایک حریص اور نفس پرست آدمی کو حضرت بابا صاحبؒ نے ہرگز ہرگز خلافت نامہ لکھ کر نہیں دیا ہوگا۔ اس لیے اس پر حضرت شیخ جمالؒ کی مہر ثبت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا یہ خلافت نامہ اس نے خود لکھ لیا تھا اور حضرت شیخ جمال الدینؒ کے پاس تصدیق کے لیے گیا اور آپ نے بجا طور پر اُسے پھاڑ دیا۔ بس معاملہ یہاں ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا مسلم نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”سیرالاقطاب کی روایت کے مطابق یہ واقعہ حضرت سیدنا و مولانا مخدوم

علاؤ الدین صابرؒ کا ہے۔“

اس جملہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی خلافت حاصل کرنے والے آدمی سیرالاقطاب کے نزدیک حضرت مخدوم صابرؒ تھے۔ لفظ ”یہ واقعہ“ لکھ کر مولانا نظامی نے غضب کر دیا ہے۔ خواہ ان کے دل میں یہ بات نہ بھی ہوتی ہو تب بھی پڑھنے والے کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حریص اور نفس پرست آدمی جس کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے صاحب سیرالاقطاب کے نزدیک یہ واقعہ ”مخدوم صابرؒ کا ہے۔ ہم مولانا مسلم نظامی کی دیانت پر حملہ نہیں کرتے لیکن تاثر یہ ہوتا ہے کہ ”یہ واقعہ“ یعنی اوپر والے جھوٹے مدعی کا واقعہ صاحب سیرالاقطاب کے نزدیک مخدوم صابرؒ کا واقعہ ہے۔ لیکن سیرالاقطاب کے مصنف کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ مخدوم صابرؒ کو حضرت خواجہ گنجشکرؒ نے صحیح طور پر خلافت عطا فرمائی تھی کیونکہ وہ اس کے مستحق تھے لیکن حسبِ دستور مخدوم پاک کو حضرت بابا صاحبؒ نے ہدایت فرمائی کہ شیخ جمال ہانسویؒ سے بھی مہر ثبت کرائیں۔

ہم مانتے ہیں کہ سیر الاقطاب کی یہ روایت صحیح نہیں ہے اور حضرت مخدوم صابرؒ اور حضرت شیخ جمال الدینؒ کے درمیان کوئی نزاع یا اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس غلط روایت کو از سر نو کتاب میں درج کرنے اور پھر ایک حریص اور نفس پرست آدمی کی کہانی سے پیوند لگانا یہ ضرور ایسا امر ہے جس سے اجتناب لازمی تھا۔ ہمیں مولانا مسلم نظامی کی نیت پر کوئی شک نہیں ہے لیکن انتخاب الفاظ گمراہ کن ضرور ہے۔

بعض لوگ جن میں اکثریت
حضرت مخدوم صابرؒ کے کتابوں میں محکم ذکر کرنے کی وجہ: جالیوں اور نظامیوں کی

ہے اور پھر وہ جو محقق نہیں عامی ہیں یہ سوال کرتے ہیں کہ حشیتہ سلسلہ کی کتابوں یعنی راحت القلوب، راحت الجبین اور اسرار الاولیاء میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا تو کثرت سے ذکر ہے لیکن مخدوم صابرؒ کا ذکر بہت کم کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں کتابیں اب اہل تحقیق کی نظروں میں غیر معتبر ثابت ہو چکی ہیں اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اور بندہ نواز سید محمد گیسو دراز جیسی مقتدر مستفیوں نے ان کو صحیح نہیں مانا۔ باقی رہی سیر الاولیاء اور فوائد الفوائد، فوائد الفوائد تو سوانح ہی نہیں ہے بلکہ مجموعہ ملفوظات ہے جہاں تک سیر الاولیاء کا تعلق ہے یہ کتاب انوار الفرید کے مصنف کے نزدیک بھی حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے وصال کے چالیس پچاس برس بعد لکھی گئی ہے سیر الاولیاء کے مولف خواجہ خور د حضرت سلطان المشائخ کے دربار میں ایک بچے کی حیثیت سے ہتے تھے جن کی عمر بہت کم تھی۔ نیز خود حضرت سلطان المشائخ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی زندگی کے آخری چند سالوں میں مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی لیکن حضرت مخدوم صابرؒ اس سے شاید دس پندرہ سال پہلے خلافت حاصل کر کے کلیر شریف تشریف لے جا چکے تھے۔ اس لیے حضرت سلطان المشائخ کو بھی ان کے متعلق زیادہ معلومات نہیں تھیں جب آپ کو زیادہ معلومات نہ تھیں تو آپ کے سب سے چھوٹے مرید جو چھوٹا ہونے کی وجہ سے خواجہ خور د کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو حضرت مخدوم پاک کے حالات کا کیسے علم ہو سکتا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ کے پچاس سال بعد لکھی جانے والی کتاب سیر الاولیاء میں اس کا

مفصل ذکر کرتے۔ اہل بیت حضرت مخدوم صابز کا ذکر سیر الاولیاء میں مختصر طریق پر فرمایا ہے۔ اور اسی طرح دیگر تذکروں میں بھی مختصر ذکر ہے۔

مختصر ذکر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم پاک پر اچوٹھن میں دوسری وجہ: قیام کے دوران استغراق کا غلبہ تھا۔ اس لیے آپ حضرت گنجشکر کی مجالس میں کم شریک ہوتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ غلبہ استغراق عارضی تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت اقدس کا فارسی کلام اس نوعیت کا ہے کہ اس میں مغلوب الحال بزرگوں کی طرح صرف فنایت ہی نہیں پائی جاتی بلکہ بقا باللہ اور عبدیت بھی پائی جاتی ہے جو منتہیوں اور اہل صحو کا مقام ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل غزل میں زبردست شان بقا باللہ نزول اور عبدیت جلوہ گر ہے۔

امروز شاہ شاہاں مہمان شدہ ست مارا جبریل با ملائک دربان شدہ ست مارا

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم پاک کے سلسلہ میں جتنے بزرگ ہو گزرے ہیں سب کے سب منتہی تھے اور بقا باللہ اور عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے اور استغراق کے غلبہ سے بالکل آزاد اور صاحب تکمیل اور ابوالحال اور غالب الحال تھے نہ کہ ابن الحال اور مغلوب الحال۔ اگر حضرت مخدوم پاک کا استغراق دائمی ہوتا تو آپ کے سلسلہ کا ایک بزرگ بھی مغلوبیت و استغراق سے نہ بچ سکتا تھا۔ لیکن معاذ اس کے بالکل برعکس ہے۔

توحید متاعیت کہ بردار فروشند

گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

باطنی کمالات اور شان و ولایت

اب ہم اس کتاب کے سب سے مشکل مضمون کی طرف آتے ہیں یعنی آپ کے باطنی کمالات اور آپ کے بلند مقامات و منازل جن کی وجہ سے آپ اولیاء کرام کے زمرہ میں اس قدر ممتاز ہیں یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرت اقدس کا مقام اس قدر بلند و ارفع و اعلیٰ ہے کہ ہم جیسے ہیچ تقدراً اور یحیدان کے لیے اس کی نشان دہی ناممکن اور محال ہے لیکن عارف رومی نے فرمایا ہے

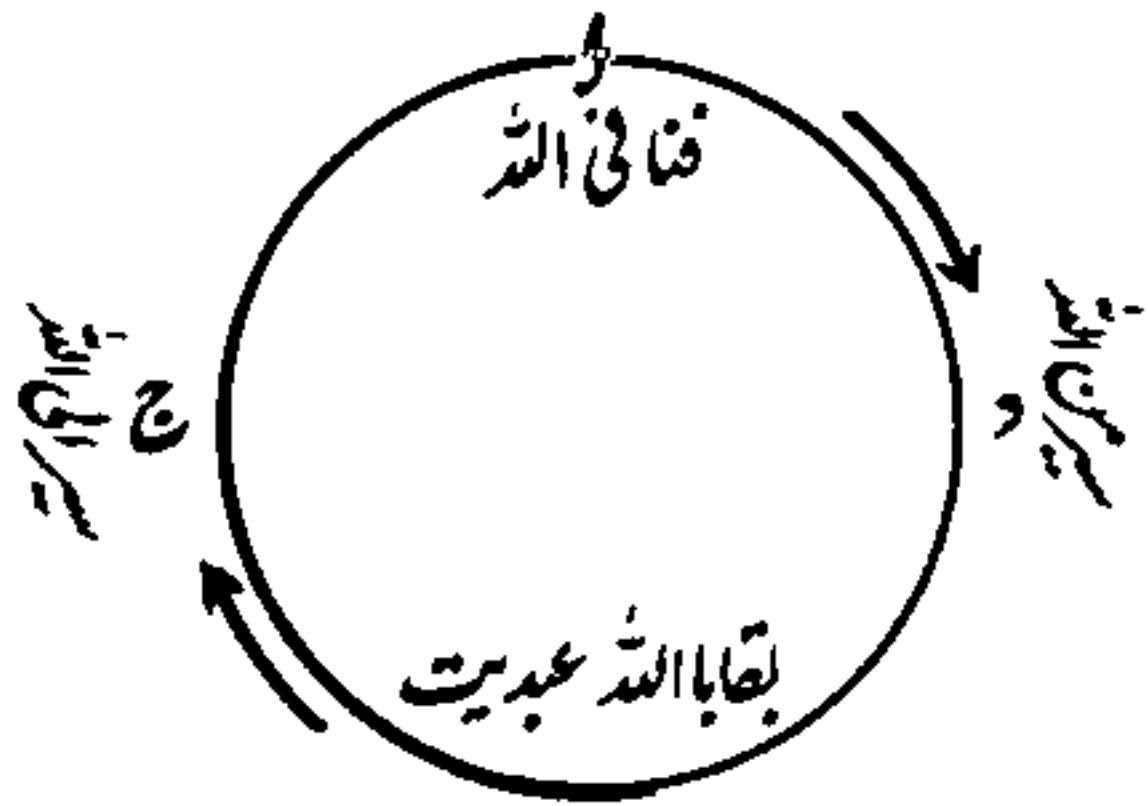
آفتاب آمد دلیل آفتاب —————
گرد لیلیت باید از دوائے رومتاب

(یعنی اگر آفتاب کا ثبوت چاہتے ہو تو آفتاب کی طرف دیکھو اور اس سے منہ مت موڑو)
ہم بھی حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے بلند مقامات کی نشان دہی آپ کے آفتاب ولایت سے کر رہے ہیں نہ کہ اپنی عقل نارسا سے۔

اولیاء کرام کے مقامات کو سمجھنے کے لیے سلوک الی اللہ کو سمجھنا ضروری ہے جس میں حق تعالیٰ

یہک رسائی یعنی پورے عروجی سفر کے منازل و مقامات کی نشان دہی مشائخ عظام نے کر دی ہے۔

آج کل علم و ہنر کا دور ہے اور اکثر مشکل مسائل نقشہ بنا کر آسانی سے سلوک الی اللہ: سمجھائے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ سلوک الی اللہ کو جو حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ایک باقاعدہ کورس ہے۔ ایک دائرہ کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:



سالک کے سفر کا آغاز نقطہ بت سے ہوتا ہے اور صوم و صلوة، عبادت و ریاضت، ذکر و اذکار مشاغل و مراقبات اور دیگر نیک اعمال کی وجہ سے جب سالک کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے تو اس کی روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کو طاقت پرواز حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ ذات حق کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے۔ یہ پرواز جسمانی نہیں روحانی ہوتی ہے۔ غرضیکہ نقطہ بت سے پرواز کر کے جب سالک مقام الف کی طرف جاتا ہے تو اس سفر کو سیرا الی اللہ یا عروجی سفر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جب مقام الف پر جاتا ہے تو اسے فنا فی اللہ حاصل ہونا شروع ہوتی ہے اور ذات باری کے اندر پرواز کرتا جاتا ہے۔ اب چونکہ ذات باری تعالیٰ کی کوئی انتہا نہیں اس لیے سالک کے پرواز کی بھی کوئی انتہا نہیں اگر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرواز جاری رکھے تب بھی سفر ختم نہیں ہوتا کیونکہ اس سفر کی کوئی انتہا نہیں لیکن چونکہ مقام فنا میں محض استغراق، محویت اور مستی کے سوا کچھ نہیں اس لیے اسلام میں ہمیشہ کے لیے اس مقام پر مقیم ہو جانا مطلوب نہیں بلکہ تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ صفات سے متصف ہو جاؤ اور حدیث قدسی بی یسمع اور بی بیصر و کے مطابق سالک جب حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں فنایت کے بعد صفات باری تعالیٰ سے متصف ہوتا ہے اور اس حدیث قدسی کے مطابق حق تعالیٰ کی بصیرت سے دیکھتا ہے اور اسی کی سماعت سے سنتا ہے تو وہ خلافت الہیہ فی الارض کے قابل ہو جاتا ہے اور اسے مقام فنا سے لوٹ کر نقطہ بت کے ذریعے اپنے اصلی مقام یعنی مقام کثرت اور دوئی پر واپس آنا پڑتا ہے جہاں پہنچ کر خلافت الہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے منصب خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے

ہدایتِ خلق میں مصروف ہوتا ہے۔ نکاح کرتا ہے، بال بچوں کی تربیت کرتا ہے، یدین کی تربیت کرتا ہے، سیاست میں حصہ لیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے جہاں دوسرے مذاہب میں فنا فی اللہ میں ہمیشہ کے لیے مستغرق ہو کر جنگلوں اور غاروں میں رہ جانا مستحسن تھا۔ اسلام میں فنا کے استغراق و محویت سے نکل کر ہوشیاری اور مقامِ صحو میں آنا مقصود قرار دیا گیا ہے اور رہبانیت کو خلافِ اسلام قرار دے دیا گیا ہے۔

لیکن اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فنا فی اللہ کے مقام کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اولیائے کرام کی حالت ہمیشہ عروج و نزول میں تبدیل ہوتی رہتی ہے وہ اکثر فنا کی مستیوں سے نکل کر مقامِ دینی میں واپس آتے ہیں اور فرائض منصبی انجام دیتے ہیں۔ اب جن حضرات میں استعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ان کا عروج بھی زیادہ ہوتا ہے اور جن کا عروج زیادہ بلند ہوتا ہے ان کا نزول بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مدنیؒ اپنی کتاب شام امدادیہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا نزول شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے نزول سے زیادہ قوی ہے۔ نزول جس قدر زیادہ قوی ہوتا ہے عبدیت اور شان بقائیت زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام خاص عبدیت ہے اور ساری زندگی میں صرف دو باتیں مثالیں استغراق فی الذات کی ملتی ہیں ورنہ آپ پر ہمیشہ عبدیت اور بقائیت کا غلبہ رہتا تھا اس لیے آپ پر ہر وقت عشق الہی اور ذوق و شوق اور سوز و گداز میں رہتے تھے۔ عجز و انکسار آپ کا شیوہ تھا اور انا الحق یا سحانی ما اعظم شانی جیسی شطیحات سے آپ کو سوں دور تھے۔ کیونکہ مغلوب الحال آدمی اس وقت ہوتا ہے جب شرابِ محبت اور وصل کے چند پیالے پی کر مست ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ صاحب تمکین ہیں اور مہمتِ بلند اور عالی ظرف کے مالک ہوتے ہیں وہ چند پیالے تو بجائے خود دریا نوش کر جاتے ہیں لیکن بدست نہیں ہوتے اور یہی مقام امتِ محمدیہ کا ہے۔ امت میں ایسے حضرات بہت کم ملتے ہیں جو مغلوب الحال ہو کر انا الحق کے نعرے لگاتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام گنجشکرؒ کا شاماً

بھی ان حضرات میں ہوتا ہے جو باقی باللہ اور غالب الحال تھے۔ آپ کا طرف اس قدر عالی تھا کہ کبھی مغلوب الحال نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ہر وقت ٹھل من مزید کے نعرے لگاتے تھے۔ شان بقا باللہ اور عبدیت کا یہ عالم تھا کہ آپ تلوین سے کوسوں دور تھے۔ اور ہمیشہ مقام تمکین میں رہ کر شدید ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے اور تسلیم رضا اور عجز و انکسار کے جذبہ میں اگر اس رباعی کا ورد رکھتے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم خاک کے شوم وزیر پائے تو زیم
مقصود میں بندہ زکون توئی، بہر تو میرم وزیرائے تو زیم

(میری یہ تمنا ہے کہ اے دوست تیرے قدموں میں رہوں، سرپا مٹی بن جاؤں اور تیرے قدموں کے نیچے رہوں۔ میرا مطلوب دو جہانوں میں تیرے سوا کچھ نہیں ہے۔ نہ جنت نہ حور و قصور۔ میں تو تیرے لیے ہی مرتا ہوں اور تیرے لیے زندہ ہوں۔) کس قدر عبدیت خاکساری، عجز و انکساری کا مقام ہے کہ باوجودیکہ آپ ہر وقت بھر فتا میں غواصی کر رہے ہیں لیکن شان بقائیت کا یہ عالم ہے کہ مٹی بن کر دوست کے قدموں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

اکابر اولیاء کا قول ہے کہ ساری عمر عشق میں
ساری عمر عشق بازی نہیں ہو سکتی: نہیں رہا جاسکتا بلکہ اکثر اوقات ہجر و فراق کو

ترک وصل اور فنا کے مزے اڑانے پڑتے ہیں ورنہ ہمیشہ عشق میں رہے تو آدمی جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ لیکن جن خوش بخت اور بلند ہمت حضرات کو عشق میں سے زیادہ حصہ ملا ہے وہ وصل اور قرب میں بھی اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ حضور اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے لیے قرب بھی بعد بن گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرب کیسے بعد بن
قرب کا بعد بن جانا کیا معنی رکھتا ہے: سکتا ہے۔ حضرت خواجہ گنجشکر کے کلامی

خادم حضرت خواجہ غلام فرید اپنی ایک کافی میں فرماتے ہیں۔

جہاں خود قرب ہے دوری اُنہاں کیا وصل و مسجوری
 انا نیت تھتی پوری ہے انسانوں نے رحمانوں
 جہاں خود قرب بھی دوری بن گیا ہو وہاں وصل و فراق بے معنی ہو کہ
 رہ جاتے ہیں کیونکہ اس مقام پر انا نیت بخلاف فنا نیت کا دور دورہ ہوتا ہے اور
 عشق کا غلبہ اس قدر تیز ہوتا ہے کہ عین وصل میں سالک ہل من مزید کے نعرے
 لگاتا ہے اور بلند سے بلند تر اور بلند تر سے بلند ترین منازل کی طرف پرواز کرتا رہتا ہے
 جب قرب کی ایک منزل پر پہنچ جاتا ہے تو چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں اوپر اور
 منزل نظر آتی ہے جب وہاں پہنچ جاتا ہے تو اوپر اور منزل نظر آتی ہے جب وہاں
 پہنچتا ہے تو اوپر اور منزل نظر آتی ہے نعرہ ساری عمر پرواز میں گزرتی ہے اور بقول
 سعدی انتہا تک رسائی نہیں ہوتی کیونکہ یہاں کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ سعدی فرماتے
 ہیں۔

ز حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان
 بمرودش نہ مستثنی و دریا بچسناں باقی

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

دل آرام در بر دل آرام جوے
 لب از تشنگی خشک بر طرف جوے

محبوب بغل میں ہے اور محبوب کی تلاش ہے۔ عاشق کی حالت اس پیاسے
 کی سی ہے جو دریا کے پر بیٹھا پانی پانی پکار رہا ہے،
 ایک اور صاحب فرماتے ہیں۔

ہم عمر با تو قدح زدیم و زلفت رنج خار ما
 چه قیامتے کہ نئے رسی ز کنار ما بختار ما

ہم نے ساری عمر دوست تیرے قرب وصل کے پیاسے نوش کیے ہیں لیکن پھر بھی ہماری پیاس
 نہیں کبھی کیا قیامت اور غضب ہے کہ تو ہماری بغل سے ہماری بغل میں نہیں آتا۔

یہی حال گنجشکر کا ہے: حضرت خواجہ گنجشکر کا یہی حال اور یہی مقام ہے

آپ ہر وقت قرب و وصال کی نئی سے نئی منازل طے کر رہے ہیں اور پھر بھی سیر نہیں ہوتے اور غلبہ عشق میں آکر ہر وقت یہی پکارتے رہتے ہیں۔

خواہم کہ ہمیشہ درہوائے توزیم خاک کے شوم وزیر پائے توزیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی بہر تو میرم وزیر اسے توزیم
کیا ہی بلند ہمت ہے اور کیا ہی اعلیٰ ظرف ہے کہ محبوب حقیقی کے قرب و وصال کے
پیالے نہیں، اصراحی نہیں، خم نہیں، ندی نہیں، نالے نہیں بلکہ دریا اور سمندر نوش فرما رہے
ہیں لیکن پیاس ہے کہ بچھنے میں نہیں آتی، کسی نے خوب کہا ہے۔
قلندر آنکہ فوق الوصل جوید
قلندر وہ ہے جو وصل سے بھی اوپر کا مقام طلب کرتا ہے،

مولانا روم فرماتے ہیں۔

نگویم کہ بر آب دست در نیند کہ بر ساحل نیل مستقی اند
(یعنی پانی پر قادر ہیں پی رہے ہیں دریا کے کنارے بیٹھے ہیں پھر بھی پیاس نہیں کھتی،
اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ دوست کے حسن و جمال کی کوئی انتہا ہے نہ عاشق صادق کی
طلب کی کوئی حد ہے حضرت خواجہ غلام فرید ایک کافی میں فرماتے ہیں۔

توڑیں جو دریا نوش بہن پر جوش مہتی خاموش بہن
اسرار دے سر پوش بہن صامت رہن مارن نہ بہن

داگرچہ عشاق قرب و وصال اور حسن و جمال کے دریا پر دریا نوش کر رہے ہیں اور
جوش و خروش کی حالت میں ہیں لیکن خاموش ہیں۔ بھید ظاہر نہیں کرتے نہ اناجی
کے دعوے کرتے ہیں،

اگرچہ ساری عمر عشق کمانا بے حد شوار ساری عمر عشق کمانا بے حد شوار ہے
ہے اور ہڈیوں کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے

لیکن شیخ الاسلام گنجشکر نے ساری عمر عشق کمایا، تن من جل کر راکھ ہو گیا۔ ہڈیاں جل گئیں۔
لیکن ہل من مزید کے نعرے بند نہ ہوئے اور آخری دم تک سجدہ و سجد جاری رہا کس قدر
بلذمت اور وسیع ظرف ہے۔ سبحان اللہ۔

یہ حضرت اقدس کا سوز و گداز ہے کہ جب کوئی شخص سماع کے جواز کے متعلق سوال
کرتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں :-

سبحان اللہ! یکے بسوخت و خاکستر شد

و دیگرے ہمنوز در بحبش است

(یعنی ہم تو عشق میں جل کر خاکستر ہو گئے ہیں اور لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ جائز ہے)
یہ تو مرید کی حالت ہے اور پیر کی حالت کیا تھی، آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ محبوب
حقیقی کے عشق میں تڑپ تڑپ کر اسی ایک شعر پر جان دے دی :-

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دگر است

چار دن اور چار راتوں کا رقص، الامان! کوئی بشر ہے جو برداشت کر سکتا ہے آخر
کیا ہوا۔ تن من، گوشت و پوست کو عشق الہی میں جلا کر خاک کر دیا ہے اور جان جان آفرین
کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ کو احقر راقم الحروف نے یوں منظوم کیا ہے :-

ذتیغ لافنافی اللہ زالا اللہ بقا باللہ

پہ خوش خوش جاں بہ جاں پرور سپرداں مردِ رحمانے

(یعنی پہلے مصرع پر تیغ لاسے جان نکل جاتی تھی اور دوسرے مصرع میں شربت
الا اللہ سے جان میں جان آجاتی تھی۔ اس رقص وستی میں اگر عاشق صادق نے کس
طرح خوش ہو کر جان جان پرور کے سپرد کر دی، نوٹ: بقیہ غزل باب ہذا کے
موضوع میں ملاحظہ ہو۔)

اولیائے امت میں گنجشکر کا خصوصی امتیاز

اولیاء امت محمدیہ میں
جو مقام حضرت شیخ الاسلام
نے اولیاء امت کو بلند ترین مقام پر پہنچانا گنجشکر کا منصب ہے:

گنجشکر کو حاصل ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے جو صاحبِ اقتباس
الانوار نے مرآة الاسرار سے نقل کیا ہے۔ حضرت شیخ محمد غوث گو الیاری قدس سرہ نے
اورادِ غوثی میں اپنے چند مکاشفات بیان فرمائے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں ایک رات میں
مشغول بیٹھا تھا کہ یکایک آواز آئی کہ وقتِ حضور اور معموری ہے آجاؤ جب میں
نے سراٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے ایک عظیم الشان دریا ہے اور ساری خلق خدا اس
دریا پر آئی ہوئی ہے۔ دریا کے وسط میں ایک مرتع و مکمل تخت نہایت بلندی پر
نصب کیا گیا ہے۔ اس تخت کے سامنے ایک صورتِ جمال اور دوسری صورتِ جلال
ہے اور تخت کے اوپر ایک باوقار بزرگ بیٹھے اس مقام کی حفاظت کر رہے ہیں ساری
خلقت دریا کے اندر داخل ہو چکی ہے لیکن اس مقام تک کسی کی رسائی نہیں ہو رہی
البتہ چند عزیز جن کو میں جانتا ہوں نصف راستے طے کر چکے ہیں۔ میں ان پر سبقت کر کے
اس تخت تک پہنچ گیا۔ جو بزرگ اس تخت کے محافظ تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی
طرف کھینچ لیا۔ مجھے اپنا پیرا بن عطا فرمایا اور فیضِ جلال سے بھرے ہوئے دو طبق انوار
کے میرے سر پر ڈالے۔ جب میں نے زیادہ طلب کیا تو فرمایا کہ تیرے نصیب میں یہی کچھ

تھا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور کا اسم گرامی کیا ہے، فرمایا مجھے فرید الدین گنجشکر کہتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ملک ہے۔ فرمایا یہ دریائے ہستی ہے اور یہ تخت حضرت رب العظیم کا ہے۔ اور یہ صورتیں صفت جمال و جلال کی ہیں۔ ہر نبی اور ولی جو اس مقام پر پہنچتا ہے۔ اس نعمت کے فیض سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ حضور اس مقام کے اکیلے محافظ ہیں۔ فرمایا کہ ہم چار آدمی ہیں۔ ایک خواجہ بایزید بسطامی، دوسرے خواجہ عنید بغدادی، تیسرے خواجہ ذوالنون مصری اور چوتھا یہ درویش یعنی فرید الدین گنجشکر۔ ہم چاروں آدمی باری باری اس مقام کی محافظت پر مامور ہیں۔ ہم میں سے جس کسی کی باری میں کوئی سالک یہاں پہنچتا ہے تو ہم اُسے اپنا پیرا بن عطا کرتے ہیں اور اس کی استعداد کے مطابق حق تعالیٰ کے حکم سے اس کو حصہ دیتے ہیں اور روز قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ یہ سن کر میں حیرت زدہ ہوا اور مزید سوال کیا کہ آپ چاروں کی پیدائش تو امت محمدیہ میں ہوئی ہے تو قدیم ایام سے اس مقام کی محافظت آپ کس طرح کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری حقیقت اس مرتبہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تین عنصری (ظاہری جسم) کا اس سے کوئی تعلق نہیں کہ کب پیدا ہوا اور کب ختم ہوا۔ حضرت خواجہ گنجشکر کے کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کا کیا مقام ہے۔ فہم من فہم۔ اس کے بعد اقتباس الانوار کے مصنف حضرت شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آیا جو مندرجہ بالا واقعہ سے پوری طرح مناسبت رکھتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ یہ فقیر ستائیس ماہ
اقتباس الانوار کے مصنف کا مشاہدہ: رمضان کی شب میں نمازِ عشاء کے

بعد شغلِ کیمیائے معرفت میں مشغول تھا۔ جب ایک پہر رات باقی تھی تو ایک نہایت ہی حسین و جمیل فوجانِ امود (بے ریش جوان) کی صورت میں میرے سامنے ظاہر ہوا۔ اس کی آنکھیں شمع کی طرح روشن تھیں۔ اس فقیر نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا میں بابِ اسرار کا امین ہوں اور یہاں اس لیے آیا ہوں کہ تجھے عالمِ امر لاند

میں لے جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اس فقیر کا ہاتھ پکڑا اور ہوا میں پرواز شروع ہو گیا چنانچہ ہم دونوں پندوں کی طرح اوپر کی جانب پرواز کرتے جا رہے تھے حتیٰ کہ ہم عرش سے اوپر بجز اسرار تک پہنچ گئے۔ اس مقام پر دونوں ہی طاؤس (مور) ظاہر ہوتے جو اس فقیر کو باری باری اپنی پشت پر سوار کر کے اوپر لے گئے اور وہ باب اسرار کا این سی جگہ رہ گیا۔ جب ہم بجز اسرار کے وسط میں پہنچے تو وہاں ایک ایسا مقام پیش آیا کہ جس کا عبور کرنا ہر شخص کے بس میں نہ تھا اور بہت سے سالکین وہاں تک پہنچ کر رک گئے تھے۔ اس مقام کا نام محکم العشاق ہے۔ اس مقام پر ایک سمیرغ نمودار ہوا جو نصف نوری اور نصف ناری تھا۔ اور اس فقیر کو اپنے اوپر سوار کر کے فضلے ہویت کے کنارے تک لے گیا۔ وہاں تین سمندر پیش آئے وہاں پر بھی چند سالکین جن میں سے بعض کو یہ فقیر جانتا تھا اور بعض کو نہیں جانتا تھا رُکے ہوئے تھے۔ پہلے سمندر کے کنارے نور مرخ سے بنے ہوئے تھے۔ اس سمندر میں سے ایک مچھلی نکلی جو نور مرخ سے بنی ہوئی تھی۔ وہ مچھلی اس فقیر کو اپنے اوپر سوار کر کے دوسرے سمندر کے کنارے تک لے گئی جس کے کنارے نور سیاہ کے تھے اور بے حد تاباں اور درخشاں تھے۔ اس سمندر کے وسط میں سے ایک آدمی ظاہر ہوا جس کے ساتھ چہرے تھے اور اس کا سارا وجود اسی نور سے تھا۔ وہ اس فقیر کو اپنے اوپر سوار کر کے تیسرے سمندر کے کنارے تک لے گیا۔ اور وہ سمندر کنارے، رنگ اور زمین سے منزہ و پاک تھا۔ نہ اس کا کوئی اول تھا نہ آخر، اور نہ اس کے طول یا عمق کی کوئی انتہا تھی۔ حالانکہ تمام اشکال والوان (رنگ) بلکہ تمام جہاں اس کے اندر موجود تھے۔ جب یہ فقیر اس کے کنارے پر پہنچا تو خوف کے مارے ایسی ہیبت طاری ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ اس سمندر کے اندر سے آواز آئی کہ میرا نام پکارتے ہوئے آؤ اور مت ڈرو۔ اس فقیر نے عرض کیا کہ حضور کا اسم گرامی کیا ہے تو جواب ملا کہ میرا نام فرید الدین ہے۔ چنانچہ یہ فقیر فرید فرید کہتے ہوئے سمندر کے اندر داخل ہوا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک اتنا بڑا جہاز کھڑا ہے کہ جس کے سامنے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کا علاقہ ایک رانی کے دانے کے برابر تھا اور اس جہاز پر

ایک نور کا بہت بڑا تخت پڑا تھا جو آفتاب کی طرح روشن تھا۔ اس تخت پر ایک نورانی شکل کا آدمی نورانی لباس زیب تن کیے بیٹھا ہے اور اس کی چاروں طرف چار صورتیں کھڑی ہیں۔ جب یہ فقیر اس تخت کے نزدیک پہنچا تو وہ شخص بے حد مہربانی سے پیش آیا۔ اور مجھے قریب بلا کر فرمایا کہ میری دائیں جانب والی صورت اولیاء اللہ کی ولایت عروجی کی شکل ہے اور بائیں والی صورت ولایت نزولی کی شکل ہے۔ پیچھے والی صورت انبیاء کی صورت ہے اور آگے والی صورت کمالات نبوت کی صورت ہے۔ ہم جس شخص کو قطب مدار کا منصب عطا کرتے ہیں اس کو اپنی دائیں طرف والی صورت کے فیض سے بہرہ مند کرتے ہیں اور جس کو مرتبہ فردیت عطا کرتے ہیں اس کو بائیں صورت کے فیض سے بہرہ مند کرتے ہیں اور جس کو مرتبہ قطب حقیقت و محبوبیت عطا کرتے ہیں اس کو پیچھے والی صورت کا فیض دیتے ہیں اور جس کو تمام کمالات محبوبیت، فردیت اور قطبیت کبریٰ و غوثیت و قطب مداریت وغیرہ کے مراتب عطا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی سامنے والی صورت سے مستفیض کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نور ذاتی کی دو چادریں مجھے پہنائیں جن سے ایک پر پورے قرآن مجید کی کشیدہ کاری تھی اور دوسری پر تورات، زبور اور انجیل کی کشیدہ کاری تھی اور فرمایا کہ یہ دونوں چادریں کبریاے ذاتی کی چادریں ہیں۔ ان میں سے وہ چادر جس پر قرآن لکھا ہوا ہے منشاء ولایت محمدیہ ہے اور دوسری چادر منشاء ولایت دیگر انبیاء ہے اور میں نے یہ دونوں چادریں تجھے بخشی ہیں اور ان چار صورتوں میں سے آگے والی صورت کے فیض سے بھی تجھے مشرف کیا ہے۔ اس کے بعد اس فقیر نے عرض کیا کہ حضور کا اسم گرامی کیا ہے فرمایا میرا نام فرید الدین گنجشکر ہے اور یہ سمندر بحر لاتعین ہے۔ جس شخص پر یہ مقام لاتعین مشہود ہوتا ہے۔ میرا تعین اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا تعین باری باری اس کو نظر آتا ہے۔ جس طرح کہ تم دیکھ رہے ہو اور اس مقام کا فیض عطا کرتا ہے۔ چونکہ اس مقام کا فیض تجھے میرے ہاتھوں سے ملنا تھا تجھے میری باری میں یہاں لایا گیا ہے اس کے علاوہ حضرت اقدس نے مجھے تین اشغال تلقین فرمائے جن میں سے ایک کا نام

نقطہ محبت ہے دوسرے کا نام فقط معرفت اور تیسرے کا نام فقط ذات ہے۔ اس کے بعد فقیر نے عرض کیا حضور کی پیدائش تو آخری زمانہ میں ہوئی ہے اور اس مقام کا فیض آپ سے کافی مدت پہلے لوگوں کو مل رہا ہے یہ کس طرح ہے فرمایا کہ ہم دونوں کی حقیقت ابتداء سے نور محمدی میں مندرج ہو چکی تھی اور اسی وجہ سے ہماری حقیقت اس مقام کی محافظ چلی آرہی ہے۔ اور تمام متقدمین اور متاخرین کو فیض رسائی کر رہی ہے اس معاملہ میں ہمارے وجود عنصری کو کوئی دخل نہیں ہے۔ جب اس فقیر کو افاقہ ہوا تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان دونوں بزرگوں کی ارواح کو ایصالِ ثواب کیا۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت

سلطان المشائخ نے حضرت

بلند مقام اور بلند کلام: اقوالِ زہدیں: شیخ الشیوخ العالم گنجشکر کے چند کلمات اپنی قلم سے لکھ لیے تھے جو یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

سات سو مشائخ عظام سے چار سوال کیے گئے۔

سب نے ایک ہی جواب دیا:

پہلا سوال: سب سے زیادہ دانا کون ہے۔ جواب: تارک الدنیا۔

دوسرا سوال: سب سے زیادہ بزرگ کون ہے۔ جواب: جو کسی چیز سے متغیر نہ ہو۔

تیسرا سوال: سب سے زیادہ غنی کون ہے۔ جواب: جو قناعت کرتا ہے۔

چوتھا سوال: سب سے زیادہ محتاج کون ہے۔ جواب: جو قناعت ترک کرتا ہے۔

نیز حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ نے فرمایا

ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے اس

دعا ضرور قبول ہوتی ہے:

بارے میں کہ بندہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہ کرنے

نیز فرمایا کہ کوئی چیز فقیر کے پاس ہے تو بھی غم نہیں ہے اور نہیں ہے تو بھی غم نہیں

ہے نیز فرمایا کہ نامرادی کا دن معراج کی رات ہے۔ نیز فرمایا کہ امام شافعی نے کہا ہے

کہ میں نے دس سال صوفیوں کی شاگردی کی تب جا کر معلوم ہوا کہ وقت کیا ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ کام کرو اور بے درد لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کرو: نیز فرمایا:

بست در رنج یابی سروری را بشب بیدار بودن مہستی را

(تکلیف و محنت کے مطابق سرداری ملتی ہے اور شب بیداری سے بزرگی حاصل ہوتی ہے)

نیز فرمایا: الصوفی یصفو ابہ کلّ شیء ولا یکدرہ شیء

(صوفی وہ ہے کہ جس کی برکت سے ہر چیز متبرک ہوتی ہے لیکن کوئی چیز اس کو مکدر نہیں

کر سکتی) نیز فرمایا: شیخ الاسلام جلال الدین نور اللہ صوفیہ نے فرمایا:

الکلام مسکوب القلوب ان اول الکلام و آخرہ ان کان لله فتکلم و الا

فاسکت (بہت باتیں کرنا دل کو غافل کرتا ہے۔ اول کلام اور آخر کلام اگر اللہ کے

لیے ہے تو بات کرور نہ خاموش رہ) نیز فرمایا جب فقیر نیا کپڑا پہنے تو یہ خیال کرے کہ

کفن پہن رہا ہے۔ نیز فرمایا کہ: الہ نبیاء احياء فی القبور (انبیاء علیہم السلام

قبروں میں زندہ ہیں) نیز فرمایا: کوکان هذا العلم یدرک بالمتی۔

ماکان یبقی فی السبویۃ جاہل (اگر علم خواہش سے حاصل کیا جاسکتا

تو دنیا میں کوئی جاہل نہ رہ جاتا) فاجہد ولا تکسل ولا تک غافل۔

قتدامة العقب لمن یتکاسل (پس جدوجہد کرو اور کاہل مت بنو اور غافل

مت ہو جاؤ۔ جو شخص حق کی تلاش کی کاہلی اختیار کرے گا۔ آخرت میں اسے ندامت

حاصل ہوگی) نیز فرمایا کہ جو کچھ تو ہے وہی ظاہر کرور نہ تجھے ظاہر کر دیا جائے گا جیسا کہ

تو ہے۔ نیز فرمایا کہ جذبۃ "من جذبات الحق حنیو" من عبادة الثقین

گر مرادِ خویش خواہی نامرادی پیشہ گیر ما مرادِ خویش در نامرادی یا فیتیم

سرمہ فرماتے ہیں: سرمہ غم عشق را بہ شادی نہ دہی درد سے اگر تومد منادی نہ دہی

صد بار اگر شود مرادت حاصل ز نہار زوست نامرادی نہ دہی

جامی فرماتے ہیں: ہوائے نیکوای عیش است و شادی مرادِ عشق باران نامرادی

اللہ تعالیٰ کے لیے جذبات میں سے ایک جذبہ بہتر ہے تمام مخلوقات کی عبادت سے،
 نیز فرمایا فان علیہ السلام طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس
 پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اپنی عیب جوئی
 نے لوگوں کی عیب جوئی سے باز رکھا۔ یعنی لوگوں کے عیب دیکھنے کی بجائے اپنے
 عیب دیکھتا ہے، نیز فرمایا رضینا قسمة الجبارینا۔ لنا العلم والجهال
 مال۔ ہم حق تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہیں جس نے ہمیں علم عطا فرمایا اور جاہلوں کو مال۔
 نیز فرمایا: نوآرد تم بکون درجہ الکبار فعلیکم بعدم الالتفات الی ابناء
 الملوک (اگر تمہیں اکابرین کے درجات حاصل کرنے کی خواہش ہے تو تجھے لازم ہے
 کہ بادشاہوں کے شہزادوں کی طرف توجہ نہ کرے) رباعی سے

دوشینہ شبنم دل عزیزم بگرفت واندیشہ یارنا زینم بگرفت
 گفتم بسر دیدہ روم بردرتو اشکم بدویدو اسینم بگرفت
 (گزشتہ رات میرا دل یاد دوست میں بے قرار تھا اور اس نازنین محبوب کا خیال
 دل کو ستا رہا تھا میں نے کہا کہ دوست کے دروازہ پر آنکھوں کے بل چل کر جاؤں گا
 اس خیال سے آنسوؤں کا طوفان اُٹھ آیا اور دامن تر ہو گیا، نیز فرمایا المباحثۃ بین
 الإثنین حیدر من تکرار السنتین (دو آدمیوں کا آپس میں بحث کرنا بہتر
 ہے دو سالوں کے تکرار سے) بیت سے

اے مدعی بدعویٰ چندین کن دلیری یک حرف راز معنی سے صد جواب باشد
 (اے علم و ہنر کے دعویٰ راتنی دلیری نہ کر کیونکہ یہاں ایک ایک حرف کے تین تین مطالب
 ہیں) نیز فرمایا: الآفة فی التدبیر والسلام فی التسلیم

۱۔ اس قسم کا عربی مقولہ یہ ہے من کان ہمتہ ما دخل قیمتہ ما حرج (یعنی جو شخص
 ساری ہمت اس بات پر صرف کرے کہ پیٹ کے اندر کیا داخل ہوتا ہے۔ اس کی قیمت وہی
 کچھ ہے جو اس کے پیٹ سے نکلتا ہے)

(تدبیر میں آفت ہے اور تسلیم یعنی معاملہ خدا کے سپرد کرنے میں عافیت ہے) نیز فرمایا
 العلماء اشرف الناس۔ والفقراء اشرف الاشراف (علماء بہترین خلائق اور
 فقراء بہترین شرفا رہیں) نیز فرمایا: الفقراء بَيْنَ العلماء كَالْبَدْرِ بَيْنَ كَوَاكِبِ السَّمَاءِ
 (فقراء علماء کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ستاروں کے درمیان چودھویں کا چاند)
 نیز فرمایا: أَرْزَلُ النَّاسِ مَنْ اشْتَغَلَ بِأَكْلِ وَالثَّبَاسِ (بدترین شخص وہ ہے جو کھانے
 اور پہننے میں مشغول ہو یعنی اس کا مشغلہ فقط یہی ہو)

شیخ الاسلام گنجشکر کے پانچ سو کلمات میں چند کلمات: سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ
 ایک بزرگ نے حضرت
 شیخ الشیوخ العالم گنجشکر کے ملفوظات میں سے پانچ سو کلمات جمع کیے ہیں جن میں سے
 چند کلمات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

تعلق باللہ: فرمایا باخداے تعالیٰ باید ساخت کہ ہم بتانند۔ او بدہ چوں اوند
 ہر کس نستاند (خدا تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرو۔ کیونکہ خلقت لینے
 والی ہے اور وہ دینے والا ہے اور جب وہ نہیں دیتا تو کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔
 فرمایا اگر نجاتن از خود رسیدن بحق شمر
 (اپنے آپ سے بھاگ جانا اور اپنی مرادیں

ترک کرنا حق تعالیٰ سے جا ملنا ہے)

نامرادی: فرمایا کہ تن کو مراد مت دے
 کیونکہ وہ بہت چاہتا ہے۔

نادان سے پرہیز: فرمایا کہ نادان کو زندہ مت سمجھ
 اور نادان دانا نما سے پرہیز کر۔

راستی دروغ نما سے پرہیز: فرمایا وہ سچائی جو جھوٹ نظر آتے اس
 سے پرہیز کر، نیز فرمایا کہ وہ چیز مت بیچ
 جسے کوئی خریدے۔

جاہ و مال : فرمایا جاہ و مال کی خاطر جھگڑانا نہ کر۔

سخاوت : فرمایا ہر شخص کا کھانا مت کھا بلکہ ہر شخص کو کھانا دے۔

موت کی یاد : فرمایا موت کو کسی جگہ نہ بھول اور قیاس سے بات نہ کر (یعنی بات کر) فرمایا بلا ہوا کا نتیجہ ہے یعنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے آدمی بلا سے نجات : بلا میں مبتلا ہوتا ہے۔

گناہ پر فخر : فرمایا گناہ پر فخر مت کر۔

شیطان سے پرہیز : فرمایا دل کو شیطان کا کھلونا نہ بنا۔ فرمایا اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر بنا اور آرائش کی کوشش ظاہر اور باطن : نہ کر۔

طلب جاہ : فرمایا اپنے آپ کو طلب جاہ کے لیے بے قدر مت کر۔ فرمایا عاجز اور غریب سے قرض مت مانگ اور اپنے خاندان کی حرمت کو قائم رکھ۔

طلب صادق : فرمایا ہر روز نئی دولت (باطنی نعمت) کا طلبگار بن۔

دشنام سے پرہیز : فرمایا جس قدر ہو سکے عورتوں کو گالی گلوچ سے باز رکھ۔

احسانِ حبتانا: فرمایا ہر شخص کا احسان مان اور کسی کو احسان نہ جتا۔
نیکی کرنا: فرمایا جو شخص تیرے کے ساتھ نیکی کرے اس کو اپنے خوش اقبال میں شمار کر۔

ترکِ بدی: فرمایا جس چیز کے بُرا ہونے کی دل گواہی دے اس کو ترک کر دے۔

بندگی: فرمایا وہ غلام جو بکنا چاہے اسے مت خرید۔

نیکی کے لیے بہانہ جوئی: فرمایا نیکی کے لیے ہمیشہ بہانہ تلاش کرتا رہ۔

نفس کے ساتھ جنگ: فرمایا نفس کے ساتھ جنگ کو ختم نہ کر اور اس کے ساتھ صلح کرنا چھوڑ دے۔

کامرائی ناکامی ہے: فرمایا سبکداری و درستی کو ضعیفی سمجھ یعنی کامرائی کو کمزوری جان۔

دشمن سے ڈر: فرمایا کسی دشمن سے بے خطر نہ رہ خواہ وہ تجھ سے کتنا خوش ہو۔ اور جو شخص تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ڈر۔

طاقت پر تکیہ: فرمایا اپنی توانائی پر تکیہ نہ کر۔

شہوت سے احتیاط: فرمایا شہوت کے وقت دوسرے وقتوں سے اپنی حفاظت زیادہ کر۔

دین کی حفاظت: فرمایا جب اہل دولت کے پاس بیٹھے تو دین کو مت بھول

عدل و انصاف: فرمایا عزت و شہمت عدل و انصاف میں سمجھو۔

وقتِ دولت : فرمایا دولت کے وقت سمیت کو بلند رکھ اور دین کو کسی قیمت پر نہ سے اور وقت کا بھی کوئی بدل قبول نہ کر یعنی وقت کو صحیح کاموں میں خرچ کرے۔

تکلف سے پرہیز : فرمایا مہمانوں کے ساتھ تکلف رومت رکھ۔

توشہ دانش : فرمایا توشہ ازدانش و تجرید ساز یعنی دانش اور دنیا سے قطع تعلق کو اپنا توشہ یا زادِ راہ بنا۔

صبر : فرمایا جب حق تعالیٰ کی طرف سے زحمت پہنچے تو اس سے گریز مت کر یعنی صبر سے قبول کر۔

درویش اور تو نگری : فرمایا جو درویش تو نگری کی امید میں ہو اسے حریص سمجھ۔

حفاظتِ ملک : فرمایا ملک کو خدا ترس وزیر کی حفاظت میں دو۔

دشمن سے برتاؤ : فرمایا دشمن کو نیک مشورہ دے کر رام کرو۔

دوست سے برتاؤ : فرمایا دوست کو تواضع سے بندہ بناؤ۔

بلائے ناگہاں : فرمایا جہاں پرستی بلائے ناگہاں ہے۔

اپنی عیب جوئی : فرمایا اپنے عیب کی تلاش میں رہ۔

تو نگری : فرمایا تو نگری کو خورسندی کے جاں میں پھنسا تا کہ قائم رہے۔

ضبط : فرمایا دشمن کی تلخ بات سے جوش میں نہ آ۔ بلکہ ضبط سے کام لے۔

لجاجت: فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ رسوا نہ ہو تو جاجت سے پرہیز کر۔

تکبر: فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ ساری دنیا تیرے خلاف ہو جائے تو تکبر کر۔

اتحاف: فرمایا اپنے نیک و بد کو صیغہ راز میں رکھو۔

دین: فرمایا دین کی علم سے نگہداشت کر۔

بلندی: فرمایا اگر تو بلندی کا طالب ہے تو شکستگان کے پاس بیٹھ۔

حسد: فرمایا آسودگی چاہتے ہو تو حسد سے پرہیز کرو۔

آزار کا بدلہ: فرمایا آزار کا بدلہ ہدیہ میں دے یعنی کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو ہدیہ دے۔

بعد مرگ زندہ ہونا: فرمایا وہ کام کر جس سے مرنے کے بعد تو زندہ ہو جائے۔

سخاوت: سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے چند دلے چڑیوں کے آگے پھینکے، دوسرے دن کسی نے مجھے ایک من گندم اور ایک روپیہ آکر دیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔

خورش وہ بہ گنجشک و کبک وہام کہ ناگہ ہمارے در افتد بہ دام چڑیوں اور کبک وغیرہ کو دانے دیا کرو کہ ایک دن ہمارے جاں میں آجائے گا

تجربہ علمی : حضرت شیخ الاسلام گنجشکر کے تجربہ علمی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مولانا بدرالدین اسحاق جو دہلی کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور عقول

منقول پر عبورِ عطا کے دل میں ایک اشکال پیدا ہوا لیکن اس کا حل دہلی جیسے قبہ الاسلام میں کوئی نہ بتا سکا۔ آخر اس مسئلہ کو حل کرانے کی خاطر انہوں نے بخارا جانے کا قصد کیا اور اپنے چند ہمراہیوں سمیت سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب راستے میں اجودھن کے مقام پر رات کو قیام کیا تو ان کے دوست حضرت شیخ الاسلام گنجشکر کی زیارت کی خاطر جانے لگے اور مولانا بدرالدین اسحاق سے بھی کہا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ جا سکتے ہو میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے ایسے لوگ بہت دیکھے ہیں لیکن جب دوستوں نے بہت مجبور کیا تو وہ ان کے ساتھ چلے گئے۔ بسبب حضرت شیخ کی خدمت میں بنا کر بیٹھے تو آپ نے مولانا بدرالدین اسحاق کی طرف متوجہ ہو کر باتیں شروع کیں اور باتوں باتوں میں ان تمام مسائل کے حل بتا دیتے جن کے لیے وہ بخارا چلے گئے۔ یہ دیکھ کر وہ سخت حیران ہوتے اور سفر ترک کر کے آپ سے بیعت ہو گئے اور تکمیل ارشاد کے مرتبہ پہنچ کر حضرت اقدس سے خلافت پائی اور داماد ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔

سلاطین جہاں سے استغنی : ایک دفعہ سلطان ناصر الدین اپنے وزیر الخ خان جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے

مشہور ہوا، کے ساتھ لاد لشکر سمیت اوچ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ جب اجودھن کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے اپنے وزیر الخ کو نقدی اور چار مواندغات کا پٹہ دے کر حضرت شیخ الاسلام گنجشکر کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچا تو دونوں چیزیں سامنے رکھ دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ نقدی ہے اور یہ چار دیہات کا پٹہ ہے۔ حضرت اقدس نے تبتم کر کے فرمایا کہ نقد مجھے دے دو میں درویشوں میں تقسیم کر دوں گا اور زمین کا پٹہ لے جاؤ کیونکہ اس کے طالب بہت ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نقدی درویشوں میں تقسیم کر دیا اور خود کچھ نہ لیا اگرچہ گھر میں فاقہ تھا اور پیلوں اور ڈیلے جیسے ادنیٰ اجنبی کپلوں پر گزارہ کر رہے تھے۔

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ جس روز ڈیلیوں کے ساتھ نمک بھی میسر آجاتا تھا تو ہمارا عید ہوتی تھی۔

الغ نمان کا بخت بیدار ہوا: جب وزیر الغ خان حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے دل میں یہ تمنا بھی تھی کہ بادشاہی مل جائے۔ حضرت اقدس نے روشن ضمیری سے اس کے دل کی بات معازم کر لی اور فرمایا۔

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود ز عود دز عنبر سرشتہ بنود
زاد و دہش یافت آن سیکوئی توں داد دہش کن فریدون توئی

دشہنشاہ فریدون فرخ نہ کوئی فرشتہ تھا اور نہ خود اور عنبر میں گوندھا ہوا تھا اس نے عدل و انصاف کی وجہ سے سلطنت حاصل کی تو بھی عدل و انصاف کر بادشاہ تو ہے، جو نہی الغ نمان نے یہ خوشخبری سنی قدموں پر گر گیا اور نوش و فرم ہو کر چلا گیا۔

سیرالاولیاء میں اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جب بادشاہ کا لشکر اجودھن پہنچا اور حضرت شیخ کی زیارت کا قصد کیا تو چونکہ لاکھوں کا مجمع تھا آپ نے اپنا پیرا ہن دے کر فرمایا کہ اس کو سڑک پر اٹکا دو لشکری اس کو ہاتھ لگا کر چلے جائیں نیز آپ نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ میرے گرد حلقہ ڈال کر بیٹھ جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ دور سے دیکھتے ہوئے گزر جائیں۔ چنانچہ لشکریوں نے جب تبرکاً آپ کے پیرا ہن کو چھونا شروع کیا تو آخر پیرا ہن پارہ پارہ ہو گیا۔ سب سے لوگ دور سے گزر رہے تھے اور زیارت کرتے ہوئے جارہے تھے لیکن ایک بوڑھا آدمی حلقے کے اندر گھس آیا اور حضرت اقدس کے پاؤں پر گر گیا۔ اور پاؤں مبارک پر بوسہ دے کر کہنے لگا کہ شیخ فرید آپ بہت تنگ ہو رہے ہیں بلکہ آپ کو حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے آپ نے جب یہ بات سنی تو نعرہ مارا اور آدمی سے محبت سے پیش آئے اور معذرت چاہی۔

حضرت سلطان المشائخ سیرالاولیاء میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ کی طبیعت علیل تھی عصاب پر تکیہ کرنا بھی ناگوار گزارا:

مزدوری کی وجہ سے آپ نے عصا ہاتھ میں لیا اور کہیں جانے لگے۔ محوڑی دیر کے بعد آپ نے سنا پھینک دیا اور پریشانی کے آثار چہرہ مبارک پر ظاہر ہوئے۔ جب آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر عتاب ہوا ہے کہ میرے غیر ترکیب کرتے ہو۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس کا ایک مرید تھا جس کا نام محمد تھا۔ وہ مرید

حضرت شیخ الاسلام کے بعض اصرار و رموز سے آگاہ تھا۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں وہ حضرت شیخ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بعد میں حضرت اقدس نے اس سے دریافت کیا کہ بے ہوشی کی کیا وجہ تھی۔ وہ تو کچھ نہ بتا سکا لیکن حضرت گنجشکرؒ نے خود فرمایا کہ اس وقت مجھے نماز میں معراج حاصل تھا اور اس نعمت سے تجھے بھی حصہ مل گیا۔

سیر الاولیاء کے مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا سید حسینؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ حضرت

بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ کو خط لکھنا پاہتے تھے۔ آپ نے کاغذ اور قلم ہاتھ میں لیا اور سوچنے لگے کہ نام کے ساتھ القاب کیا لکھوں۔ دل میں خیال آیا کہ جو القاب لوح محفوظ پر لکھے ہیں وہی لکھوں پس آپ نے سراٹھا کر دیکھا تو لوح محفوظ پر یہ الفاظ لکھے تھے: شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریاؒ اس کے بعد آپ نے خط میں وہی الفاظ لکھے۔

حضرت شیخ بہ الدین غزنویؒ کو خواجہ گنجشکرؒ کی نصیحت: ایک دفعہ حضرت

جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے خلیفہ تھے کے لیے ایک سرکاری

سے اس سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھا باعث برکت ہے کیونکہ جب ان پر انوار نازل ہوتے ہیں تو پاس بیٹھنے والوں پر بھی چھینٹے پڑتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی مزارات پر بھی رات دن رحمت حق برسی ہے اور مزارات پر جانے والے اور پاس بیٹھنے والے ان انوار و برکات سے مستمتع ہوتے ہیں۔

نے ایک خانقاہ تیار کرائی جہاں درویشوں کے لیے ہر قسم کا سامان و آرام مہیا تھا لیکن بعد میں حکومت نے اس افسر سے حساب طلب کیا تو اس کو پریشانی لاحق ہوئی جس سے حضرت شیخ بدر الدینؒ بھی پریشان ہوئے اور حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھا کہ یہاں اب دعا کیجئے مشکل آسان ہو جائے۔

حضرت خواجہ گنجشکرؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ کا خط ملاحظہ حالات معلوم ہوئے۔ جو شخص اپنے مشائخ کی روش پر نہیں چلتا اُسے ضرور پریشانی ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ عظام میں سے کون ایسا بزرگ تھا جس نے خانقاہ تیار کرائی ہو اور اس میں سے جلوس فرمایا ہو۔ ہمارے مشائخ کی تو یہ عادت تھی کہ جس جگہ جاتے تھے گنہامی اور بے نشانی اور تلمیسی میں زندگی بسر کرتے تھے جو شخص مشائخ کی سنت پر نہیں چلتا اس کا حال یہی ہوتا ہے۔

درویشوں کی خدمت: ایک دن ایک کامل بزرگ حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت اقدس فوراً گھر تشریف لے گئے۔ لیکن گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی سوائے تھوڑے سے جوار کے دانوں کے۔ آپ نے ان دانوں کو چکی میں ڈال کر اپنے ہاتھ سے اٹا بنایا اور پھر اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر درویش کی خدمت میں پیش کی۔ درویش نے مسکرا کر کہا کہ بابا فرید آپ کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نے خود اٹا بنایا اور روٹی پکائی۔ اب آپ کیا طلب کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ میں درویشوں کا قیام ہوں اور میری آرزو وہی ہے جو درویشوں کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس درویش نے آپ کے لیے دعا کی جس سے آپ کو مزید نعمت ملی۔

آداب مریدی: فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ شلوخ العالم گنجشکرؒ نے فرمایا کہ میں نے ساری عمر میں ایک مرتبہ اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ کی خدمت میں جرات کی۔ وہ یہ چلتی کہ میں نے حضرت اقدس سے چلہ کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے شہرت ہوتی ہے اور ہمارے بزرگوں کا

یہ طریقہ نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میری نیت شہرت کی بالکل نہیں ہے۔ میں شہرت کے لیے چلے نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضرت قطب العالم خاموش ہو گئے اس کے بعد مجھے ندامت ہوئی کہ یہ جواب کیوں دیا اور میں ساری عمر کچھتا مارا اور بہت استغفار پڑھا۔

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے اپنی

حضرت سلطان المشائخ کی لغزش: ایک لغزش کا ذکر فرمایا۔ آپ فرماتے

ہیں کہ ہمارے حضرت کے پاس ایک عوارف المعارف کا نسخہ تھا۔ جس سے آپ رزاقہ فوائد بیان فرماتے تھے وہ نسخہ اس قدر کہنہ ہو گیا تھا کہ آپ کو پڑھتے وقت تکلیف ہوتی تھی۔ میں نے آپ کی تکلیف دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک نسخہ ہے جو بہت صحیح ہے۔ لیکن حضرت اقدس کو میری یہ بات ناگوار گزری۔ اور فرمایا کہ درویش کو اتنی قوت بھی نہیں کہ بوسیدہ نسخہ کی صحت کر سکے۔ یہ کلمات آپ نے من بار دہرائے لیکن مجھے یہ خیال نہ آیا کہ ناراضگی سے فرما رہے ہیں۔ آخر مولانا بادل الدین اسحاق نے کہا کہ حضرت شیخ تمہیں کہہ رہے ہیں۔ میں فوراً اٹھا اور سرترنگا کر کے آپ کے قدموں میں جا پڑا۔ اور عرض کی کہ نعوذ باللہ میرا مقصود یہ نہ تھا۔ میں نے ایک نسخہ دیکھا تھا فقط اس کا ذکر مقصود تھا اور میرے دل میں کسی قسم کی کوئی بات نہ تھی لیکن حضرت شیخ کی ناراضگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب میں وہاں سے اٹھا تو مجھ پر ایسا غم طاری تھا کہ بیان نہ پا رہے۔ حیران تھا نہ کیا کروں۔ باہر آیا اور ایک کمپوز پر پہنچا کہ اس میں کوہِ کربلا کے مردوں۔ لیکن پھر سوچا کہ بدنامی ہوگی۔ غرضیکہ حیرت اور پشیمانی میں پھرتا رہا۔ آخر حضرت اقدس کے فرزند شیخ شہاب الدین جو میرے دوست تھے، کو اس بات کا علم ہوا انہوں نے جا کر حضرت اقدس کے سامنے میرا حال بیان کیا۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے مجھے اپنے پاس بلایا اور شفقت فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تیرے تکمیل حال کے لیے یہ امر کیا تھا کیونکہ پیر مرید کا مشاطہ (سوار نے والا) ہوتا ہے پھر آپ نے مجھے خلعت عنایت فرمائی اور لباس خاص سے مجھے مشرف فرمایا۔

الحمد لله رب العالمين

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں
ایک مرید یوسف کی شکایت : فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے

ایک مرید یوسف نامی نے حضرت اقدس کی خدمت میں شکایت کی کہ مجھے آپ کی خدمت
 میں اتنے برس گزر گئے ہیں۔ ہر ایک شخص آیا بخشش پائی اور چلا گیا۔ سب سے پہلے میں
 مستحق تھا کہ بخشش پاتا۔ اہلی طرح باتیں کرتا رہا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میری طرف سے
 تو کوئی تقصیر ہے نہیں۔ تیری طرف سے استعداد اور قابلیت ہونی چاہیے۔ میں تو اپنی
 طرف سے بہتیرا چاہتا ہوں اگر خدا تعلقے نہ دے تو کیا کیا جائے۔ حضرت شیخ یہ بات کہہ
 رہے تھے کہ ایک چھوٹا بچہ سامنے آیا۔ وہاں ایک اینٹوں کا چکڑ پڑا تھا۔ حضرت اقدس نے
 بچے سے کہا کہ ایک اینٹ لا۔ وہ لڑکا گیا اور ایک سالم اینٹ لاکر آپ کے سامنے رکھ دی
 پھر فرمایا کہ فلاں کے لیے ایک اینٹ لا۔ وہ ایک اینٹ لے آیا۔ حضرت اقدس نے جس
 کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اسے دے دی۔ پھر فرمایا کہ میرے یوسف کے لیے ایک
 اینٹ لا۔ وہ لڑکا گیا اور ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ لے آیا اور یوسف کے آگے رکھ
 دی۔ حضرت اقدس نے فرمایا اب دیکھو میں نے تو اسے نہیں کہا تھا کہ ٹوٹی ہوئی اینٹ
 لا۔ اب میں کیا کروں۔ جو تمہاری قسمت میں ہے۔ اتنا ہی ہوگا۔

حضرت
 المشائخ
 سلطان
حضرت گنجشکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کی ظرافت :

فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل تحصیل
 علم کے لیے مدرسہ میں گئے تو استاد نے پوچھا کہ کیا آپ نجیب الدین متوکل ہیں۔ آپ نے
 جواب دیا کہ متوکل تو نہیں بلکہ متاکل یعنی کھانے والا ہوں۔ پھر استاد نے پوچھا کہ کیا آپ
 شیخ فرید الدین گنجشکرؒ کے بھائی ہیں۔ فرمایا: بظاہر تو بھائی ہوں۔ باطنی طور پر مجھے معلوم نہیں
 (یعنی مراتب کا مجھے علم نہیں)

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں
حضرت اقدس کا حوصلہ اور انکسار : فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ المشائخ العالم

گنجشکر قدس سرہ کی خدمت میں ایک بے باک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اپنے آپ کو بت بنا رکھا ہے۔ شیخ نے فرمایا میں نے نہیں بنایا خدا نے بنا رکھا ہے۔ پھر اس نے کہا تو نے خود بنایا ہے۔ شیخ نے فرمایا نہیں جو کچھ بنایا ہے خدا نے ہی بنایا ہے۔ اس نے جب یہ بات سنی تو شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں

حضرت سلطان المشائخ پر نظر عنایت: ایک دفعہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ

میں نے حق تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ جو تو خدا سے چاہے گا وہی پائے گا۔ پھر آپ نے اپنا عطا مجھے عطا فرمایا۔ کسی نے عرض کیا کہ کیا شیخ کے انتقال کے وقت آپ موجود تھے۔ یہ سن کر آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا نہیں مجھے ماہ شوال میں دہلی بھیج دیا تھا۔ ان کا انتقال شب پنجم محرم کو ہوا۔ رحلت کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ فلاں دہلی میں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں بھی خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی رحلت کے وقت موجود نہ تھا ہانسی میں تھا۔ حضرت خواجہ یہ حکایت فرماتے جلتے تھے اور روتے جلتے تھے۔ چنانچہ سب حاضرین پر اس کا اثر ہوا۔

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ

ماہ رمضان میں خرلوزہ کھانے کی خواہش: نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ کی

بیماری بڑھ گئی اور ماہ رمضان آیا تو آپ روزہ نہیں رکھتے تھے ایک دن خرلوزہ لایا گیا اور تراشا گیا۔ میں شیخ کے سامنے رکھتا تھا اور آپ تناول فرماتے تھے۔ اس اثنا میں شیخ نے ایک پھانک مجھے عنایت فرمائی۔ میں نے جی میں کہا کہ اس روزہ کے کفارہ میں دو ماہ متصل روزے رکھ لوں گا اور یہ پھانک کھائے لیتا ہوں یہ دولت جو حضرت شیخ کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے کہاں نصیب ہوگی۔ قریب تھا کہ میں اسے کھاؤں کہ حضرت نے منع کر دیا اور فرمایا کہ مجھے تو بیماری کے سبب شریعت سے رخصت ہے تمہیں اجازت نہیں ہے۔ تم نہ کھاؤ۔ پھر لوگوں نے حضرت کی عمر لو پھی تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ترانوے سال تھی۔ اس دن اس بیان سے ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ جب رات ہوئی تو عشاء

کی نماز کے بعد حضرت نے اپنا خاص مصلی بندہ کو عنایت فرمایا:

الحمد لله رب العالمين

تنگی معیشت کا وظیفہ: فوائد الفوائد میں حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ تنگی معیشت کے لیے ہر رات سورۃ جمعہ پڑھنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ ہر جمعہ کی رات کو پڑھنے کے لیے فرماتے تھے اور میں ہر رات پڑھنے کے لیے کہتا ہوں۔ مگر اپنے لیے کبھی نہیں پڑھتا۔ کیونکہ جس کی ضرورت ہوتی ہے، وہ موجود ہوتی ہے۔

حضرت شیخ کے بال کی برکت: حضرت سلطان المشائخ فوائد الفوائد میں فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک بال آپ کی ڈارٹھی مبارک سے گر کر گود میں آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اگر بخشش کریں تو میں اسے بجائے تعویذ اپنے پاس رکھ لوں۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ میں نے اسے باعزاز تمام لیا اور کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے آیا۔ حضرت سلطان المشائخ یہ واقعہ بیان کر کے ابدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے اس کے بڑے بڑے اثر دیکھے ہیں جو بیمار میرے پاس تعویذ کے لیے آتا میں اس کو وہی دیتا جب وہ اچھا ہو جاتا تو مجھے واپس کر دیتا۔

سیم زر کی طلب اور پھر ترک: حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفوائد میں فرمایا ہے کہ سیم زر کے جمع کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس سے اوروں کو نفع پہنچے۔ میرا دل اول ہی سے کسی چیز کے جمع کرنے پر نہ تھا اور نہ کبھی دنیا کی طلب میں رہا۔ لیکن جب میں شیخ الاسلام سے جا ملا تو ایسے سے پیوند ہوا کہ ان کی نظر میں دونوں جہاں بھی نظر نہیں آتے تھے یکبارگی سب کو ترک کیے ہوئے تھے۔

شیخ الاسلام کا توکل: شیخ المشائخ نے فوائد الفوائد میں فرمایا ہے کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کا کام ہی کچھ اور طرح کا تھا۔ انہوں نے ترکِ خلق کیا اور دشت و بیابان اختیار کیا اور جو دھن میں نان درویشانہ پر

قناعت کی اور جو چیزیں جنگل کی پیداوار تھیں۔ مثلاً پیلو اور کریر کے ڈیلے ان پر قانع رہے
 خلاق کی آمد و رفت کی کوئی حد نہ تھی ادھی رات تک یا کچھ کم و بیش بیٹھتے اور دوازہ
 گھلا رکھتے۔ اور روپیہ پیسہ، کھانا، نعمتیں جو باری تعالیٰ کے کرم سے آتیں سب آنے
 جانے والوں کو دیتے۔ کوئی ایسا نہیں آیا کہ جسے کچھ نہ ملا ہو۔ عجب قوت اور عجب زندگانی
 تھی کہ کسی بنی آدم کو یہ بات میسر نہیں۔ ایک نیا آنے والا ہو دوسرا برسوں کا۔ دونوں
 آپ کے نزدیک برابر تھے۔ مہربانی اور توجہ میں برابر ہوتے۔ میں نے مولانا بدرالدین اسحاق
 سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں خادمِ محرم راز تھا۔ جو کچھ ہوتا آپ مجھ سے فرما دیتے اور جس کام
 کے لیے مجھ سے فرماتے وہ خلا ملا میں یکساں ہوتا۔ کوئی بات تنہائی میں ایسی نہیں کہی
 کہ جو بلا بعینہ آپ نے فرمائی ہو یعنی ظاہر اور باطن آپ کا ایک روش پر تھا اور
 یہی بات عجائب روزگار ہے۔

پھر شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف
درس عوارف المعارف : کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا

کہ میں نے اس کتاب کے پانچ باب شیخ کبیر فرید الدین گنجشکر سے پڑھے ہیں۔ آپ کا
 بیان کیا تھا۔ وہ بیان پھر کسی سے نہیں سنا گیا۔ بارہا لوگوں کو ایسا ذوق پیدا ہوا ہے
 کہ ہم لوگ اس وقت مرجا میں تو اچھا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا جب یہ کتاب شیخ کی
 خدمت میں لائی گئی تو آپ کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام آپ نے شہاب الدین رکھا۔
 (مصنف کتاب کے نام پر)

سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام
قبر سے بیعت : فرید الدین کے صاحبزادے نے شیخ الاسلام قطب الدین کے
 مزار پر سمرندہ آیا (یعنی بیعت کی نیت) لیکن شیخ الاسلام گنجشکر نے فرمایا کہ حضرت قطب الاقطاب
 ہمارے خواجہ اور مخدوم ہیں مگر یہ بیعت درست نہیں ہے بیعت وہی ہے کہ شیخ کا ہاتھ پکڑیں۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک
خواب میں وظیفہ تلقین فرمایا : دفعہ خواب میں شیخ الاسلام گنجشکر نے مجھے ایک

بارہ روز یہ دعا پڑھنے کا حکم فرمایا۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدير۔ جب میں بیدار ہوا تو اس دعا کی ملازمت کی دل میں خیال آیا کہ اس کا ضرور کوئی مقصد ہو گا۔ بعد میں کتاب میں پڑھا کہ جو کوئی یہ دعا ایک سو بار روزانہ پڑھے گا تو وہ بے اسباب خوش رہے گا۔ اور خوش جتے گا۔ اس دعا کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شخص روزانہ دس بار پڑھے اسے ایک ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے مجھے خواب میں سورۃ نبا پڑھنے کا حکم دیا۔ جب بیدار ہوا تو حکم کی تعمیل کی۔ میں نے خیال کیا کہ اس کی کوئی بشارت ہوگی۔ چنانچہ تفسیر میں دیکھا کہ جو شخص عصر کے بعد پانچ دفعہ سورۃ نبا پڑھے گا تو وہ اسیر حق ہو گا اور اس کا نام اسیر اللہ رکھا جائے گا۔ یعنی جو کوئی کسی کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں کا اسیر ہے پھر آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ ہمیشہ اسی پر رہو۔

سلطان المشائخ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
مسجد میں سماع اور رقص: ابو دھن کا قاضی جو شیخ الاسلام گنجشکر سے خصوصیت رکھتا

تھا ملتان گیا اور وہاں کے ائمہ اور صدور سے کہا کہ بھلا یہ کب جائز ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھے اور وہاں سماع ہو اور کبھی کبھی رقص بھی ہو۔ انہوں نے کہا کون ہے کہا شیخ فرید الدین انہوں نے کہا ہم تو ان کی بابت کچھ نہیں کر سکتے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے سماع سنا ہے اور اب تک بحق خرقہ شیخ سب کو شیخ کے اوصاف اور اخلاق پر عمل کرتا ہوں چنانچہ ایک دفعہ شیخ کی حیات کے دوران ایک شخص شیخ کی جماعت میں یہ شعر کہہ رہا تھا۔

مخرام بدین صفت مبادا کز چشم بدت رسد گزندے

مجھے شیخ کے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ اور ان کی کمال فضل و بزرگی یاد آئی اور ایسی رقت طاری ہوئی کہ جس کی کوئی حد نہیں تو ال نے چاہا کہ اور شعر پڑھے میں نے یہی بیت کہلوا یا۔ یہ کہہ کر حضرت سلطان المشائخ رونے لگے۔

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ شیخ الاسلام فرید الدین

زکوٰۃ شریعت طریقت و حقیقت :

گنجشکر فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ تین طرح پر ہے زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ دو سو روپے میں سے پانچ روپے دے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو روپے میں سے پانچ روپے رکھے باقی دیدے۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ دے ڈالنے

سلطان المشائخ

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کا ایک مرتبہ سماع سننا: رحمت اللہ

فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکر نے فرمایا کہ میں بارہ سال کا تھا اور ایک نعت کی کتاب پڑھتا تھا۔ ان دنوں میں ایک شخص ابو بکر قوال نامی ایک شخص میرے استاد کی خدمت میں آیا اور وہ غالباً ملتان کی طرف آیا تھا اس نے اپنے سفر کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خدمت میں سماع کیا ہے اور میں یہ قول ان کے سامنے کہتا تھا۔

عجبک عینی یدمع مشتاق

کل صبح و کل اشراقی

فلا طبیب لہما ولا راق

قد لسعت حیۃ الہوی کبیدی

فخندہ رقیبتی و تریاق

الاد الجیب الذی قد شغفت

کو رانکند ہیچ فسوں گراثرے

ازما و غمش گزندہ دارم جگرے

افسون علاج من چہ داند دگرے

خبر دوست کہ من شیفتہ غم ویم

دوست کے غم کے سانپ نے میرے جگر کو کاٹ لیا ہے جس کو کوئی منتر نہیں چلتا جس

دوست پر میں شیفتہ ہوں اس کے سوا میرا علاج کون جانتا ہے

سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ

ذوق سماع : کو بڑا ذوق سماع تھا۔ ایک دن انہیں سماع کا شوق ہوا۔ قوال

کوئی موجود نہ تھا۔ آپ نے مولانا بدر الدین اسحاق سے فرمایا کہ وہ جو قاضی حمید الدین محمد

عطانا گوری نے خط لکھا ہے وہی ہے اؤ۔ وہ خطوط انہوں نے ایک تھیلے میں ڈال رکھے

تھے۔ جب تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو وہی خط ہاتھ میں آیا۔ وہ پھر شیخ کے سامنے لائے۔ آپ نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور پڑھو۔ انہوں نے ارشاد کے مطابق پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں است و از سر و دیدہ خاکِ قدم ایشاں۔ شیخ نے فقط اتنا ہی سنا تھا کہ آپ پر حال طاری ہو گیا اس کے بعد یہ رباعی اس خط سے پڑھی گئی ہے۔

اے عقل کجا کہ در کمال تو رسد واں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو راہ برگزینی ز جمال اے دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

حضرت سلطان المشائخ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ رشیح الاسلام گنجشکرؒ حجرہ میں تھے۔ اور دروازہ بند کر رکھا تھا۔ میں نے جو کوارٹ کے درزوں میں سے دیکھا تو آپ ہر بار کھڑتے ہوتے تھے اور پھر سجدہ میں گر جاتے تھے اور یہ مصرع پڑھتے تھے۔

از بہر تو میسرم وز برائے تو زیم

پھر ان کے وصال کی کیفیت بیان فرمائی کہ ۵ محرم کو آپ کو تکلیف زیادہ ہوئی۔ عشا کی نماز جماعت سے پڑھی پھر بے ہوش ہو گئے۔ حقوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے تو پوچھا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے۔ لوگوں نے کہا جی ہاں پڑھ لی ہے۔ فرمایا ایک دفعہ اور پڑھ لوں خدا جانے کیا ہو۔ جب دوسری دفعہ پڑھ چکے پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر پوچھا کہ عشا کی نماز پڑھ چکا لوگوں نے کہا جی ہاں آپ دو دفعہ پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا: ایک بار اور پڑھ لوں خدا جانے کیا ہو۔ تیسری دفعہ آپ نے نماز پڑھی اور جاں بحق ہو گئے۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام گنجشکرؒ

پاؤں چومنے کی برکت: قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر

گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک مرید آیا۔ اس نے آتے ہی شیخ کے زانو کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے بوسہ دے۔ اس نے پاؤں کو بوسہ دیا۔ شیخ نے

فرمایا اور نیچے اس نے گھوڑے کے سُم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے۔ اس نے زمین کو چوما۔ پھر شیخ نے فرمایا کہ میں جو تجھے بوسہ دینے کو کہتا رہا میرا مقصود یہ نہ تھا بلکہ تیری بلندی مراتب مقصود تھی۔ سو تو جس قدر نیچے بوسے دیتا گیا تیرا مرتبہ بڑھتا گیا۔

سُلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں شیخ کو لبیک کہنا:

حضرت شیخ الاسلامؒ نے مولانا بدر الدین اسحاق کو آواز دی۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے نماز ہی میں جواب دیا۔ لبیک۔ پھر آپ نے یہ حکایت فرمائی کہ ایک دفعہ رسول اکرمؐ کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو آواز دی۔ اس نے اُنے میں دیر کی۔ جب وہ آیا تو آپ نے دیر کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے قرآن کی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ دیکھو جب رسول خدا تم کو بلائیں تو فوراً چلے آیا کرو۔ پھر خواجہ نے فرمایا کہ شیخ کافرمان رسول کافرمان ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

از دل و دین چہ آورم
اسے کہ تباہین و لبری ہر دو جہاں فدا کرتے تو

روز سے کہ ذرہ ذرہ شود استخوان
باشد ہنوز در دل ریشم ہوائے تو

کرامات

یاد رہے کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ سے کرامات کا ظہور زیادہ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کرامات کا ظہور نچلے درجے کی چیز ہے۔ یعنی عالم مثال عالم ملکوت اور عالم صفات کی۔ لیکن جو خواصان بحر حقیقت ان مقامات سے گزر کر بہت ہی اوپر مقام ذات اور لائعین میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ نیچے والے مقامات پر آکر تصرفات دکھانے سے پرہیز کرتے ہیں، نیز جب وہ ہدایت خلق کے لیے مقام دوئی اور کثرت میں آتے ہیں تو بھی عبدیت میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں کہ کشف و کرامات میں بہت کم مشغول ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں محض عبد اور بندہ ناچیز بن کر ہر چیز کے لیے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اختیارات کو استعمال کرنے سے حتیٰ الوسع اجتناب کرتے ہیں اور راضی بہ رضا رہنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں نیز عجز و انکسار اور تسلیم و رضا خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے اور اس مقام کے حصول کے لیے اکابر اولیاء کرام ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ وہ اپنی خواہش اور ارادے کو حق تعالیٰ کی خواہش اور ارادہ میں گم کر دیتے ہیں اور بندہ عاجز اور ناچیز بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ سید الکونینؑ کا مقولہ کہ اَلْفَقْرُ فَخْرٌ حَرِيٌّ کا مطلب اسی فقر و درویشی، نیستی و ناداری، عجز و انکسار کو باعث افتخار سمجھنا اور اس سے خوش ہونا ہے اور انسان کی روحانی ترقی میں یہی مقام سب سے اونچا اور سب سے آخری مقام ہے۔ اسی مقام عبدیت میں رہ کر اکابرین ہجر و فراق کے مزے لیتے ہیں۔ اور

من لذت درد تو بہ درماں نضر و شرم

کے مطابق لذت درد میں مست رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو وصال

پسند نہیں ہوتا۔ وصال میں بھی ان کو لطف آتا ہے اور ہجر و فراق میں بھی۔ اس طرح سے وہ صفات جمال و جلال دونوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور قرب و بعد کی گھڑیاں بدلتی رہتی ہیں۔ سعدی شیرازی فرماتے ہیں :-

گئے بر طارم اعلیٰ نشینم

گئے بر پشت پائے خوردنہ بنم

نیز عارفین کا قول ہے کہ مُشَاهِدَةُ الْأَبْرَارِ بَيْنَ تَجَلِّيٍّ وَالْإِسْتِتَارِ۔
خاصانِ خدا کے مشاہدات تجلی (ظہور) اور استتار (انخفا) کے مابین ہیں۔ یعنی کبھی ظہور ہوتا ہے کبھی انخفا۔

بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ان عالی مقام عارفین و واصلین کا جذبہ عشق و محبت اور سوز و گداز اس قدر تیز ہوتا ہے کہ قرب و وصال میں ہوتے ہوئے بھی وہ قرب و وصال کے بلند سے بلند تر اور بلند تر سے بلند ترین مراتب پر پہنچنے کی کوشش میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں بھرت مجد و الفت ثانی نے اپنے ایک خط میں شیخ علیہ رحمۃ سے کہا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ قرب بھی بعد بن گیا ہے۔ قرب اس وقت بعد بنتا ہے۔ جب سالک عشق و محبت کے بے پناہ جذبات میں محبوب حقیقی سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتا اور چونکہ بقول سعدی

نہ جنش غایتے وارد نہ سعدی را سخن پایاں

نہ محبوب کے حسن و جمال کی کوئی حد ہے نہ سالک اور عاشق صادق کی طلب اور

آتش عشق کی کوئی حد ہوتی ہے اس لیے چلا اٹھتا ہے کہ :-

ہم عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنج خار ما

چہ قیامتے کہ نمے رسی ز کسار ما بخار ما

اوز اسعی حالت کو عارفانِ بلند مقام پسند کرتے ہیں اور رات دن

اسی آتش سوزاں میں تڑپتے رہتے ہیں۔ اسی مقام کا نام عبودیت، عبودیت

بعت باللہ، جمع الجمع، فسرق بعد الجمع ہے اور یہی غایت

اسلام اور روح ایمان ہے۔

اسی مقامِ عبدیت میں عشاق کا امتحان ہوتا ہے۔ ان کی عشق و مستی اور فدایت و جان نثاری

مقامِ عبودیت کی خصوصیات :

کو پرکھا جاتا ہے، اسی مقام پر کبھی ان پر وصل کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں تو وہ کبھی ہجر و فراق کے تیروں سے ان کے دل و جگر پارہ پارہ کیا جاتا ہے اور اسی مقام پر محبوبِ حقیقی کے پروانوں کو آتشِ عشق میں جلایا جاتا ہے اور کبھی حسن و جمال کے کرشموں سے زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی مقام پر عشاق پر کبھی نوازشات کی بارش ہوتی تو کبھی ناز و انداز کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں کبھی تیر مژگان اور تیغِ ابرو سے ان کی تواضع کی جاتی ہے، تو کبھی چشمِ نرگس و سن شیرین اور لبِ شیرین کی تلاوت سے انہیں شاداب کیا جاتا ہے۔ کبھی جاہ و جلال کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں تو کبھی شربتِ وصل سے سیراب کیا جاتا ہے۔ کبھی ہجر و فراق کی آگ میں جلایا جاتا ہے تو کبھی حسن و جمال کے کرشموں سے سیراب کیا جاتا ہے۔ کبھی زلفِ ستیہ کے پھندوں میں گرفتار کیا جاتا ہے تو کبھی رُخِ انور کی ضیا باری سے منور کیا جاتا ہے۔ کبھی قرب سے نوازا جاتا ہے تو کبھی بعد سے۔۔۔ کبھی قرب کی بے خودی، محویت اور استغراق میں مست و متوالا بنایا جاتا ہے تو کبھی وحشت، خوف اور رعب و جلال کی آگ میں جلا کر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ کبھی بلبل کی طرح روئے گل پر نثار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو کبھی شمعِ حسن پر پروانہ وار جلایا جاتا ہے۔ غرضیکہ محبوبِ حقیقی کے ناز و انداز، عشوے و غمزے، بدلتے رہتے ہیں اور یہ کھیل جاری رہتا ہے اور عاشق صادق ہر حال میں خوش و خرم اور رضی بہ رضا رہتا ہے اور اس کے منہ سے ہمیشہ یہی نکلتا ہے۔

زندہ کنی عطائے درکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو ہر کپنی رضائے تو

ان کے سوز و گداز، ان کے درد و داغ، ان کے غم و اندوہ، نالہ و فریاد، ہجر و فراق، وصل و انبساط، ان کے ذوق و شوق، ان کے شعر و سخن، ان کے قص و وجد، ان کے علم و دانش، ان کے فضل و کمال، ان کے ریاضیات، مجاہدات، ان کی کاوشوں، ان کی قربانیوں اور جان نثاریوں کا مزج، ان کا ملجا، ان کا ماوا، ان کی جان، ان کی روح، ان کی شان

ان کی آن، ان کی بان، ان کے دین، ان کے ایمان، ان کے دھرم، ان کے بھرم، ان کے زہد، ان کے تقوئے، ان کے حج، ان کے صوم، ان کی صلوة اور زندگی اور موت کا مقصد و مدعا، غرض و غایت، رضائے جانناں کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور اس کی خاطر وہ ہر مصیبت اور ہر آفت برداشت کرنے کو تیار رہتے ہیں اور کوہِ غم کو دعوت دے کر پاس بلا تے ہیں اور کہتے ہیں ۔

نشور نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغیت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہی وجہ ہے کہ ہمارے آقا، ہمارے مولا، ہمارے پیر، ہمارے مرشد ہمارے دوست ہمارے دلبر، ہمارے محبوب حضرت بابا صاحب ہر وقت سجدے کر کے اور کھڑے ہو کر اور دوزانو ہو کر یہی رباعی پڑھتے رہتے تھے ۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم خاک کے شوم وزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی بہر تو میرم دز برائے تو زیم
تو ایسے حضرات کس طرح کشف و کرامات کو پسند کر سکتے ہیں۔ وہ تو محبوب کے مشاہدات اور تجلیات میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ دوست و دشمن ان کے لیے برابر ہوتے ہیں۔ یونا اور مٹی میں فرق نہیں کرتے۔ نعمت اور مصیبت میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ دوست سے سمجھتے ہیں اور ان کو یقین ہوتا ہے کہ ۔

ہر چہ از دوست نی کوست

بہر حال جس طرح سردر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چند معجزات صادر ہوئے۔ ہمارے

آقا و مولا بابا فرید سے بھی بہت محوڑی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جن کا ذکر سطور ذیل میں کیا جاتا ہے

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ

ایک ظالم حاکم کی اصلاح: ایک منشی نے حضرت اقدس کی خدمت میں

عرض کیا کہ فلاں علاقے کا گورنر بہت ظالم ہے۔ اور مجھے تنگ کرتا ہے، میری سفارش

کی جائے۔ حضرت اقدس نے اپنے ایک خادم کو گورنر کے پاس بھیجا۔ لیکن اس نے کوئی

توجہ نہ دی۔ وہ منشی پھر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور اب پہلے سے زیادہ تنگ کرنے لگا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے پاس آدمی بھیجا، لیکن وہ نہیں مانتا۔ میرا خیال ہے تو نے بھی کسی کو تنگ کیا ہے۔ اس نے کہا حضور میں نے ایک ماتحت کو ضرور تنگ کیا تھا۔ اب توبہ کرتا ہوں۔ بھٹوڑے دنوں کے بعد اس گورنر نے ایک گھوڑا اور خلعت ارسال کی اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بد اعمالیوں سے توبہ کی۔

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
ایک نوجوان کا تائب ہونا : شہر دہلی کا ایک نوجوان ابو دھن کی طرف روانہ

ہوا تا کہ حضرت گنجشکر کے ہاتھ پر توبہ کرے اور مرید ہو۔ راستے میں اسے ایک گلے والی خوبصورت عورت مل گئی اور اسی بیل گاڑی میں سوار ہو گئی جس میں نوجوان سفر کر رہا تھا۔ لیکن جوان نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب اس عورت نے مزید قریب ہونے کی کوشش کی تو جوان کے دل میں بھی کچھ خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے اپنا ہاتھ عورت کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ایک بزرگ نے ظاہر ہو کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ شیخ کی خدمت میں توبہ کے لیے جا رہا ہے اور یہ حرکت۔ اس کے بعد اس نے وہ گاڑی چھوڑ دی اور پیل چلنے لگا۔ جب حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ تجھے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت اقدس کی خدمت میں پانچ
درویشوں کی گستاخی اور سزا : درویش آئے۔ وہ بہت ہی بد مزاج اور زبونی

تھے۔ اور حضرت اقدس کی خدمت میں کہنے لگے کہ ہم نے زمانہ دیکھا ہے لیکن کوئی درویش نظر نہیں آیا۔ دعویٰ دار تو بہت ہیں۔ لیکن درویش کوئی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، درویش تو تھوڑی دیر یہاں بیٹھو میں آپ کو درویش دکھاؤں گا۔ آپ نے کھانا بھی پیش کیا۔ لیکن وہ چلے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم جا تو رہے ہو لیکن آبا در راستے سے جانا۔ جنگل کی طرف نہ جانا، لیکن انہوں نے برواہ نہ کی اور جنگل کے راستے چل دیئے۔ حضرت اقدس نے

ان کے پیچھے ایک آدمی بھی بھیجا کہ ان کو خطرناک راستے سے باز رکھے، لیکن وہ اسی راستے سے چلے گئے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد خبر آئی کہ ان پانچوں آدمیوں کو لو لگ گئی اور ایک ساتھ مر گئے۔

ایک درویش کی گستاخی اور سزا: **مراة الاسرار میں لکھا ہے کہ حضرت اقدس کی خدمت میں ایک درویش آیا۔ آپ نے اسے کھانا دیا۔ کھانا کھا کر جانے لگا تو حضرت اقدس کی کنگھی بستر پر پڑی دیکھ کر کہنے لگا یہ کنگھی مجھے دیے ہیں۔ آپ کو مجھ سے بہت برکت حاصل ہوئی۔ آپ نے تنگ آ کر فرمایا کہ میں نے تجھے اور تیری برکت کو پانی میں غرق کر دیا اس کے بعد وہ چلا گیا اور راستے میں ایک دریا تھا۔ وہ کپڑے اتار کر دریا میں منہانے کے لیے پانی میں گیا تو پھر واپس نہ آیا۔**

آپ پر سانپ کی زہر کا اثر نہ ہوا: **سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی انگلی پر سانپ نے ڈس لیا۔** لیکن آپ نے کوئی علاج نہ کیا اور سچی میں مشغول رہے۔ مشغولی کے غلبہ میں جب آپ کے جسم سے پسینہ رواں ہوا تو زہر کا اثر بھی جاتا رہا۔

حضرت سلطان المشائخ پر بھی سانپ کا اثر نہ ہوا: **سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ اجدہن جاتے وقت راستے میں حضرت سلطان المشائخ کو سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن حضرت کی توجہ سے اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔**

حضرت گنجشکر کی سب سے بڑی کرامت: **حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ کی سب سے بڑی کرامت آپ کی عظیم نسبت جاریہ ہے جس کی بدولت آپ کا سلسلہ رشد و ہدایت سات سو سال سے جاری ہے اور بفضلہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مشائخ متقدمین کے سلاسل رشد و ہدایت مرد زمانہ کی وجہ سے ختم ہو گئے ہیں۔ البتہ مزارات پر حاضری**

دینے والوں کو فیضان ضرور ملتا ہے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کا فیضان بھی جاری ہے اور نسبت رشد و ہدایت بھی اسی آن بان سے جاری ہے جس طرح پہلے لکھی۔ اور آپ کے خلفاء کے خلفاء اور خلفاء در خلفاء۔ آج بھی آپ کی مسند پر بیٹھ کر خلق خدا کی ہدایت میں مشغول ہیں۔ آپ کے سلسلہ طریقت کو نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی۔ بلکہ ایران، افغانستان، ترکی، عرب، مصر اور فلسطین میں بھی آپ کے خلفاء پہنچ گئے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کو اطراف عالم میں پھیلا دیا اور یہ عظیم الشان کامیابی حضرت اقدس کے دو نامور خلفاء یعنی مخدوم علی احمد صابر اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا، محبوب الہی قدس اسرار ہم کے ذریعہ ہوئی۔ حضرت مخدوم صابر قدس سرہ کے بلند مقام کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ کا ایک خادم حضرت مخدوم صابر سے مل کر اجودھن واپس آیا تو آپ نے اس سے حضرت مخدوم صاحب کا حال پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ حضرت مخدوم نے میرے متعلق بھی کچھ کہا تھا۔ خادم نے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب نے پوچھا تھا کہ میرے شیخ کا کیا حال ہے۔ جو نہی خادم نے یہ بات کہی حضرت شیخ نے نعرہ لگایا اور فرمایا۔ آج میرا صابر جس مقام پر ہے اس کی زبان سے یہی الفاظ بھی نکل جائیں، تو بڑی بات ہے۔ حضرت مخدوم صابر کے کمال کی دوسری علامت یہ ہے کہ جب خلافت دے کر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے آپ کو رخصت فرمایا تو زبان مبارک سے یہ الفاظ فرمائے:

”اے صابر برو بہو گہا خواہی کرو یعنی ترا عیش خواہد گزشت الغرض
تا آخر عمر شیخ علی صابرؒ را عیشے خوش گزشت و او مرد خوش باش و کشادہ

ابرو بود علیہ رحمۃ اللہ

(یعنی اے صابر جو تم مزے کرو گے یعنی عیش سے رہو گے، چنانچہ آخر عمر تک
شیخ علی صابرؒ عیش میں رہے۔ آپ خوش باش اور کشادہ پیشانی تھے۔)

کتاب آفتاب الانوار کے مصنف لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا عبارت سیر الاولیاء

کی ہے جو خاندانِ چشت کی معتبر کتاب اور دستور العمل ہے۔ اس مختصر لیکن جامع کلمہ یعنی "بجو گہا خواہی کرد" میں حضرت گنجشکرؒ نے ایسے حقائق و رموز بھر دیئے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ "بجو گہا" سے مراد راحتِ دنیا و آخرت ہے تو بھی درست ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد راحتِ تجلیاتِ جمالِ دہلال ہیں جن کے گونا گوں مظاہر سالک پر وارد ہوتے ہیں تو بھی درست ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد راحتِ قرب و بعد حق ہے جو علین مشاہدہ حضور کے وقت غارت پر وارد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے کبھی وہ لذتِ عتاب میں غرق ہوتا ہے اور کبھی شوقِ خطاب میں بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔ یہ اس سے بھی زیادہ صحیح ہے کسی بزرگ نے خوب کہا۔

گہ زد گہ کرشمہ دگر لطف دگر عتاب مسکین دلم چرا نشود خراب
لیکن اس جماعتِ صوفیاء کے نزدیک بہترین راحت تخیر ہے جو عارف کامل کو فنا
توحید کے وقت پیش آتا ہے۔ یعنی ذاتِ مطلق میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ۔
جس قدر تلاش کرتا ہے نہیں پاتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ
رَبِّ زِدْنِي تَحْيِرًا (اے میرے مولا میرے تخیر میں اضافہ کر) کسی نے خوب کہا ہے
منم تا سر دیا جلد تخیر
تخیر ہسم تخیر در تخیر

حضرت مخدوم صابر کے مقام کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ رخصت
کے وقت آپ کو تو فرمایا کہ "برو بجو گہا خواہی کرد" لیکن جب سلطان المشائخ کو رخصت
فرمایا تو حکم دیا کہ دہلی پہنچ کر مجاہدہ میں مشغول ہو جانا اور قرض نہ لینا۔ تجھے حق تعالیٰ قرض
کا محتاج نہیں کرے گا۔ لیکن مخدوم صابرؒ کو ایک بات سے زیادہ نہ فرمائی۔ کیونکہ صوفیان
بالسفا کے ہاں یہ امر سہل ہے کہ جب مرید مرتبہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور ایمان مشاہدہ حقیقی
کہ قرب حق ہے حاصل ہو جاتا ہے اسے پھر کوئی وصیت نہیں کی جاتی، اس وجہ سے کہ

اس پر فنائے احدیت جلوہ گر ہو چکی ہوتی ہے۔

صاحب اقتباس الانوار اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

”میرے خیال میں“ بھوگنا خواہی کر دے جیسے خیر الکلام میں حصول نسبت محبوبیت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ بھوگنا سے مراد عیش و عشرت ہے جو مقام محبوبیت کے لوازمات میں سے ہے۔

چنانچہ اگر اس لفظ سے جو جمع کا صیغہ ہے دوام شہود کی طرف اشارہ ہے جو حقیقت محمدیہ و حقیقت ذات بحت ہے تو بھی درست ہے اور اگر حصول کمالات نبوت و فنائے حقیقت محمدی کی طرف ہو تو بھی درست ہے۔ ختم نوا اقتباس الانوار کا بیان۔

سلطان المشائخ محبوب الہی حضرت

خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ،

حضرت سلطان المشائخ کے کمالات:

کے کمالات کا حال بھی اقتباس الانوار کے معنی سے سن لیجئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ گنجشکر کے کمالات میں سے اس سے زیادہ کیا کمال ہو سکتا ہے کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ جیسے آپ کے مریدوں جنہوں نے چار دانگ ہندوستان کو اپنے نور ولایت سے منور فرمایا اور ایک جہان کو آپ نے ہدایت کا شرف عطا فرمایا حق تعالیٰ نے آپ کو سلطان المشائخ کے خطاب سے مشرف فرمایا اور تاج کرامت آپ کے سر پر رکھا۔ صاحب اقتباس الانوار آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

”سلطان المشائخ از جمیع مقامات غوثی قطبی و فردانیت گزشتہ بر مرتبہ

مجبوبی رسیدہ بود و اقوال و افعال و جمیع مشائخ را حجت قاطع است۔

حضرت سلطان المشائخ غوثی قطبی اور فردانیت کے تمام مقامات سے گزر کر مقام

محبوبیت پر پہنچ چکے تھے اور آپ کے اقوال و افعال تمام مشائخ کے لیے قطعی حجت ہیں،

یہ ہیں حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ کے دونوں محبوب خلفاء کے مختصر

فضائل۔ اگر مکمل فضائل بسبب ان کیے جائیں تو کئی ضخیم کتب میں وجود میں

آجائیں گی۔

حضرت سلطان المشائخ کے مقام محبوبیت کا واقعہ یوں
حصول محبوبیت کا واقعہ: بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت شیخ الاسلام

گنجشکرؒ نے حضرت سلطان المشائخ کے حجرہٴ شہادت میں جھانک کر رکھا تو آپ کو ایک
 ایسی حالت میں پایا کہ بس سے شانِ محبوبیت جلوہ گری اور یہ دیکھ کر آپ کو ہوش آ گیا۔
 اور فرمانے لگے کہ مذاقے کا شکر ہے کہ آج میرے مرید کو مقامِ محبوبیت عطا ہو گیا ہے
 اس حالت و بد میں آپ رقص کرنے لگے اور حاق میں زلزلہ ڈال کر کچھ کوڑیاں اٹھائیں
 اور حاضرین کی طرف پینکیں بھینسا کہ مشائخ کا رقص و وہد میں دستور ہے۔ پناچہ غرس کے
 دوران جو کوڑیوں کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کی اس ہی واقعہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہ کے کمالات میں سے ایک جنتی
جنتی دروازہ: دروازہ کے جو آپ کے ننیش عام اور لطف دوام کی علامت ہے۔

جنتی دروازے کی حقیقت یہ ہے حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہ کے وصال کے بعد جب
 حضرت سلطان المشائخ ابرو دمن پہنچے تو فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمانیت
 نے مجھ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا نام یہ ہے کہ جو شخص اس دروازہ سے گزرے گا جنتی ہے۔
 حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ دَخَلَ هَذِهِ الْبَابَ آمِنًا

یہ حدیث ہے نیز حدیث قدسی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرادیں تو اسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے اور چونکہ اس حدیث
 کے اسناد متصل ہیں اور تمام راوی ثقہ ہیں اس لیے اصول حدیث کی رو سے یہ حدیث صحیح
 اور معتبر ہے لیکن اس کے باوجود اس کے متعلق بعض حلقوں میں چہ میگوئیاں سننے میں آتی
 ہیں قبل اس کے کہ اس حدیث کی نسبت کے متعلق بحث کی جائے یہ تاویلی ضروری معلوم
 ہوتا ہے کہ اولیاء کرام نے اس حدیث کے دو مفہوم لیے ہیں۔ بدیہاً کہ قرآن مجید کے متعلق
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن اور اس باطن کا
 ایک اور باطن ہے۔ سات بواطن تک۔ اسی طرح احادیث نبویؐ میں بھی قرآن عظیم

کی طرح جامعیت ہوتی ہے اور محدثین و ائمہ المجتہدین نے ہر حدیث کے کئی مفہوم نکالے ہیں۔ بعینہ اسی طرح اس حدیث کے بھی دو مفہوم ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس دروازے سے گزرے گا بہشتی ہے اور باطنی مطلب یہ ہے کہ جو شخص باب طریقت یا سلوک الی اللہ سے گزرے گا۔ قرب و معرفت حق سے مشرف ہوگا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا مفہوم صحیح ہے، ظاہری یا باطنی۔ جواب یہ ہے کہ دونوں مفہوم اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہری مطلب ہے اور ایک باطنی۔ ایک روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے سات لواطن فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں حکم ہے کہ قرآن مجید کو بغیر وضو نہ نہیں لگایا جاسکتا۔ لَا يَسْتَه إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ اس آیت کریمہ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید کو بغیر طہارت نہیں چھو جاسکتا۔ اور باطنی معنی یہ ہیں کہ جو لوگ مطہر اور گناہوں سے پاک نہیں ہیں وہ حقیقت کلام کو سمجھنا اور پالینا تو درکنار اسے مس ہی نہیں کر سکتے۔ اب چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس آیت پاک کے ظاہری معنوں پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور باطنی پر بھی۔ یعنی یہ کہنا صحیح ہے کہ جو لوگ باطنی طہارت یعنی زہد و تقویٰ سے خالی ہیں۔ وہ کلام پاک کے معنی اور مطالب کو چھو تک نہیں سکتے۔ نہ اس کی گرد تک پہنچ سکتے ہیں۔

اسی طرح بہشتی دروازہ کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث کی رو سے یہ بھی صحیح ہے کہ جو اس دروازے سے گزر جائے بہشتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جو شخص حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ کے مسلک یعنی طریقت اور سلوک الی اللہ کو طے کرے وہ بہشتی ہے۔

اب دوسرا سوال جو کم علم کم فہم لوگ کرتے ہیں یہ ہے کہ ایک گناہ گار یعنی چوڑ ڈاکو

بہشتی دروازے کا علمی اور شرعی جواز: زانی کے گناہ کیونکر بہشتی دروازے سے گزرنے کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ یہی سوال پاکستان شریف میں عرس کے موقع پر بہاولپور ڈگری کالج کے پرنسپل مولوی ضیاء الدین احمد جو بمبئی میں کمشنر پولیس رہنے کے بعد ریاست بہاولپور کے کمشنر پولیس بھی رہ چکے تھے اور بڑے عالم فاضل تھے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مرید خلیفہ مولانا

غلام محمد گھوٹلوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور سے کیا۔ یاد رہے کہ حضرت شیخ الجامعہ کا شمار صغیر پاک و ہند کے چوٹی کے پانچ دس علماء کرام میں ہوتا ہے۔ تبحر علمی کے علاوہ آپ صوفی روشن ضمیر بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے جو جواب دیا وہ یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ ہمیشگی دروازے کے علمی و شرعی جواز سے سب حضرات آگاہ ہو جائیں۔

حضرت شیخ الجامعہ نے فرمایا کہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں نہیں جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل و کرم سے جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اعمال سے کوئی شخص بہشت میں نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی رحمت سے جائے گا۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور آپ؟ آپ نے فرمایا میں بھی اپنے اعمال کی بدولت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہشت میں جاؤں گا۔ جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جن کی خاطر ساری کائنات وجود میں آئی ہے کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر بہشت میں نہیں جاسکتے تو پھر ہمارے تمہارے اعمال کی کیا حیثیت ہے کہ ہم ان کی بدولت بہشت میں جاسکیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت شان اور کبریائی کا یہ عالم ہے کہ آدمی اس کی جس قدر عبادت کرے اس کی عظمت کے سامنے ہیچ ہے۔ کیونکہ اس سے نہ ذات باری کی عظمت کا حق ادا ہو سکتا ہے نہ شان کبریائی کا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن میں ستر بار استغفار پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ آپ معصوم تھے۔ نیز آپ اکثر یہ مناجات کیا کرتے تھے۔ يَا وَهَّابُ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ بِحَقِّ عِبَادَتِكَ مَا ذَكَرْنَاكَ بِحَقِّ ذِكْرِكَ مَا عَرَفْنَاكَ بِحَقِّ مَعْرِفَتِكَ مَا شَكَرْنَاكَ بِحَقِّ شُكْرِكَ اے احسانِ عظیم کرنے والی پاک ذات تو اس قدر بلند و برتر ہے کہ نہ ہم تیری عظمت کے مطابق تیری عبادت کا حق ادا کر سکتے ہیں نہ تیرے کمالات کے مطابق تیرے ذکر کا حق ادا کر سکتے ہیں نہ تیری رحمت کے مطابق تیرا شکر ادا کر سکتے ہیں، جب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ معترف ہیں کہ ان کے سمیت کوئی شخص حق عبادت ادا نہیں کر سکتا تو وہی بات ثابت ہوئی کہ ہر شخص حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہشت میں

جائے گا اپنے اعمال کی بدولت نہیں جائے گا۔ کیونکہ ہمارے اعمال اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ہمیں بہشت میں پہنچا سکیں۔ تو یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ نیک اعمال کے بغیر بہشتی دروازے سے گزرنے والا کیسے بہشتی ہو سکتا ہے۔ حضرت شیخ الجامعہ نے فرمایا:

دوسری بات یہ ہے کہ آیا یہ حدیث بہشتی دروازے پر لکھی ہوئی ہے صحیح ہے یا نہیں ہے علم حدیث کے ماہرین نے جن کو عرف عام میں محدثین کہا جاتا ہے صحت حدیث کے متعلق اصول مقرر کیے ہیں، اور ان اصولوں کے مطابق جس حدیث کا سلسلہ اسناد متصل اور معتبر ہوتا ہے۔ اسے حدیث صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کا سلسلہ اسناد بھی اصول حدیث کے مطابق بالکل صحیح اور معتبر ہے۔ مثلاً میرے حضرت شاہ مہر علی گولڑوی نے مجھے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے سنا اور انہوں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے سنا۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت فخر الدین دہلوی سے سنا۔ انہوں نے اپنے شیخ سے اور انہوں نے اپنے شیخ اور سلسلہ اسناد حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ پر ختم ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس دروازے سے گزرے گا بہشتی ہے۔ اب ان راویوں میں سے کوئی راوی ایسا نہیں ہے جو غیر معتبر اور غیر ثقہ ہو۔ اس لیے اصول حدیث کی رو سے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اب جو حدیث صحیح ہو اس میں شک کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ عین اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حج کرے اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز فرمایا جو شخص حجِ اسود کو بوسہ دے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز فرمایا جو شخص اپنی زبان سے توبہ کرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔ اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ حج کرنے، حجِ اسود کو بوسہ دینے اور زبان سے توبہ کرنے میں کیا تاثیر ہے کہ ساری زندگی کے تمام گناہ یک قلم معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ رحمت حق ہے کہ ہماری بخشش کے لیے اس نے اتنے دروازے کھول دیئے ہیں کسی نے خوب کہا ہے

رحمت حق بہانہ سے جوید

(اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)

چنانچہ یہ ہمیشتی دروازہ بھی حق تعالیٰ نے ہم گناہ گاروں کے لیے ایک ذریعہ بخشش بنا دیا ہے۔ اگر ہم اس صحیح حدیث کو ہر لحاظ سے تسلیم نہ کریں۔ تو بخشش کی تمام باقی احادیث سے بھی انکار لازم آتا ہے۔ لہذا جب حج کرنے، حجرا سود کو بوسہ دینے اور توبہ کرنے والی احادیث سے گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے بھی معاف ہو سکتے ہیں اس میں کون سی قباحت ہے۔ حضرت شیخ الجامعہ کی یہ دھواں دھار تقریر سن کر مولوی ضیاء الدین اور باقی حاضرین عیش عیش کر رہے تھے اور کسی کو مزید سوال کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

نیز دیکھنے میں بھی یہی آیا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اس ہمیشتی دروازہ سے گزر کر جاتا ہے اس کے دل میں نورانیت آجاتی ہے اور گناہوں سے باز آکر اچھے اعمال کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ یہ عوام کا حال ہے اور جو حضرات خواص کے زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اس حدیث کے باطنی مفہوم سے بھی مستفیض ہوتے ہیں اور منازل سلوک طے کر کے مقام قرب معرفت میں جگہ پاتے ہیں۔

غرضیکہ اس حدیث پاک کے دو مفہوم ظاہری و باطنی بیک وقت صحیح ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ پورے پورے ہیں اور قیامت تک بقبضہ تعالیٰ پورے ہوتے رہیں گے۔

یاد رہے کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے روضۃ اقدس کے

صنتی دروازہ فنائیت فی الرسول کا کرشمہ :

دو دروازے ہیں۔ ایک مشرق کی جانب، دوسرا جنوب کی جانب اور صنتی دروازہ یہی جنوبی دروازہ ہے۔ موجودہ روضۃ مبارک کی تعمیر حضرت سلطان المشائخ نے کرائی تھی اور عمارت کی ہر اینٹ پر ایک ختم قرآن ہوا تھا۔ معترضین حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت بابا صاحب کا یہ صنتی دروازہ کوئی عجوبہ روزگار نہیں ہے۔ بلکہ دنیائے اسلام میں اور مقالات بھی ہیں جن کے متعلق یہ بشارت موجود ہے۔ کتاب تکملۃ الریاضین میں لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان میری مسجد اور خانقاہ میں داخل ہوگا، اس پر عذاب قیامت نہ ہو گا۔ نیز چونکہ حضرت گنجشکرؒ کو حقیقت محمدیہ میں غایت درجہ کی فنا حاصل تھی حتیٰ کہ آپ کا لقب بھی زہد الانبیاء ہے، اس مناسبت کی وجہ سے جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے روضہ اطہر کی ہے، اس کا کچھ شائبہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے روضہ مبارک میں بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کے محراب اور روضہ اطہر کی درمیانی زمین کے متعلق فرمایا ہے کہ

روضۃ من ریاض الجنۃ

(یہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے)

یہی کچھ حضرت گنجشکرؒ کے روضہ مقدس کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من دخل ہذہ الباب آمین۔

معترض کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے ہیں کہ۔

من قال لا الہ الا اللہ آمین

(جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ بہشتی ہے)

اب آپ خود قیاس فرما سکتے ہیں، جس طرح ایک گنہگار آدمی بلکہ کافر و مشرک بھی کلمہ طیبہ پڑھ کر فوراً گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اکرمؐ کے قول کے مطابق جو شخص جنتی دروازہ سے گزرتا ہے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ بس بات وہی ہے۔ رحمت حق بہانہ سے جوید (اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)



مراسم عرس

تاریخائے عرس : یہ تو پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ کا وصال ۵ محرم کو ہوا۔ لیکن عرس ۲۵ ذوالحجہ سے شروع ہو جاتا ہے اور ۱۰ محرم تک جاری رہتا ہے، یعنی کل پندرہ دن عرس رہتا ہے۔ عرس کی اس طویل مدت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اقدس کا سلسلہ بہت وسیع ہے اور لاکھوں آدمی عرس پر حاضر ہوتے ہیں۔ اگر عرس کے ایام کم ہوتے تو بیک وقت ساری خلقت کہاں سما سکتی تھی۔

رسومات کا باطن : جس طرح ہر دربار پر اس کے تاریخی پس منظر کے مطابق مختلف قسم کی رسومات انجام دی جاتی ہیں، حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ کے دربار پر بھی اس کے مخصوص تاریخی پس منظر کے پیش نظر قدیم الایام سے رسومات کا ایک دستور العمل چلا آتا ہے جن کی ادائیگی میں خاص برکات کا نزول ہوتا ہے جن کا احساس اہل نظر کو خاص طور پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جو رسومات ظاہری طور پر دربار عالیہ میں ادا کی جاتی ہیں وہ دراصل عکس ہیں ان رسومات کا جو عالم بطون میں ادا کی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ خاصانِ خدا اور محبوبانِ بارگاہ کا اس جہاں سے کوچ کر جانا معمولی بات نہیں ہوتی، بلکہ ان کا یوم وفات یوم وصال ہوتا ہے، جب محبوب محبوب سے جاملتا ہے۔ حدیث شریف میں یوم وصال کو یوم عرس کا نام دیا گیا ہے۔ بمصدق حدیث سنہ کتوۃ العروس اور حبیب اولیا کرام اس جہان فانی سے رحلت فرما کر محبوب حقیقی سے جا ملتا ہے تو عالم بالا میں اس تقریب کی خوشی منائی جاتی ہے اور خاص فیوض و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ جس سے ہر آنے والا مستفیض ہوتا ہے اور یہ بھی عالم بالا کا دستور ہے کہ ہر سال یوم وصال کی تقریب اسی شان و شوکت سے منائی جاتی ہے اور ہر سال انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے۔ ویسے تو مزارات پر ہر وقت انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ لیکن عرس کے ایام میں خاص اہتمام سے انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور اس چیز کا مشاہدہ عرس

کے دنوں میں ہر خاص و عام کو حسب استعداد ہوتا ہے، لیکن خواص کو زیادہ ہوتا ہے اور رسومات کی انجام دہی میں بھی خاص انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی رسومات عالم بطون میں بھی بیک وقت ادا ہو رہی ہوتی ہیں۔ اب جو شخص اس کا انکار کرے، اس کو چاہیے کہ پہلے آنکھیں پیداکرے اور پھر ان چیزوں کا مشاہدہ خود کرے گا۔

چنانچہ عرس مبارک حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رسومات کا آغاز ۲۵ ذوالحجہ کو ہوتا ہے اور صبح کے وقت پہلے محفل سماع ہوتی

صبح کی محفل :

ہے جس میں صوفیاء باصفاء شامل ہو کر صاحب مزار کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے ہیں۔ خدا اور رسولؐ کی حمد و ثنا میں اولیاء کرامؑ کا کلام قوال پیش کرتے ہیں اور رٹ پتے ہوئے رچوں کو ان کی غذا کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ یہ محفل سماع تقریباً چار گھنٹے جاری رہتی ہے۔ اس اثنا میں حضرت دیوان صاحب مدظلہ درویشوں کے ہمراہ دربار عالیہ میں تشریف لاتے ہیں اور روضہ مبارک کے اندر جا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ اور چند حفاظ صاحبان کلام پاک میں سے تلاوت کرتے ہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کا شجرہ شریف پڑھا جاتا ہے اور حاضرین کے لیے دعائے خیر مانگی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت دیوان صاحب شکر تقسیم فرماتے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت دیوان صاحب روضہ مبارک سے باہر تشریف لاتے ہیں اور حضرت شیخ علاؤ الدینؒ موج دریا قدس سرہ کے روضہ مبارک کے اندر جا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر دالان میں اپنی مخصوص نشست گاہ جس کے گرد کپڑا لگا ہوا ہے پر بیٹھ کر فاتحہ خوانی کی رسم ادا کرتے ہیں اور شیرینی و شربت تقسیم فرماتے ہیں۔ اس موقع پر میدہ کی روٹیاں اور حلوہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت دیوان صاحب دوبارہ روضہ مبارک کے اندر پہلے جاتے ہیں اور مراقبہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان رسومات کے دوران محفل سماع جاری رہتی ہے۔ صرف قرآن خوانی کے وقت عارضی طور پر بند ہو جاتی ہے۔ اس حاضری کے دوران حضرت دیوان صاحب مزار مقدس کی چادر تبدیل کرتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد آپ باہر آ کر محفل سماع میں شریک ہو جاتے ہیں اور باری باری قوالوں کی چوکیوں سے سماع سننے کے بعد کوئی دوپہر کے وقت حضرت دیوان صاحب واپس تشریف لے جاتے اور محفل سماع

ختم ہو جاتی ہے۔ یہ صبح کی مجلس ۱۵، ذوالحجہ سے لے کر ۶ محرم تک جاری رہتی ہے۔

شام کی محفل : یکم محرم سے شام کی محفل شروع ہو جاتی ہے جو ۶ محرم تک جاری رہتی ہے۔ شام کی محفل میں شریک ہونے کے لیے تمام زائرین پہلے ہی سے

جمع ہو جاتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد حضرت دیوان صاحب تشریف لاکر اسی نشست خاص پر جلوس فرماتے ہیں اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ یہ مجلس دراصل حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی قدس سرہ کی پہلی حاضری کی یادگار ہے۔ جو آپ نے حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ کے وصال کے بعد یا کپتن شریف آکر پردی بختی اور آپ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔

حضرت محبوب الہی نے حضرت شیخ کے پہلے عرس پر جو شرکت فرمائی اور جو کلام قوالوں نے پیش کیا تھا وہی کلام اب بھی پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے قوال حضرت محبوب الہی کا وہ نوحہ پیش کرتے ہیں جو وصال شیخ کے بعد پہلی حاضری میں آپ کے منہ سے نکلا تھا۔ یہ کلام ہندی زبان میں ہے اور سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ اشعار قوالوں کے پاس سینہ بہ سینہ پہلے آتے ہیں اور اس موقع پر اسی مخصوص انداز میں وہ پیش کرتے ہیں اور انوار و برکات کی خوب بارش ہوتی ہے۔ اس کے بعد کوڑیاں بچھاؤر کی جاتی ہیں اور پھر قوال حضرت مولانا احمد جامؒ کی وہی غزل پیش کرتے ہیں جس میں حضرت خواجہ قطب الدین رینی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تھا۔ غزل یہ ہے :

مرد معنی رانسان دیگر است	منزل عشق از بہاں دیگر است
از قدم تا سر نشان دیگر است	عاشقان نواجگان چشت را
ہر یکے صاحب قرآن دیگر است	آں فقیراں کہ ایں رہ مے روند
کیں جہاں را ہم جان دیگر است	دل چہ بندی در جہاں بے دفا
کیں جنیں علم از زبان دیگر است	عشق را در مدرسہ تعلیم نیست
کیں جماعت را بیان دیگر است	عقل دانند کہ ایں رمزاں کجا است
شاہ را گنج نہانے دیگر است	در دل ویران ہر بیچارہ
کیں جنیں شست از کمان دیگر است	دل خورد زخم و ز دیدہ خون چکد
ہر زماں از غیب جان دیگر است	کشتگان خیر تسلیم را

ساقیا خونِ جگر در کاسِ مکن کیں شراب از خمِ خانِ دیگر است
 بر سرِ بازارِ صرافانِ عشق زیرِ ہر دار سے جوینِ دیگر است
 در بیابانِ وصالش روز و شب زیرِ سنگِ کاروانِ دیگر است

احمد تاگم نگر دی ہوشدار

ایں جرس از کاروانِ دیگر است

اس غزل کا دوسرا شعر حضرت مولانا احمد جام نے اس وقت کہا جب آپ نے
 حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہ سے اس وقت ملاقات کی جب آپ خورد
 تھے۔ لیکن ولایت کی آن بان مشائخ کہتے مشق کی سی پانی۔ تو فوراً پتلا اٹھٹے سے

عاشقانِ خواجگانِ چشت را از قدم تا سر نشانِ دیگر است

اس کے بعد حضرت خواجہ گنجشکر کا اپنا کلام پیش کیا جاتا ہے جو یہ ہے:

من نیم واللہ یاران من نیم جانِ جانم تیر ترم تن نیم
 نور نورم نور نورم نور نور من چراغ و پیغہ و روغن نیم
 نور پاکم آمدہ در مشقت خاک کور چشماں را دے روشن نیم
 من ولیم من ولیم من نبی ص جم نیم رستم نیم بہن نیم
 دوست اندر سر من ظاہر شدہ من نیم مسعود واللہ من نیم

اس غزل کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت بابا صاحب کا کلام نہیں ہے

بلکہ خواجہ مسعود بک کا ہے جو حضرت محبوب الہی قدس سرہ کے پیش امام کے فرزند اور
 حضرت سلطان المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کے بعد قوال مل کر ایک ہندی کی خاص چیز و ضد مبارک کے دروازہ پر جا کر
 گاتے ہیں جو بہت ہی پُر کیف ہے۔ اس ساری تقریب کے دوران فیوض و برکات کی
 اس قدر بارش رہتی ہے کہ ہر خاص و عام محسوس کرتا ہے۔ لیکن جو خاص اور خاص الخاص
 ہیں وہ جانتے ہیں کہ انوار و برکات کے فوارے چھوڑ دینے جاتے ہیں۔ شام کی یہ مجلس یکم محرم
 سے ۶ محرم تک جاری رہتی ہے۔

جنبتی دروازہ کا افتتاح : ۶ محرم کی رات کو بعد نماز عشاء جنبتی دروازہ کا افتتاح ہوتا ہے۔ یہ عرس کی آخری اور خاص تقریب ہے۔

جس میں لاکھوں مسلمان شرکت کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے اس موقع پر خاص انتظام ہوتا ہے اور جا بجا پولیس کھڑی کر دی جاتی ہے تاکہ ہجوم کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو پھر بھی ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ پولیس تھک جاتی ہے اور انسانوں کا سیلاب کھنسنے میں نہیں آتا۔ عشاء کی نماز کے بعد حضرت دیوان صاحب جلوس کی صورت میں تشریف لاتے ہیں اور جنبتی دروازہ کھولنے سے پہلے محفل سماع میں شرکت فرماتے ہیں۔ یہ محفل پانچویں کے دالان میں کھڑے کھڑے قائم رہتی ہے۔ اور قوال کھڑے ہوئے پہلے مولانا جامیؒ کی یغزل گاتے ہیں۔

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشان است کز و نام نشان چیزے نیست
چہند محبوب نشینی بگماں دگراں
خیمہ در کوئے یقین زن کہ گماں چیزے نیست
ہستی تست حجاب تو و گرنہ پیدا است
کہ بجز دوست دریں پردہ نہاں چیزے نیست
بندہ عشق شدی ترک نسب کن جاچی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اس کے بعد اس مجلس میں حضرت امیر خسرو کا پرکیف کلام اسی مخصوص قدیمی رنگ میں پیش کیا جاتا ہے جس سے عاشقوں کے دلوں پر چھریاں چلنے لگتی ہیں۔

کلام یہ ہے :

ہوں بیراگن شام کی کوئی پیا بتلاوے
جانی دے گھڑیا لیا متاں گھڑیا بجادے

آج ملاوا ہولال سے متاں رین گھٹاوے
سر پر ٹمکی دودھ کی سوٹنی ٹک سہاوے
بالم آگے بالم آگے

ارے ارے ندیا کنارے بالم آگے
آپ تو پا تر گئے ارے ارے ہم ہے اروارے

بالم آگے بالم آگے

گوری سووی بیج پر کھ پر ڈاسے کیس
چل خسرو گھر اپنے سانجھ بھنی چو دیس

بالم آگے بالم آگے

اس کے بعد تالیوں اور گولوں کی گونج میں حضرت دیوان صاحب آگے بڑھ کر اپنے
اتھ سے ہشتی دروازہ کھولتے ہیں۔ پہلے خود داخل ہوتے ہیں اور پھر دیگر سجادہ نشین صاحبان
اور معزز حضرات حنتی دروازے سے گزر کر مشرقی دروازے سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس کے
بعد عوام کا داخلہ شروع ہوتا ہے اور بابا فریدی کے لاکھوں پر وانی فرید فرید کے نعرے لگاتے
ہوتے حنتی دروازے میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سماں رات بھر رہتا ہے۔

دروازے کے افتتاح کے فوراً بعد حضرت دیوان صاحب ایک آٹھ فٹ بلند کڑی
کے چبوترے پر کھڑے ہو کر قلاوہ تقسیم فرماتے ہیں۔ یہ رسم بھی پُر کیف ہوتی ہے اور انوار و برکات
کی بارش رہتی ہے۔

اسی طرح حنتی دروازہ دس محرم کی رات تک کھلا رکھا جاتا ہے اور گیارہ کو بند ہوتا ہے۔

دس محرم کی صبح کے وقت مزار شریف کے پورے احاطہ اور روضہ مبارک
کو غسل دیا جاتا ہے اور مزار شریف پر صندل لگایا جاتا ہے۔ صندل خشک

ہونے پر حضرت دیوان صاحب روضہ اقدس پر آتے ہیں اور تقریب میں شرکت فرما کر روضہ شریف
کے اندر شریف لے جاتے ہیں اور بعد فراغت حجابی برج پر جا کر معززین کے ساتھ کھانا تناول
فرماتے ہیں۔ یہ رسومات جہیوں سے جاری ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت یونہی جاری و ساری رہیں گی۔

الہی تا بود خوش سید و ماہی
اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ حشمتیاں را روشنائی
چراغِ چشمیاں ہرگز نہ میرد

ہمارے شیخ علیہ رحمۃ فرمایا کرتے تھے۔ روضہ مبارک کے اندر بار بار
آدابِ حاضری : نہیں جانا چاہیے بلکہ دن میں دو بار جانا چاہیے۔ ایک صبح ایک
 شام۔ نیز دربارِ اقدس کے اندر چلتے پھرتے وہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں جو زندہ باد شاہوں کے
 دربار میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ حضرت اقدس یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دور دراز کے علاقوں
 سے آتے ہیں، لیکن دربار میں باکری تلاوت اور نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ کام گھر پر
 بھی کر سکتے ہیں۔ دربار میں اس چیز کو منبوط پکڑنا چاہیے جو گھر پر نہیں ہے یعنی ہمتن صاحب
 مزار کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ نیز دربار میں ٹیک لگا کر بیٹھنا، آپس میں بات چیت کرنا،
 کھانا پینا، ہنسی مذاق سب ترک کر دینا چاہیے۔ جب روضہ مبارک کے اندر چلے تو السلام
 علیکم کہہ کر مزار مبارک کی غصہ ربی طرف کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے۔ یعنی پہلے ایک فاتحہ اپنے
 پیر کی طرف سے پڑھے اور دوسری فاتحہ اپنی طرف سے۔ اس سے صاحبِ مزار کے ساتھ
 اس کا تعارف ہو جاتا ہے اور بوفینان ملتا ہے۔ پیر کے ذریعے ملتا ہے اور اس میں سے
 پیر جس قدر مناسب سمجھتے ہیں دیں گے باقی اس وقت دیں گے جب استعداد بڑھ جائے گی۔
 قرآن مجید کا تختہ اہل مزار کے لیے بہترین تحفہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کی جس قدر آیات
 پڑھ سکے۔ اس کا ثواب صاحبِ مزار کی روح کو کرے۔ مختصر فاتحہ یہ ہے کہ بارہ دفعہ سورہ
 اخلاص، ایک دفعہ سورہ فلق، ایک دفعہ سورہ ناس اور ایک دفعہ سورہ فاتحہ پڑھ کر ہاتھ اٹھائے
 اور یہ کہے کہ الہی میں نے جو کچھ پڑھا ہے۔ اس کے خیر و برکات صاحبِ مزار کو پہنچا دے
 اور صاحبِ مزار کے خیر و برکات میری روح و جان میں داخل فرما دے۔ اس کے بعد مراقب
 ہو کر صاحبِ مزار کی روح کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ خیال کرے کہ ان کی روحانیت مجھے
 فیض دے رہی ہے۔ باقی سب کچھ ان کی ذات پر چھوڑ دے۔ جس بات کی کمی ہے۔ صاحب
 مزار خود بخود پورا کر دیں گے۔ اسی طرح جتنا وقت ہو سکے مراقب رہنا چاہیے۔ اور اس وقت
 کو رفتہ رفتہ بڑھانا چاہیے۔ اگر روضہ اقدس کے اندر ہجوم ہے اور بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔
 تو کھڑا رہے اور کھڑے ہونے کی گنجائش بھی نہ ہو تو باہر آ کر صحن میں مراقب ہو جائے۔ شروع میں
 یہ مراقب بارہ بیس منٹ کا ہونا چاہیے اور بعد میں آدھا گھنٹہ، پون گھنٹہ، پورا گھنٹہ یا اس سے
 زیادہ کر سکتا ہے۔ جب یہ محسوس کرے کہ اب صاحبِ مزار نے توجہ بند کر دی ہے اور یہ بات

آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے۔ تو دعائے مانگ کر باہر چلا جائے۔ لیکن فوراً مکان کی طرف نہیں چلانا چاہیے۔ بلکہ کچھ دیر باہر بیٹھ کر باطنی دنیا سے ظاہری دنیا کی طرف رفتہ رفتہ لوٹ کر اپنے کام کی طرف جانا چاہیے۔

دربار کے اندر یا باہر مشاہدہ حسن سے پرہیز کرے۔ کیونکہ سب لوگ صاحبِ مزار کے مہمان ہوتے ہیں۔ اور مہمانوں کو مکنا صاحبِ مزار کو بُرا لگتا ہے۔ اگر روضہ اقدس کے اندر یا باہر یا دربار کے علاقہ میں کوئی خرابی دیکھے یا کسی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو رہی ہو مثلاً کوئی تپاچ رہا ہے۔ کوئی شور کر رہا ہے یا بات کر رہا ہے تو اس کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنے کام سے غرض رکھنی چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات دربار میں اس قسم کی نازیبا حرکات میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ایک حکمت تو یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے حسین چہرہ پر اس کی زیبائش کو دوبالا کرنے کے لیے کوئی سیاہ تیل ہونا چاہیے۔ چنانچہ ملنگوں کا تپاچ اور دیوانوں کی سی حرکات تیل کا کام دیتے ہیں۔ روایت ہے کہ

”ایک مرتبہ حضرت بہاؤ الدین ڈگرؒ یا ملتانی سے بوڑھے مالدار تھے ان کے ایک دوست نے طنزاً پوچھا۔ کہ اہل اللہ کے لیے مال و دولت کا ہونا کیسے ہے؟ آپ نے جواب دیا اس طرح جیسے حسین چہرہ پر سیاہ تیل۔“

دوسری حکمت یہ ہے کہ دربار اقدس میں انوار و برکات کا اس قدر نزول ہوتا ہے کہ اس کو متوازن (COUNTERACT) کرنے کے لیے بدی کا عنصر ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ انوار و برکات سے لوگوں کے دماغ اڑ جائیں اور زہ پاگل ہو جائیں۔

چنانچہ عارفین کا کہنا ہے کہ۔

دنیا میں بدی اور گناہ کا وجود بھی اسی مصلحت کے تحت ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق پر ہر وقت اس قدر نوازشات اور برکات کا نزول رہتا ہے کہ اگر برائی کا عنصر نہ ہو تو لوگ پاگل ہو جائیں۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب عالم اور آپ کے درمیان سیاہ بادل آجاتا ہے تو کس قدر سکون نصیب ہوتا ہے۔ اس طرح بدی اور گناہ کا وجود رحمت حق کو متوازن و مفید بنانے کے لیے ہوتا ہے۔

آدابِ حاضری میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہاں کی کسی چیز کو بُرا نہیں کہنا چاہیے

نہ کسی آدمی کو نہ کسی کام اور نہ کسی چیز کو۔ کیونکہ اس سے صاحب مزار ناراض ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ حکام اور خدام کی نکتہ چینی بھی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں اسی خاص حکمت کے تحت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

سب سے ضروری بات ادب کی یہ ہے کہ صاحب مزار کے خاندان کے افراد کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ خواہ ان کے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ ہم نے صاحب مزار کے اس خون کی عزت کرنی ہے۔ جو خاندان کے افراد کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ نیز جب ہر اس چیز کی مذمت سے پرہیز لازم ہے جو صاحب مزار سے کسی نہ کسی طرح منسوب ہے تو پھر صاحب مزار کی اولاد کو اس کلیہ سے کیوں مستثنیٰ کیا جائے۔ اگر کسی کی بد اعمالی کی شکایت ہو تو یہ خیال کرے کہ سب سے بڑا گناہ گار میں خود ہوں۔ اگر اپنے آپ کو اچھا سمجھے گا تو شیطان کی سنت پر عمل کرے گا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو اچھا کہہ کر برباد ہوا ہے۔ ایک اور بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے سالک کو چاہیے کہ جس قدر رمضان صاحب مزار سے ملے اس کی حفاظت کریں اور بات چیت اور منہی مذاق میں ضائع نہ کریں۔

بلکہ جب گھر واپس جائے تو عرس کے دوران اس کو جو لفٹ ملی ہے اس سے فائدہ اٹھاتا رہے اور اس کے اوپر مزید عمارت تیار کرتا رہے۔ جب گھر پر یہ کام تن دہی سے کرتا رہے گا۔ اور جب دوسری بار مزار پر آئے گا تو فیضان پہلے سے بھی زیادہ ملے گا۔ کیونکہ فیضان ہمیشہ ہر شخص کو ظرف اور استعداد کے مطابق ملتا ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کے لیے پہلے ماں کا دودھ موزوں ہوتا ہے۔ پھر بکری کا دودھ، پھر گائے کا دودھ اور پھر بھینس کا۔ جب جوان ہو جاتا ہے تو پھر گوشت رونی ٹھلوہ سب کچھ منضم کر جاتا ہے۔ اسی طرح شروع میں سالک کو بھی وہی کچھ ملتا ہے جسے وہ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن ملنا ضرور ہے اور سب کو ملتا ہے۔ خواہ نیک، ہو یا بد۔ بلکہ بعض بد تو ایسے ہوتے ہیں جو شیخ کی نظروں میں نیکیوں سے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ بد آدمی اس لیے بد بن جاتا ہے کہ اس کے اندر عشق و محبت کا غلبہ نیکیوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ نیک لوگ اپنے سے کم تر جذبہ محبت پر غالب آجاتے ہیں۔ لیکن جن کا جذبہ عشق و محبت ناقابل تسخیر اور ناقابل المغلوب ہوتا ہے تو وہ کنٹرول سے باہر نکل جاتے ہیں اور خلق کی نگاہوں میں بڑے بن جاتے ہیں۔ لیکن اہل اللہ کے نزدیک

وہی لوگ زیادہ ترقی کرنے کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب کے اندر راکٹ کا ایندھن موجود ہوتا ہے اور جب اہل اللہ اس کا تبادلہ کر اسے صحیح سمت میں چلاتے ہیں تو وہ اس قدر ترقی کرتے ہیں کہ نیک اور کم جذبہ محبت والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ تو کہنے کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ خلق کی نگاہوں میں بُرے شمار ہوتے ہیں۔ ان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ وہ لوگ ایسا خام مال ہوتے ہیں جس کی ملک عشق و مستی میں بے حد مانگ ہے۔ اور اسی خام مال سے آگے چل کر غوث و قطب وجود میں آتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مزار کی طرف سے سب کو فیض ملتا ہے، بُروں کو بھی اور اچھوں کو بھی۔ بعض اوقات بُروں کو زیادہ ملتا ہے۔ کیونکہ ان کے اندر استعداد عشق زیادہ ہوتی ہے۔

آدابِ حاضری ہی سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ پیٹ بھر کھانا نہ کھائے، خاص طور پر جب روضہ اقدس پر حاضری کے لیے جائے تو کھانا کم از کم دو گھنٹے پہلے کھایا ہو۔ کھانا کھا کر فوراً نہیں جانا چاہیے۔ اس سے فیضان حاصل نہیں کر سکے گا۔ فیض ملتا ہے لیکن آدمی اقد فیض نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ عین دوپہر کے وقت بھی مزارات کی حاضری درست نہیں۔ نصف النہار سے گھنٹہ بھر پہلے جائے یا بعد میں۔

یہ بات بھی آدابِ حاضری میں شامل ہے کہ پاک و صاف ہو کر جائے غسل کر لے تو اچھا ہے، کپڑے صاف ہونے چاہئیں۔ اور ہو سکے تو خوشبو لگا کر جائے۔ وضو بہت ضروری ہے اور بے وضو جانا سخت بے ادبی ہے۔ لیکن اقد فیضان کے لیے باطنی طہارت سب سے زیادہ ضروری ہے، دل کو گناہوں اور فاسد خیالات سے پاک رکھنا چاہیے۔ دنیاوی حرص و ہوا سے سالک کی ترقی رُک جاتی ہے۔ دنیا کا نابرا نہیں اچھا ہے۔ لیکن جو چیز بُرائی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا دل کے اندر داخل نہ ہو۔

ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ ملتان سے کسی سرور سے کسی دوست نے طنزاً کہا کہ آپ کے پاس اس قدر مال و دولت ہے کہ گھوڑوں کے کیل بھی سونے کے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔

الحمد لله در گل است نہ بدل

یعنی خدا کا شکر ہے کہ سونے کے کیل گل یعنی مٹی میں ہیں۔ دل میں نہیں!

لیکن دنیا کو نصب العین اور منزل مقصود نہیں بنانا چاہیے۔ مومن کی منزل مقصود خدا ہے۔ قرآن عظیم ناطق ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّكَ مِنْتَهُمَا
مومن کی منزل مقصود اللہ ہے۔

عارف رومیؒ خوب فرط گئے ہیں۔

صیست دنیا از حسد غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن!
آب زیر کشتی پستی است آب در کشتی بلا کشتی است

یعنی وہ دنیا جیسے حدیث نے (الدُّنْيَا جَيْفَةٌ وَطَالِبُهَا كَلْبٌ) دنیا مار
ہے اور اس کا طالب کتا ہے۔ کتا کے مطابق برا کہلے وہ خدا سے غفلت کا نام ہے۔ نہ کہ مال و
دولت اور بیوی بچے۔ دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ جب پانی کشتی کے نیچے ہوتا ہے تو کشتی
چلتی ہے اور جب پانی کشتی کے اندر چلا جاتا ہے تو کشتی تباہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دنیا کمانے والے کو چاہیے کہ دنیا کا طالب نہ بنے۔ بلکہ خدا کا طالب رہے۔ اور
دنیا کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنالے۔ یہ دنیا اس صورت میں اس کے لیے نہ صرف حلال ہوگی
بلکہ رحمت بن جائے گی۔ اگر دنیا دل کے اندر گھر کر گئی تو پھر وہی حشر ہوگا جو اس کشتی کا ہوتا ہے
جس کے اندر پانی چلا جاتا ہے۔ اس لیے

مزارات کی حاضری کے وقت دنیاوی خیالات ترک کر کے حرص و ہوا کو دل سے نکال
دینا چاہیے اور دل کو پاک و صاف کر کے مراقب ہونا چاہیے۔

جب آپ کسی بادشاہ کو اپنے گھر پر دعوت دیتے ہیں تو پہلے گھر کی صفائی کرتے ہیں اور
سب لوگوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں تو تب بادشاہ داخل ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ کے علاوہ
کوئی آپ کا یار دوست بھی گھر میں موجود ہوگا تو بادشاہ اپنی بے عزتی محسوس کرے گا۔ اس لیے
جب خانہ دل کو یار و اختیار سے خالی کر دے تو دوست آئیں گے۔ ورنہ نہیں۔

نیز۔ اگر مختلف بزرگوں کے مزارات پر جانے کا ارادہ ہے تو پہلے چھوٹے بزرگ کے
مزار پر جائے۔ اس کے بعد بڑے بزرگ کی حاضری دے۔ پہلے بڑے بزرگ کے دربار پر جا کر
پھر چھوٹے بزرگ کے دربار پر حاضری دینا۔ بڑے بزرگ کی بے ادبی ہے۔

ابن ہریرہ



حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء

(تازمانہ حال)

چونکہ ہماری کتاب کا موضوع ”مقام گنج شکر“ یعنی آں حضرت کے اعلیٰ و ارفع روحانی مقامات بیان کرنا ہے جس کے متعلق ہماری مختصر دنگ زبان گنگ اور قلم لنگ ہے۔ البتہ آپ کے بلند مقامات کا پتہ آپ کے عالی مقام خلفاء اور خلفاء کے خلفاء تازمانہ حال سے کچھ نہ کچھ ضرور لگ سکتا ہے۔ مثلاً آپ کے ایک خلیفہ کا لقب محبوب الہی ہے اور وہ آپ کے ہاتھوں محبوب بنے ہیں اب آپ خود قیاس فرما سکتے ہیں کہ جو شخص محبوب گرہے اس کا اپنا مقام کیا ہو گا۔ خدای ہی بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء نے جو بلند مقامات حاصل کئے وہ بھی مقام گنج شکر کے کرشمے ہیں اور انہوں نے تبلیغ دین کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ بھی مقام گنج شکر کی آبیاری ہے۔

حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے خلفاء کی تعداد :

قبل ازیں کتاب ہذا میں آپ کے خلفاء کی تعداد گیارہ لکھی گئی ہے۔ اور خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے آپ کے خلفاء کی تعداد ۳۳ لکھی ہے۔ لیکن آپ کا سلسلہ صرف دو خلفاء یعنی حضرت سلطان المشائخ، خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی اور حضرت مخدوم علی احمد صابر کے ذریعے جاری ہوا کیونکہ باقی تمام خلفاء کے سلاسل ان دو سلسلوں میں مدغم ہو گئے۔ لیکن اگر آپ کے خلفاء کے خلفاء اور پھر ان کے خلفاء تازمانہ حال کا شمار کیا جائے تو صرف ہر خلیفہ کے دو خلفاء کا حساب لگانے سے زمانہ حال تک یعنی بیس روحانی پشتوں تک صرف حضرت خواجہ گنج شکر کے خلفاء در خلفاء کی کل مشائخ کی تعداد ساڑھے دس لاکھ ہو جاتی ہے اور قیامت تک کتنی تعداد ہو جائے گی علم ہندسہ کی وسعت سے باہر ہے۔

یہ ہے مقام گنج شکر کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔ اب ہم سلسلہ عالیہ چشتیہ کی مختلف شاخوں کا ذکر کرتے ہیں

مشائخِ چشتیہ نظامیہ

یہ سلسلہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی قدس سرہ سے شروع ہوتا ہے۔ صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کے خلفاء کی تعداد اٹھاون بتائی ہے۔ لیکن مرآة الاسرار میں ان کی تعداد دس لکھی گئی ہے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ۔ حضرت شیخ شمس الدین محمدؒ۔ حضرت شیخ قطب الدین منورؒ۔ حضرت شیخ حسام الدین ملتانیؒ۔ حضرت شیخ فخر الدین زرادہؒ۔ حضرت شیخ علاؤ الدین نیلیؒ۔ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ۔ حضرت مولانا وجیہ الدین یوسفؒ۔ حضرت مولانا شہاب الدینؒ۔ حضرت مولانا انجی سراج الدینؒ۔

ان دس خلفاء جو عشرہ مبشرہ کے نام سے موسوم ہیں کے کارناموں، مساعی جمیلہ، منازل و مقامات، تصانیف وغیرہ کی تفصیل سے کتابیں بھری پڑی ہیں اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ہم صرف زیادہ مشہور حضرات کے خلفاء اور مختصر حالات پر اکتفا کریں گے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ:

آپ حضرت محبوب الہی کے بزرگ ترین خلیفہ تھے جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے اور ایک جہان کو ہدایت بخشی۔ آپ نے بیس سال تک حضرت محبوب الہی کی سجادگی کا حق ادا کیا۔

مرآة الاسرار مصنفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اٹھائیس سال تک ماہِ دو دن مقامِ قطبیت پر فائز رہے۔ اس کے بعد آپ مقامِ فردانیت میں چلے گئے اور پھر عالم بقاء کو رحلت فرمائی۔

۱۔ مصنف عبدالرحمن چشتی جنہوں نے جہانگیر اور شاہجہان کا زمانہ دیکھا ہے بلکہ خاندانِ مغلیہ کے روحانی متولی اور صاحبِ خدمت تھے۔ اس کتاب کا پہلی بار اردو ترجمہ المرحوم نے حسب فرمان حضرت شاہ شہید اللہ فریدی کیا ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود قدس سرہ کے مقام کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہباز طریقت حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز اور حضرت مخدوم جمانیاں جہاں گشت اور حضرت میر سید محمد مکی جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ آپ کے خلفاء میں شامل ہیں۔ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کے خلفاء :

آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صاحب خزنیۃ الاصفیاء نے آپ کے خلفاء کی تعداد سولہ لکھی ہے جن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے پوتے کے بیٹے حضرت خواجہ معین الدین خورد بن خواجہ حسام الدین بن خواجہ فخر الدین بن خواجہ بزرگ بھی شامل ہیں۔ آپ کے خلفاء کی فہرست یہ ہے۔

حضرت بندہ نواز سید گیسو دراز۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری اوچی سروردی۔ حضرت میر سید محمد مکی۔ حضرت مولانا خواجگی۔ حضرت شیخ صدر الدین حکیم۔ حضرت قاضی عبدالمتقدر۔ حضرت شیخ سلیمان ردولوی۔ حضرت شیخ متوکل کتیوری۔ حضرت مولانا دانیال۔ حضرت خواجہ معین الدین خورد۔ حضرت سید محمد بن مبارک۔ حضرت شیخ یوسف چشتی۔ حضرت شیخ سعد اللہ بن شیخ متوکل۔ حضرت شیخ احمد تمھانیسری۔ حضرت قاضی محمد ساوی۔ حضرت شیخ قوام الدین۔ حضرت شیخ کمال الدین علامہ۔ حضرت شیخ محمد شادی۔

حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز:

آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے بزرگ ترین خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ غلبہ عشق کی وجہ سے آپ اکثر بے پردہ کلام فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے شیخ علیہ رحمۃ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ۔

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد واللہ خلاف نیست آن عشق باز شد

آپ کی تصانیف میں جوامع الکلم سب سے زیادہ مشہور ہے جو دراصل آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

اولیاء اللہ کے جسم کے اعضاء الگ الگ ہونے کا سبب :

آپ نے جوامع الکلم میں لکھا ہے ایک دن اجودھن (پاک پتن) میں شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے پوتے شیخ منور فضل اللہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ۔
”آپ کو اکثر لوگوں نے شیخ کے گنبد کے اندر سات ٹکڑے ہوا دیکھا ہے یہ کیا راز ہے؟“

میں نے کہا۔ ”سبحان اللہ! مجھے کس نے دیکھا ہے؟ اور کون کہتا ہے۔ ہاں اگر آپ اس طرح سوال کریں کہ کتب سلوک میں لکھا ہے صوفی کی یہ حالت ہوتی ہے تو میں علی الاطلاق کہوں گا۔“

شیخ فضل اللہ نے کہا ”اچھا آپ علی الاطلاق ہی بتائے“

میں نے کہا کہ یہ تجلیِ جلالی کا اثر ہے۔ سالک پر اس حالت میں پہاڑ بھی گر جاتے اور پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ یہ آگ جلانے والی آگ نہیں ہوتی لیکن اس آگ کے ہر شرارے میں صد ہزار آتش کی طاقت ہوتی ہے۔ جو صوفی کو ٹکڑے ٹکڑے کیا صد ہزار ٹکڑے کر دیتی ہے پھر ان پہاڑوں اور آگ کے درمیان ایک صورت ہوتی ہے جس کا مشاہدہ اس صوفی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس حالت میں ایک نہایت ہی جمیل اور لطیف صورت پیدا ہوتی ہے اور ان ٹکڑوں کو اپنی طرف بلائی ہے۔ اور ہر ٹکڑہ دوڑ کر اسکی طرف آتا ہے۔ اسکے بعد قدرتِ حق اس سے بھی زیادہ قویٰ زیادہ مکمل اور زیادہ لطیف صورت حال میں دل حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور یہ بہشت ہے بلکہ ہزار بہشت بھی اس گھڑی پر قربان کر دی جائیں تو مستی ہے۔

بہ از انکہ چتر شاہی ہمہ عمرو ہا و ہوئے

بغراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے

حافظ

مقام وصل سے مقام عشق بلند ہے:

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے مشائخ عاشق تھے لیکن حضرت شیخ شہاب الدین سروردی کے مرید واصلین و عارفین تھے۔ لیکن عشق اور جہان ہے۔

آفاتِ طریقت :

آپ نے فرمایا عشق میں دو آفات ہیں۔ ایک آفتِ ابتدا دوسری آفتِ انتہا۔ آفتِ ابتدا یہ ہے کہ محبوب کی طلب میں اسے دل کے اندر اس قدر سوز و گداز ہوتا ہے کہ اس کے اندر گھر کر جاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اسے اس درد و غم سے لذت کامل حاصل ہونے لگتی ہے۔ اور محبوب کے وصال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس درد و غم کے سوا چارہ نہیں لہذا اس حالت پر قناعت کر لیتا ہے کچھ عرصہ بعد یہ درد و غم اسکی طبیعت بن جاتی ہے۔ اور وہ اسکا خوگر بن جاتا ہے اور ذوقِ درد نہیں رہتا اور نہ لذت حاصل ہوتی ہے اس طرح وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

آفتِ انتہائے عشق یہ ہے کہ جب محبوب کا وصال حاصل ہوتا ہے تو وصال کی لذت میں مشغول ہو جاتا ہے اور ہجر و فراق کی آگ بجھ جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد وصال اسکی عادت بن جاتی ہے اور ذوقِ وصال بھی جاتا رہتا ہے۔ اور ان دونوں حالتوں میں محبوب کی خاطر ذوق و شوق اور راحت و خوشی نہیں رہتی وصال بے ذوق اور لذتِ غم بغیر فراق کس کام کی ہے لہذا سالک ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اسکے پاس کچھ نہیں رہتا۔ جب عشق چلا جاتا ہے تو وہ ذوقِ جمالِ محبوب سے محروم ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اگرچہ وصال ہوتا ہے ذوق نہیں ہوتا جس سے وہ راحت حاصل کرے۔ خالی وصال کس کام کا ہے؟

عشق بر خور دار کیا ہے :

لیکن عشق بر خور دار (کامیاب) یہ ہے کہ ابتدائی حالت میں لذتِ فراق، ذوقِ الم اور ہجر کی آگ (حرقت ہجر) میں مشغول رہے۔ اور انتہا میں وصال جس قدر زیادہ ہو اسکا ذوق و شوق بھی زیادہ تر ہوتا جائے۔ اور درد پر درد کا اضافہ ہوتا جائے اور ذوق حاصل ہو۔ یہ وہ

عاشق ہے کہ جسکی عاقبت بالآخر ہوتی ہے وہ اپنے عشق سے برخوردار ہوتا ہے اور حظِ کامل حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ عارف اسے نقصان کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ لیکن ذوق اسی میں ہے۔ شرط یہ ہے کہ نظر نفع و نقصان پر نہ ہو۔

انتہائے عشق والی آفت کی ایک مثال :

آپ فرماتے ہیں کہ عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ ”کامل کو ذوقِ سماع نہیں ہوتا“ لیکن یہ وہ کامل ہے جسے انتہائے عشق والی آفت لاحق ہو گئی ہے اور اسے ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یعنی وصال اسکی عادت بن گئی ہے ذوق مفقود ہو گیا ہے اور صوفی سرد پڑ گیا ہے۔ انتہائے محمود یعنی وہ انتہا جو آفت عشق کی دوسری قسم سے محفوظ ہے اس شعر میں عیاں ہے

عَجَبِے نِیست کہ سرگشتہ بود طالبِ دوست
عجب این است کہ من واصل و مجبورم

آپ نے فرمایا کہ سماع میں محمود حالت یہ ہے کہ بے خود نہ ہو جائے بلکہ باخود رہے یہ ہے کمالِ معرفت۔

حضرت مولانا جمال الدین مغربی کو قائل کرنا :

حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ کی معرفت کا کمال ذیل کی حکایت سے واضح ہوتا ہے۔ آپ نے جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ مولانا جمال الدین مغربیؒ جن کی عمر اسی سال تھی اور مرہے درمیان جبکہ میری عمر بیس سال تھی شیخ اکبر ابن عربیؒ کی کتاب فصوص الحکم کی ایک عبارت پر اختلاف رائے ہو گیا اور ہم دونوں چھ ماہ تک بحث کرتے رہے لیکن ایک دوسرے کو قائل نہ کر سکے۔ ایک دن مولانا جمال الدین نے کہا میر سید محمد ذرارک جاؤ۔ جونہی میں نے خاموشی اختیار کی انہوں نے مراقبہ میں گردن جھکالی۔ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر

اس کتاب کا بھی احقر راتم اعروف نے فارسی اردو میں ترجمہ کیا ہے جو مراحل طہامت میں ہے۔

کہنے لگے کہ میر سید محمد درویشوں کے درویش (سردار) ہیں۔ جس نے مجھے مسلمان کر دیا ہے۔ انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا کہ جو شخص آپ سے سلوک طے کریگا۔ بحر مخصوص بن جائے گا۔ میں بھی اچھا بولنے والا تھا۔ لیکن اس نے مجھے قائل کر دیا۔

شیخ اکبر سے اختلاف :

حضرت گیسو درازؒ کی معرفت اور بلندی مقام کا یہ کمال تھا کہ چند مضامین پر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ قدس سرہ سے بھی آپ نے اختلاف کرتے ہوئے خاتمہ تصوف میں لکھا ہے کہ اگر ابن عربیؒ میرے زمانے میں ہوتے تو میں ان کو اوپر لے جاتا اور بعض باتیں جو انہوں نے کہی ہیں نہ کہتے۔ یہ ہے کمال معرفت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ کا جو حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے غلامان کے غلام تھے۔ اس سے حضرت گنج شکرؒ کے مقام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت میر سید محمد مکیؒ:

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ایک اور خلیفہ حضرت میر سید محمد مکیؒ ہیں جو بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ شرفاء مکہ میں سے تھے۔ عرب سے ہندوستان آ کر آپ نے سرہند شریف میں سکونت کی۔ آپ کا مزار بھی وہاں ہے۔ آپ کے حالات تو بہت طویل ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ بڑے صاحب علم اور صاحب تصنیف تھے۔ آپ نے یہ کتب تصنیف فرمائیں۔ بحر المعانی۔ دقائق المعانی۔ حقائق المعانی۔ رسالہ روح۔ رسالہ پنج نکات۔ اور بحر الانساب۔

اپنے شیخ سے محبت اور عقیدت اور نیاز کا یہ حال تھا کہ آپ پانچوں وقت اپنے شیخ کا وضو کراتے تھے اور شیخ کے لئے استنجا کے ڈھیلے اپنے چہرہ پر رگڑ کر ملامت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے شیخ کی اجازت سے تین سو بیسی مشائخ کی صحبت اختیار کی اور فیض حاصل کئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں عبد مناف کے بھائی صفوان بن قیسر جو آنحضرتؐ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے کی ایک غار میں زیارت کی۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے انہوں نے طویل عمر پائی۔ جب میں نے ان کی زیارت کی تو اس وقت انکی عمر نو سو بیانوے سال تھی۔

حلاج کا مقام:

آپ بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ منصور حلاج پر تجلی ذاتی ہوئی تھی۔ اور افراد کے مقام پر فائز تھے۔ لیکن یہ فقیر کہتا ہے کہ اگر ان پر تجلی ذات ہوئی تو انہیں الحق بالکل نہ کہتے۔ اور حضرت بایزید بسطامیؒ بھی سبحانی ما اعظم شہانی نہ کہتے۔ کیونکہ تجلی ذات محویت ہے اسے کیا معلوم کہ میں کیا ہوں کون ہوں۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانَهُ اسی تجلی ذات کے متعلق ہے اور مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانُهُ یہ تجلی میں استغراق ہے۔

بحر المعانی میں آپ لکھتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مجھ سے سفر اور حضر میں سوال کرتے تھے لیکن میں ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ اب بھی دریافت کرتے ہیں تو واللہ میں نہیں بتاتا۔ نیز فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم نبوت اور علم ولایت میں کامل تھے لیکن خضر کے تین علوم کے متحمل نہ ہو سکے اور خضر میرے ان کلمات میں سرگردان ہیں پس اے محبوب چونکہ موسیٰ علیہ السلام تین اسرار الہی کے متحمل نہ ہو سکے۔ تم گدائے کوچہ محمدیؐ ہو۔ اس وجہ سے بحر المعانی کے تمام کلمات کے متحمل ہو گئے ہو۔ پس اگر موسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں ہوتے تو ان سے کہا جاتا جو کہا جاتا۔ یہ ہے غلامانِ غلامِ خواجہ گنج شکر کا مقام۔

بحر المعانی میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سات محرم ۸۲۴ھ کو اس کتاب کا چھتیسواں باب لکھ رہا تھا اور اسرار عشق بیان کر رہا تھا کہ میری حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس وقت میں نے سرزانوں پر رکھا تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد قبا میں تمام صحابہ کرام اور اولیاء اللہ یعنی حضرت علیؑ سے لیکر قطب عالم حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ تک کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ آنحضرتؐ نے فارسی زبان میں فرمایا۔

”اے فرزندِ من! لم یزل ولا یزال بحر المعانی را بیار“

میں نے فوراً چھتیس مکتوب پیش کر دیے۔ آنحضرتؐ نے نبوت کی سرعت سے اسے فوراً پڑھ کر فرمایا۔

الحمد لله الذی انہمک یا ولدی عالم الاسرار

اے میرے بیٹے شکر ہے خدا کا جس نے تجھے عالم اسرار میں منہمک کیا ہے۔

اسکے بعد فرمایا:

اَزْشَدِّكَ اللّٰهُ فِي زِيَادَةِ عِلْمِكَ (اللہ تمہارے زیادتی علم میں برکت دے)

اور پھر فارسی زبان میں فرمایا:

”اے یارانِ ابنِ مصنف، بحر المعانی مردیست کہ جمیع کلام مجید را معانی حقیقت بیان کند و اگر علم از روئے زمین ہمیں شستہ شود و یک ورق نماندہ باشد و این شخص قلم بردست گیرد ہمہ علم را از سر نو بنویسد۔ فرمان شد کہ اے فرزندِ مستِ لم یزل و لایزال بیش ازین اسرار در صحرا منہ کہ امور شریعت در جہاں قصور پریرد و اہل شریعت را در خواطر نفور گیرد۔ پس من نیز قبول کردم و بحر المعانی را ہم ازین مکتوب سی و شش با تمام رسانیدم۔“

اے یاران! بحر المعانی کا یہ مصنف وہ مرد ہے جو تمام قرآن مجید کے باطنی مطالب بیان کرتا ہے۔ اور اگر تمام روئے زمین کا علم دھل جائے اور ایک ورق بھی باقی نہ رہے تو یہ شخص قلم ہاتھ میں لیکر تمام علم کو از سر نو لکھ سکتا ہے۔ اسکے بعد فرمان ہوا کہ اے فرزندِ مستِ لم یزل و لایزال اسکے بعد رموزِ حقیقت نہ بکھیر کیونکہ اس سے امور شریعت میں خلل واقع ہوتا ہے اور اہل شریعت کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ پس میں نے سر تسلیم خم کیا اور کتاب کو ان چھتیس بابوں پر ختم کیا۔“

یہ ہیں کمالات حضرت میر سید محمد مکیؒ کے جو حضرت گنج شکر قدس سرہ سے تیسری پشت پر تھے۔ اب آپ حضرت گنج شکر کے مقامات اور کمالات کا اندازہ خود کر سکتے ہیں۔



شہراوچ شریف ضلع بہاول پور کی تحصیل احمد پور شرقیہ میں واقع ہے جو شہراحمد پور سے تیرہ میل مغرب کی جانب دورا حقر اقم الحروف کے شہر اللہ آباد سے شمال کی جانب بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس شہر میں قدیم زمانے میں مشائخ قادریہ اور سروردیہ کے مزارات ہیں۔ قادریہ سلسلہ کے مزارات میں سے حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ کا مزار زیادہ مشہور ہے سروردیہ مشائخ میں سے سب سے پہلے حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری گل سرخ ہیں جو حضرت شیخ شہاب الدین سروردی کے مرید تھے جنکو بعد میں خرقہء خلافت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ سے حاصل ہوا۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری ثانیؒ آپ کے پوتے ہیں جنکو سلسلہ عالیہ سروردیہ میں خلافت حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی سے حاصل ہوئی جو حضرت شیخ صدر الدین کے بیٹے اور خلیفہ تھے اور آپ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جلال الدین بخاری ثانیؒ کو دوسری خلافت سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ قدس سرہ سے ملی تھی وہ اس طرح کہ جب حضرت مخدوم جلال الدین بخاری اسلامی دنیا کی سیر کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام عبداللہ یافعیؒ نے آپ سے کہا کہ اس وقت شیخ نصیر الدین محمود نے دہلی میں چراغ روشن کر رکھا ہے ان سے فیض حاصل کرو۔ اسی روز سے حضرت شیخ کالقب چراغ دہلی ہو گیا۔

حضرت مخدوم سید جلال الدین ثانیؒ بڑے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ اور آپ کے مساعی جمیلہ سے بہاول پور۔ بیکانیر۔ جیسلمیر اور سندھ کے علاقوں میں بیشتر کفار مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کے کمالات کا مفصل ذکر مرآة الاسرار میں آیا ہے۔ صاحب مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ جب حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ جو اپنے زمانے کے غوث الوقت تھے حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے راستے میں مخدوم جلال الدین جہاں گشتؒ کی خدمت میں اوچ شریف پہنچے تو حضرت مخدوم نے ان سے کہا کہ کل اس وقت میرے پاس آنا۔ جب دوسرے دن انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ کمرے میں ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوا پڑا ہے اور ہر عضو مختلف زبانوں میں تسبیح بیان کر رہا ہے جب انہوں نے جا کر اسلام علیکم کہا تو

اعضای جمع ہو گئے اور آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ آج ہم نے تم کو فلاں قطبیت کا فیضان دیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کل پھر اسی وقت آتا۔ جب دوسرے دن پہنچے تو دیکھا کہ حضرت مخدوم کا جسم اس قدر وسیع اور کبیر ہو چکا تھا کہ پورا کمرہ آپ سے بھر گیا تھا بلکہ کھڑکیوں سے گوشت باہر نکل رہا تھا۔ جب آپ نے اسلام علیکم کہا تو آپ کی حالت معمول پر آگئی اور فرمایا کہ آج ہم نے تجھے فلاں قطبیت کا فیضان دیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کل پھر آتا۔ جب تیسرے دن آپ پہنچے تو دیکھا کہ آپ کا جسم شیشے کی طرح لطیف ہے۔ اس دفعہ آپ نے فرمایا کہ آج ہم نے تجھے فلاں قطبیت کا فیضان دیا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت مخدوم جلال الدین نے خود تین یا چار سو مشائخ سے خلافت حاصل کی تھی۔ آپ نے ساری اسلامی دنیا کا سفر کیا اس لئے آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے مشہور ہیں۔ سیر و سیاحت کی وجہ سے آپ کارنگ سیاہی مائل ہو چکا تھا جب آپ مدنیہ منورہ پہنچے تو لوگوں کو شبہ ہوا کہ آپ آل رسول نہیں ہیں لیکن جب آپ نے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر اسلام علیکم یا جدی کہا تو اندر سے آواز آئی و علیکم اسلام یا ولدی و انت امام المسلمین۔ یہ سن کر سارا شہر آپ کی سیادت اور بزرگی کا قائل ہو گیا اور بڑی عزت و احترام سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ جتنے تبرکات نبویؐ لوگوں کے پاس تھے وہ انہوں نے حضرت مخدوم کے حوالہ کر دئے چنانچہ اوج شریف جامع مسجد دہلی اور بادشاہی مسجد لاہور میں جتنے تبرکات موجود ہیں سب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لئے ہوئے ہیں۔

آپ کی بلند پایہ کتب کے مصنف بھی ہیں جن میں سے الدر المنظوم، خزینہء جلالی اور مناقب قطبی زیادہ مشہور ہیں سلطان فیروز تغلق آپ کا عقیدہ تہمتد مرید تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی بھی آپ کا راج العقیدہ مرید تھا۔

خلفاء :

مخدوم سید جلال الدین بخاری ثانی کے خلفاء یہ ہیں۔ آپ کے برادر خورد حضرت صدر الدین راجو قتال، حضرت شیخ انجی راج گیری، حضرت قوام الدین جو حضرت چراغ دہلوی کے مرید تھے۔ اور خلافت آپ سے حاصل کی تھی۔ حضرت سراج الدین سوختہ۔

حضرت مخدوم صدر الدین راجو قال

آپ اپنے والد مخدوم احمد کبیر کے مرید و خلیفہ تھے اور ایک خرقہء خلافت اپنے بڑے بھائی حضرت مخدوم جلال الدین بخاری ثانی سے بھی حاصل کیا تھا۔ آپ کی مشغولی بحق کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ استغراق میں رہتے تھے چنانچہ حضرت مخدوم جلال الدین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے خلقت کے ساتھ مشغول کیا ہے اور شیخ راجو کو اپنے ساتھ۔ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ منہ سے جو کچھ نکلتا تھا فوراً ہو جاتا تھا۔ آپ کا مزار مبارک اوچ شریف میں ہے۔

شیخ سراج الدین سوختہ :

آپ بھی حضرت مخدوم جمانیاں کے پیارے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ سراج الدین جب تک بیت اللہ کو نہیں دیکھ لیتا تکبیر تحریمہ نہیں کہتا۔

حضرت شیخ انخی راج گیری :

آپ کا اسم گرامی جمشید تھا۔ لیکن چونکہ حضرت مخدوم جمانیاں آپ کو انخی (بھائی) کہتے تھے آپ انخی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کا توکل حد درجہ کا تھا۔ اور تمام دنیا سے آزاد تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب انبیاء نبی اسرائیل سے جا ملتا ہے۔ حضرت مخدوم نے آپ کو جون پور بھیج دیا تھا۔ آپ کا قرب حق اس قدر بڑھ چکا تھا۔ کہ حضرت مخدوم کو غیبی اشارہ ہوا کہ ان سے دعا کرائیں۔ اس سے آپ کے مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت شیخ قوام الدین :

آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مرید تھے۔ لیکن خلافت حضرت مخدوم جمانیاں سے حاصل کی۔ آپ بڑے صاحب کمال تھے۔ اور شیخ راجن قال کے محرم راز تھے۔ حضرت شیخ محمد مینا جن کا مزار مبارک لکھنؤ میں ہے۔ شیخ قوام الدین کے تربیت یافتہ تھے۔ لیکن کم عمر ہونے کی وجہ سے آپ کو اپنے خلیفہ شیخ سارنگ کے حوالے کر گئے تھے۔

حضرت شیخ سارنگ :

آپ حضرت شیخ قوام الدین کے خلیفہ تھے اور بہت باکمال بزرگ تھے آپ اہل ہنود کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب اسلام قبول کیا تو آپکی ہمیشہ کا عقد نکاح سلطان فیروز شاہ تغلق سے ہوا۔ آپ کا شمار بادشاہ کے اراکین سلطنت میں ہوتا تھا۔ ولایت مانوہ میں شہر سارنگ پور آپ کا آباد کیا ہوا ہے۔ آپ شروع میں ملک سارنگ کے نام سے مشہور تھے۔ جب مخدوم جہانیاں اور حضرت شیخ صدر الدین راجو قال اوج شریف سے دہلی تشریف لے گئے اس وقت ملک سارنگ ایک صاحب جمال نوجوان تھے۔ سلطان فیروز شاہ اکثر کھانا وغیرہ ملک سارنگ کے ہاتھ حضرت مخدوم کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ملک سارنگ نے کھانا حضرت مخدوم جہانیاں اور حضرت راجو قال کے ساتھ بیٹھ کر کھایا تو نور معرفت آپ کے دل میں سرایت کر گیا۔ اور آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ چند روز کے بعد شیخ قوام الدین سے بیعت کر لی۔ ایک دفعہ بال بچوں سمیت پاپادہ حج کو روانہ ہوئے تو شاہی مزاج کی وجہ سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ اور قافلے سے پیچھے رہ گئے۔ تین دن کے بعد اپنے اہل و عیال سے کہا کہ آنکھیں بند کر دو اور میرے پیچھے تین قدم چلو۔ جب تین قدم چلنے کے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو قافلے کے قریب پایا۔ اور منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد گھر واپس آئے اور شیخ یوسف بدھ ارجی کی خدمت میں رہنے لگے اور خلافت پائی۔ اسکے بعد خلق خدا سے تنگ آ کر ویرانے میں سکونت اختیار کر لی۔ اس جگہ پر اب شہر سارنگ پور آباد ہے۔ اس اثنا میں حضرت مخدوم راجن قال نے بھی مشائخ چشتیہ اور سروردیہ کا خلافت نامہ آپ کے گھر بھیج دیا۔ اگرچہ سلاطین وقت نے کئی ہزار بیگھے اراضی لشکر کے لئے وقف کی لیکن آپ نے قبول نہ فرمائی اور کہا کہ اس بلا سے ابھی نجات ملی ہے دوبارہ گرفتار نہیں ہونا چاہتا۔ پس آپ نے ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی اور ہمت و استقلال سے رہے۔ آپ کے کلمات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ محمد مینا جیسے بڑے مشائخ آپ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

حضرت شیخ محمد مینا:

حضرت شیخ محمد مینا چشتی صاحب ذوق و سماع تھے۔ اور مسلک مشائخ چشت کو بوجہ احسن پھیلا یا۔ آپ کا نزول بہت قوی تھا۔ مطلب یہ کہ شان بقبالہ پر آپ ثابت قدم تھے۔ اور استغراق سے بالاتر تھے۔ یہ بہت بڑا مقام ہے۔ آپ اپنے زمانے کے قطب تھے۔ اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ مخدوم صفی شاہی پوری اور مخدوم سعد خیر آبادی حضرت شیخ محمد مینا کے خلفا تھے۔ جو بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ حضرت میر سید خور دزید پوری حضرت مخدوم سعد خیر آبادی کے مرید و خلیفہ تھے یہ سلسلہ زمانہ حال تک بفضلہ تعالیٰ جاری ہے۔ لیکن تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے دوست پروفیسر یوسف زاہد فیصل آبادی کو اسی سلسلہ عالیہ میں خلافت حاصل ہے۔ پروفیسر صاحب کو زبان فارسی میں کمال حاصل ہے اور شعر بھی کہتے ہیں۔ آج کل آپ مشائخ عظام کا عارفانہ کلام جمع کر رہے ہیں۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے۔

حضرت شیخ اختیار الدین:

آپ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ شیخ محمد شادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ یوسف بدھ ایرجی نے شیخ اختیار الدین سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا وصال سماع میں ہوا۔ شیخ یوسف نے امام غزالی کی کتاب منہاج العابدین کا ترجمہ کیا ہے۔ شیخ سارنگ نے بھی شیخ یوسف بدھ سے ایک خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور رسالہ مکیدہ آپ سے پڑھا۔

میر سید اللہ:

آپ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے پوتے مرید اور خلیفہ ہیں شیخ اشرف جہانگیر سمنانی آپ کے ہم عصر تھے اور انکی ملاقات بھی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کو ایک حسینہ و جمیلہ عورت سے محبت تھی۔ جب شادی ہوئی تو اسے دیکھتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ جب دلہن نے انکو گلے لگایا تو وہ بھی جاں بحق ہو گئی۔ اور دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

آپ حضرت شیخ ید اللہ کے مرید و خلیفہ تھے شروع میں آپ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم جس جگہ عاشق ہوئے ہو ڈر کے مارے بتاتے نہیں ہو صاف بتا دو انہوں نے کہا کہ میں ایک ہندو عورت پر عاشق ہو گیا لیکن کسی طرح وصال نہیں ہوتا تھا آخر میں نے زنا رباندھا اور جب وہ بت خانہ کو عبادت کیلئے جاتی میں بھی چلا جاتا تھا تاکہ دیدار کر سکتا۔ یہ سن کر حضرت بندہ نواز نے ان کو بغل میں لیا اور فرمایا تو بڑا عالی ہمت ہے طریق عشق سیکھنے کا تجھ سے کون زیادہ مستحق ہے کہ تم نے ایمان جیسی چیز عشق مجازی پر قربان کر دی۔ آؤ اب ہم تجھے عشق حقیقی سکھاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے انکو حضرت خواجہ گنج شکر کے حجرہ میں جو حضرت خواجہ قطب صاحب کے احاطے میں ہے چلہ کا حکم دیا جس سے وہ انکشاف معرفت کے قابل ہو گئے۔ بندہ نواز کے وصال کے بعد آپ حضرت شیخ ید اللہ کے مرید ہوئے اور مرتبہ تکمیل کو پہنچے۔ چنانچہ حضرت شاہ جلال گجراتی جیسے شاہ باز آپ کے مرید ہوئے شیخ پیارا کا سلسلہ شاہ جلال گجراتی اور شیخ مصباح انعامین کے ذریعے بہت پھیلا۔

حضرت شیخ علاء الدین قریشی:

آپ بھی حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے مرید و خلیفہ ہیں آپ ترک و تجرید میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور ساری زندگی اسی طرح بسر کی۔ آپ کا مزار کالپی میں ہے۔

حضرت شیخ فتح:

آپ حضرت شیخ صدر الدین حکیم کے خلیفہ تھے جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔ آپ شیخ اودھی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ بڑے عالم تھے اور مدت تک درس دینے کے بعد آپ شیخ صدر الدین حکیم کے مرید ہوئے۔ کافی عرصہ مجاہدات کرتے رہے لیکن لطف نہ آیا۔ آخر اپنے شیخ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ درس بند کر دو۔ اور کتابیں کسی کو دیدو۔ اس سے آپ کا قلب ماسوی اللہ سے دور ہو گیا۔ اور علم باطنی نے قرار پکڑ لیا۔

شیخ قاسم اودھی:

آپ شیخ فتح اودھی کے خلیفہ تھے۔ آپ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام آدابُ السالکین ہے۔

شیخ محمد عیسیٰ تاج جونپوری:

آپ بھی شیخ فتح اللہ اودھی کے خلیفہ ہیں۔

مخدوم ابوالفتح جونپوری:

آپ اپنے داد قاضی مقتدر کے خلیفہ ہیں جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ ہیں۔ آپ فقراور ذوق سماع میں بے نظیر تھے۔ بادشاہ ابراہیم شرقی آپ کا بڑا معتقد تھا۔ جب آپ جونپور تشریف لے گئے تو دیوار کے سائے میں بیٹھے رہتے تھے۔ کافی مدت تک آپ نے فقر و فاقہ میں زندگی بسر فرمائی۔ آخر بادشاہ ابراہیم شرقی کو جب علم ہوا تو اس نے رہائش کا انتظام کر دیا۔

حضرت شیخ فخر الدین بجلورمی:

آپ حضرت ابوالفتح جونپوری کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا سلسلہ علاقہ لکھنؤ میں آج تک جاری ہے۔

شیخ عبدالسلام پراں:

آپ شیخ فخر الدین کے مرید و خلیفہ تھے آپ سیرِ معنوی میں بے نظیر تھے اس لئے آپ عبدالسلام پراں (اڑنے والے) مشہور ہو گئے۔

میر سید علاؤ الدین اودھیؒ:

آپ حضرت شیخ عبدالسلام پراں کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ بغداد سے چل کر طلبِ حق میں ہندوستان آئے۔ آپ بڑے صاحبِ سماع اور صاحبِ ارشاد تھے۔

شیخ محمد آبکش:

آپ شیخ ابوالفتحؒ کے مرید و خلیفہ تھے آپ توکل میں نہایت ثابت قدم تھے۔ شیخ اسماعیلؒ اور شیخ جہاںؒ آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا مزار جو نپور میں ہے اور وہاں کے صاحبِ ولایت آپ ہیں۔

شیخ حسام الدینؒ:

آپ شیخ عبدالمقتدرؒ کے مرید و خلیفہ ہیں جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے عالم اور محقق شاعر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ زہے صحبتِ مشائخ جہاں شیطان کا گزر نہیں ہو سکتا۔

ہاز میناز و سنے نام و نشان خواہ بود
 ہر مانا کہ رو بہ میر میناں خواہ بود
 ہر زینے کہ نشان کعبہ پائے بود
 سالہا سجدہ صاحب نظران خواہ بود

مشائخ گجرات (ہند)

حضرت خواجہ کمال الدین علامہ:

آپ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ قدس سرہ کے خلیفہ اور بھانجے تھے۔ آپ بہت بڑے عالم تھے اور تمام علوم اسلامیہ مثل تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اس لئے آپ علامہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ صاحبِ تکملہ سیر الاولیاء، حضرت مولانا گل محمد صاحب احمد پوری جو حضرت خواجہ محمد عاقل قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں سے بھی تھے فرماتے ہیں کہ مجالسِ حسینیہ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کمال الدینؒ کو حضرت سلطان المشائخ قدس سرہؒ نے بھی خلافت عطا فرمائی تھی۔ اس لئے حضرت چراغ دہلویؒ آپ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے۔ بندہ نواز گیسو درازؒ نے بھی اپنی تالیفات میں ان کے بہت مناقب بیان کئے ہیں اس لئے سلطان فیروز تغلق اور اس کے امراء و وزراء سب کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ آپ نے سات حج کئے۔ پہلی مرتبہ جب حج کو گئے تو حضرت سلطان المشائخؒ نے ان کو اپنی پوشاک پہنا کر روانہ فرمایا۔ وہاں سے آپ خراسان تشریف لے گئے اور مختلف سلاطین نے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔ اور بیش بہا تحائف پیش کئے۔ جب دہلی تشریف لائے تو سونے چاندی کے تحائف سے لدے ہوئے اونٹ ساتھ لائے۔ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کمال الدین یہ دنیا کہاں سے لائے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے راستے میں سنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخؒ رحلت فرما چکے ہیں اور شیخ نصیر الدینؒ ان کے سجادہ نشین ہوئے ہیں اگر خالی ہاتھ آتا تو برا لگتا تھا لہذا مال و دولت لایا ہوں تاکہ اسے علماء و صلحا پر خرچ کیا جاسکے اور تہجد کی زندگی بسر کر سکوں۔ مجالسِ حسینیہ میں لکھا ہے کہ

☆ کلمہ سیر الاولیاء کے مصنف حضرت مولانا گل محمد ہیں جن کا مزار احمد پور شرقیہ میں مرجعِ خلاق ہے۔ آپ نے اس کتاب میں اپنے زمانے تک تمام مشائخ کا حال بیان فرمایا۔ آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہے جو حضرت مولانا فخر دہلویؒ تک جا ملتا

حضرت مخدوم جلال الدین بخاریؒ نے شرح مشارق حضرت کمال الدین علامہ سے سبقاً پڑھی تھی ☆۔ مولانا شمس الدین اور مولانا جلال الدینؒ بھی شریک درس ہوتے تھے۔ تکملہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جمانیاں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ نے جو خلافت نامہ آپ کو عطا فرمایا تھا۔ وہ شیخ کمال الدینؒ نے تحریر کیا تھا۔ اور اس پر اپنے دستخط ثبت کئے تھے۔ مجالس حسینیہ میں آپ کی تاریخ وفات ۲۷/ ذیقعد ۷۵۶ھ ہے آپ کا مزار مبارک دہلی میں حضرت چراغ دہلویؒ کے قرب میں واقع ہے۔

حضرت شیخ سراج الدینؒ؛

مجالس حسینیہ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ سراج الدینؒ کو چار سال کی عمر میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے خلافت عطا ہوئی۔ اور بڑے ہو کر اپنے والد ماجد حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ سے بھی خلافت پائی۔ حضرت شیخ سراج الدین علامہ دہر اور زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ سلطان فیروز شاہ نے آپ کو گجرات سے دکن آنے کی دعوت دی اور سات ہزار روپے (تنکھ) زادِ راہ کے لئے پیش کیا لیکن آپ نے مشائخِ چشت کی سنت پر عمل کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا۔ مجالس حسینیہ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ جب حضرت مخدوم جمانیاں دہلی گئے۔ تو علماء کی ایک مجلس میں حضرت سراج الدینؒ بھی موجود تھے اور نہایت ادق سوالات کا جواب باسانی دے رہے تھے۔ جب مخدوم جمانیاں کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت شیخ کمال الدینؒ کے فرزند ہیں تو ان کے پاس جا کر معذرت چاہی کہ آپ کے ساتھ علمی بحث کی۔ نیز یہ بھی بتایا کہ میں آپ کے والد ماجد کے شاگردوں میں سے ہوں اور حضرت چراغ دہلویؒ نے جو منشور خلافت مجھے عطا فرمایا وہ آپ کے والد بزرگوار نے تحریر کیا تھا۔ یہ سن کر انہوں نے بھی معذرت کی اور فرمایا سبحان اللہ! کیسی عجب صحبت تھی۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۱ جمادی الاول ۸۱۷ھ ہے۔ مزار مبارک بمقام پٹن ضلع گجرات (ہند) قلعہ نہروالہ کے اندر ہے۔

☆ اس کتاب کے مصنف شیخ محمد بن شیخ حسن محمد ہیں۔

حضرت شیخ علم الدینؒ:

آپ نے خرقہ خلافت اپنے والد ماجد حضرت شیخ سراج الدینؒ سے حاصل کیا اور خلیفہ جانشین ہو کر والد کی مسند پر متمکن ہوئے۔ آپ نے ۲۶ صفر کو رحلت فرمائی سال وصال کا علم نہیں ہو سکا مزار پٹن میں ہے۔

حضرت شیخ محمود معروف بہ شیخ راجنؒ:

آپ حضرت علم الدینؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ سروردیہ میں بھی حضرت شیخ قارن الدین سروردیؒ سے خلافت حاصل تھی اور شیخ قارن الدین کو خلافت حضرت قاضی علم الدین سروردیؒ سے تھی جو حضرت مخدوم صدر الدین راجن قتالؒ کے خلیفہ تھے۔ قاضی علم الدین کا مزار اوچ ہی بتایا جاتا ہے لیکن معروف نہیں ہے۔
حضرت شیخ راجنؒ نے احمد آباد میں رحلت فرمائی لیکن پانچ ماہ بعد آپ کے جسد عنصری کو پٹن قلعہ نہروالہ میں منتقل کیا گیا۔ آپ کا وصال ۱۲/ صفر ۹۰۰ھ میں ہوا۔

حضرت شیخ جمال معروف بہ شیخ جمنؒ:

آپ حضرت شیخ راجنؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ کا وصال ۲۰/ ذوالحجہ کو ہوا اور اپنے والد کے پاس پٹن میں دفن ہوئے۔

حضرت حسن محمدؒ:

آپ شیخ احمد کے بیٹے تھے جو میاں جیو کے نام سے معروف تھے آپ حضرت شیخ کمال الدینؒ کی اولاد میں سے تھے۔ یعنی میاں جیو بن شیخ نصیر الدین بن شیخ مجدد الدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ کمال الدین۔ اس لحاظ سے آپ حضرت شیخ جمنؒ کے بھتیجے بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ مجالس حسینیہ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے خلیفہ شیخ محمدؒ نے جمع

کئے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر محمدی، تقسیم الاوراد، رسالہ چہار برادران، حاشیہ تفسیر بیضاوی اور حاشیہ قوت القلوب بر شرح مطالع، حاشیہ نزہت الاروح، زیادہ مشہور ہیں آپ کی تصانیف کی کل تعداد بیالیس ہے۔ آپ بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے۔ حضرت شیخ حسن محمدؒ کو سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ محمد غیاث نور بخشؒ سے بھی نسبت حاصل تھی۔ اور خرقہ خلافت ان سے حاصل کیا۔ چنانچہ نسبت قادریہ اب تک سلسلہ عالیہ چشتیہ میں جاری ہے۔ خلاصۃ الغوائد لکھا ہے کہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ نے اپنے بیٹوں کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل کر دیا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بڑی محنت کی ضرورت ہے اور حضرت غوث الاعظمؒ کا دامن بڑا فراخ ہے جس میں ہر شخص کے چھپنے کی گنجائش موجود ہے حضرت شیخ حسن محمدؒ کا وصال ۲۸/ ذیقعد ۹۸۲ھ کو ہوا۔

حضرت شیخ محمدؒ:

آپ حضرت شیخ حسن محمدؒ کے بیٹے اور خلیفہ تھے آپ جمیع کمالات ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ ۴۲ کتابوں کے مصنف تھے۔ تفسیر محمدیؒ آپ نے لکھی ہے۔ آپ کی تصنیف رسالہ الہامات ہے جس میں آپ نے نکات معرفت بیان فرمائے ہیں۔ آپ کی تاریخ وصال ۱۹/ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ ہے۔

حضرت یحییٰ مدنیؒ:

آپ حضرت محمدؒ کے بیٹے اور شیخ حسن محمدؒ کے پوتے ہیں۔ آپ نے خرقہ خلافت اپنے جد امجد سے حاصل کیا۔ آپ کا لقب محی الدین ہے۔ روایت ہے کہ آپ کو سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں فرمایا کہ:

”اے یحییٰ ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم ہمارے پاس مدینہ میں رہو“

اس بشارت کی بنا پر آپ گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں آپ کا دفن ہے تاریخ وصال ۲۸/ صفر ۱۱۲۲ھ ہے

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی:

آپ قریشی تھے۔ آپ حضرت یحییٰ مدنیؑ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ صاحب تصنیف ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سواع البسیل، تسنیم، عشرہ کاملہ، قرآن القرآن، مرقعہ شریف، مشکول کیلی شامل ہیں۔ جو مشائخ چشتیہ میں دستور العمل یا کتب درسیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور حقائق و معارف کا خزینہ ہیں۔ ہر سالک کے لئے ان کا مطالعہ باعث ترقی درجات ہے۔

جہاں آباد کے ایک مجذوب کے کہنے پر آپ نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور حضرت یحییٰ مدنیؑ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے تھوڑے عرصے کے بعد رخصت کر دیا۔ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو جو شخص آپ کو دیکھتا تھا یہی کہتا تھا کہ قطب عالم آرہے ہیں۔ جہاں آباد پہنچ کر آپ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ ایک حویلی کے مالک تھے جس کا کرایہ ڈھائی روپے ماہانہ ملتا تھا اور اس پر آپ کی گزاراوقات تھی۔ دو روپے ماہانہ آپ کا خرچ تھا اور آٹھ آنے ماہوار پر ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ بادشاہ فرخ سیر نے بارہا عرض کیا کہ آپ بیت المال سے کچھ قبول کر لیا کریں لیکن آپ ہمیشہ انکار کرتے تھے۔ اس نے آپ کی رہائش کے لئے ایک حویلی پیش کیا تو وہ بھی آپ نے مسترد کر دی۔ بادشاہ نے حاضر خدمت ہونے کی التجا کی تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ جمعہ کے دن نماز کے لئے جاتے تھے۔ بادشاہ بھی مسجد میں موجود ہوتا تھا لیکن اس کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ بلا اجازت حاضر خدمت ہو سکے اس سے ظاہر ہے کہ حقیقت میں بادشاہ کون تھا۔

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی تاریخ وصال ۲۴/ربیع الاول ۱۱۴۲ھ ہے اور مدفن دہلی ہے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں نسبت و خلافت حاصل ہوئی تھی۔

حضرت شیخ نظام الدین:

آپ حضرت صدیق اکبرؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ آپ کے ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے۔ جن میں اکثر صاحب حال اور اہل کمال تھے۔ آپ حضرت شیخ

کلمہ اللہ جہاں آبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ نے آپ کو خلافت دیکر دکن بھیج دیا۔ آپ کے اقوال رسالہ نظام الثلوب میں درج ہیں۔ اس رسالہ میں ذکر پاس انفاس کے متعلق لکھتے ہیں۔

”اگر تم مرد عاقل ہو تو ذکر ”پاس انفاس“ جاری رکھو۔ دونوں جہاں ایک لمحہ میں تمہاری ملکیت ہو جائیں گے۔ مشغل پاس انفاس مردان خدا کے ہاتھ کی ایسی تلوار ہے کہ جس سے شیطان خناس کی گردن کٹ جاتی ہے تیرے لئے سارے جہان میں صرف ایک حرف کافی ہے کہ تیرے سینے میں اسم الہی کے سوا کوئی سانس باہر نہ آئے۔ اگر تو پاس انفاس پر عمل کرتا رہے گا تو اس کی بدولت سلطان جہاں ہو جائے گا۔“

”مشغل پاس انفاس“ کرنے کے کئی طریقے ہیں سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ سانس اندر جاتے وقت اسم مبارک اللہ دل میں کہے (نہ کہ زبان سے) اور سانس باہر جاتے وقت لفظ ”ہو“ دل میں کہے۔

آخر عمر میں آپ پر استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۴/ ذی قعدہ ۱۱۶۲ھ ہے۔ مدفن دہلی ہے۔

حضرت مولانا فخر الدین:

آپ حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی کے فرزند اور خلیفہ ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی اولاد میں سے تھیں۔ آپ عالم متبحر تھے۔ آپ نے نصوص الحکم میاں محمد جان سے پڑھی تھی جن کو شیخ الاکبر کی کتب پر عبور حاصل تھا۔ یہاں تک کہ آپ ادق مسائل کے مطالب آنکھیں بند کر حضرت ابن عربی سے بطور کشف حاصل کر لیتے تھے۔ آپ نے فقہ مولانا عبدالحکیم سے پڑھا جو اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ آپ نے حدیث کی سند دکن کے مشہور محدث سافا اسعد انصاری المکی ثم اورنگ آبادی سے حاصل کی۔ جو شیخ کردی کے شاگرد تھے۔ شیخ کردی کے حالات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انفاس العارفين میں لکھے ہیں۔

فوج میں ملازمت :

ضرورت وقتی کے تحت آپ نے فن حرب سیکھا اور کافی مدت تک فوج میں رہے۔ فوج میں آپ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمت یار خان کے ساتھ رہتے تھے جو بڑے سپہ سالار تھے۔

دہلی میں خانقاہ کا قیام :

اس کے بعد آپ دہلی چلے گئے اور سلسلہ رشد و ہدایت شروع کیا اور دور دور سے لوگ آ کر شرف بیعت حاصل کرنے لگے۔

دہلی سے آپ نے پاپیادہ پاک پٹن شریف کا سفر کیا حتیٰ کہ پاؤں میں آبلے پڑ جاتے تھے اور آپ مہندی لگا کر آرام حاصل کرتے اور پھر روانہ ہو پڑتے۔ اس وقت پاک پٹن شریف میں حضرت شیخ محمد یوسف دیوان مسند نشین تھے۔ انہوں نے نہایت محبت سے برتاؤ کیا اور مزار شریف کے قریب ایک حجرے میں رہائش کا انتظام کیا۔ جہاں آپ ہر شب ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

درس و تدریس :

دہلی واپس آ کر آپ نے اجمیری دروازے میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ مدرسہ غازی الدین دکنی کا جاری کردہ تھا جو بعد میں آپ کے ہاتھ پر مرید ہوئے بادشاہ بہادر شاہ ظفر بھی آپ کے سلسلے میں مرید تھا۔ نواب غازی الدین دکنی بڑے بلند پایہ ولی اللہ ہوئے ہیں۔ جن کا مزار اب ضلع بہاول پور کے شہر خیرپور ٹامی والی میں واقع ہے نواب غازی الدین دکنی یہ غزل مجالس میں سماع کی رونق ہے۔

خوبی جلوه دیدار تو سبحان اللہ
مطلع لمحہ انوار تو سبحان اللہ
جان بکف خیل خریدار بہر سوئے جمع اند
یوسف رونق بازار تو سبحان اللہ
شان حسن است نمایاں از خط مشکینت
آیت مصحف رخسار تو سبحان اللہ
صدولے مردہ شود زندہ بلطف سحنت
معجز لعل شکر بار تو سبحان اللہ

تصانیف :

آپ کی تصانیف میں یہ تین کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ نظام العقائد۔ رسالہ مرجیہ۔
فخر الحسن۔

نظام العقائد پاک پتن شریف کے لوگوں کے اصرار پر لکھی گئی جس میں آپ نے امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق تمام عقائد اہل سنت والجماعت کی وضاحت فرمائی ہے۔ رسالہ مرجیہ میں آپ نے نہایت ہی اہم مسئلہ کی تشریح فرمائی۔ یہ رسالہ درحقیقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی کتاب غنیۃ الطالبین کے ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے جس میں حضرت غوث الاعظم نے حنیفہ کو فرقہ مرجیہ کہا ہے حالانکہ فرقہ مرجیہ عقائد اہل سنت و جماعت کے نزدیک گمراہ فرقہ قرار دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے آج کل ہمارے اہل سنت و جماعت کے علماء یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کتاب غنیۃ الطالبین حضرت غوث الاعظم کی تصنیف نہیں ہے۔ حالانکہ یہ امر مشائخ اسلام کے نزدیک محقق ہے کہ یہ کتاب آپ کی تصنیف ہے۔ اس احقر اتم الحروف نے اس مسئلہ کا حل یوں نکالا کہ لاہور میں مولوی شمس الدین کے مکتبہ میں غنیۃ الطالبین کا ایک مصری عربی نسخہ موجود پایا جس میں لکھا ہے کہ۔

”بعض اصحاب حنیفہ عقائد مرجیہ کے قائل ہیں“

لیکن برصغیر میں جو نسخے پائے جاتے ہیں ان میں فقط ”بعض“ نہیں ہے اور صرف یہ لکھا کہ ”اصحاب حنیفہ مرجیہ عقائد رکھتے ہیں۔ اور لفظ ”بعض“ کے ہونے یا نہ ہونے سے مطالب میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔

فرقہ مرجیہ :

یاد رہے کہ فرقہ مرجیہ وہ ہے جو حق تعالیٰ کی رحمت کے اس غلبہ سے قائل ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے اور عقائد کو بنائے ایمان اور بنائے اسلام سمجھتے ہیں عمل کو نہیں۔

حضرت مولانا فخر الدین کی تشریح :

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس مرہ نے اس گتھی کو کیسے سلجھایا ہے۔ اس کے لئے ہم یہاں کتاب تاریخ مشائخ چشت مصنفہ خلیق احمد نظامی صاحب کا اقتباس نقل کرتے ہیں جو بہت مختصر لیکن جامع ہے آپ لکھتے ہیں۔

”حضرت شاہ فخر الدین“ صاحب نے اس پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت غوث الاعظمؒ ہی کا کلام ہے لیکن اس جملہ سے ان کا اصلی مقصد وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے لکھا ہے کہ فرقہ مرجیہ نے رحمت الہی کے غلبہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور مضمون غضب (الہی) کو فراموش کر دیا ہے اور حنفیہ فی الجملہ رحمت کو غلبہ دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے انہوں نے (حضرت غوث الاعظمؒ نے) حنفیہ کا ذکر فرقہ مرجیہ میں کیا ہے لیکن حنفیہ اس قدر رحمت کو غلبہ نہیں دیتے جیسا کہ دوسرے فرقہ مرجیہ دیتے ہیں۔ اس سبب سے زائع عن الحق (حق سے ہٹے ہوئے) نہیں ہیں“

حضرت مولانا فخر الدین کی تیسری کتاب بھی اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں آپ نے شاہ ولی اللہ کے ایک بیان کی تردید کی ہے۔ یہاں بھی ہم تاریخ مشائخ چشت کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو مختصر اور جامع ہے وہ یہ ہے۔

”شاہ ولی اللہ“ نے رسالہ انتباہ میں یہ اعتراض کیا ہے کہ سلسلہ چشتیہ حضرت علیؑ سے متصل نہیں ہوتا کیونکہ خواجہ حسن بصریؒ حضرت علیؑ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے۔ اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی۔ شاہ فخر الدین نے فخر الحسن میں اس بیان کی تردید کی ہے اور محدثانہ کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کو حضرت علیؑ سے خلافت ملی تھی اور یہ اعتراض غلط ہے۔ شاہ فخر الدین کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی یہاں تک کہ مولانا عبدالعلی بحر العلومؒ نے جب اس رسالہ کو دیکھا تو فرمایا کہ حسن اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے لیکن یہ تحقیق جو مولانا فخر الدین نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔ فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتب اور

شروح کے علاوہ ان کتابوں کے حوالہ جات بھی موجود ہیں جن سے آپ کے علمی تبحر اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً (۱) تاریخ صغیر بخاری (۲) تہذیب الکمال منی (۳) شروطہ الائمه حازی (۴) تہذیب الاسماء واللغات نووی (۵) سنن کبریٰ بیہقی (۶) تاریخ خطیب بغدادی (۷) حلیۃ الاولیاء (۸) تقریب نووی (۹) تاریخ الاسلام ذہبی (۱۰) مرآة الحنان یافعی (۱۱) سنن دارقطنی (۱۲) کتاب الثقات ابن حبان (۱۳) فتح الباری (۱۴) تدریب الراوی (۱۵) منهاج السنۃ۔

اس عملی بحث کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ ”میں نے ستر اصحاب بدر کی زیارت کی ہے جو صوفیہ پہنتے تھے۔ تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ حضرت علیؒ بھی جنگ بدر میں شریک تھے اس وقت آپ کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی۔ آپ جیسے نو عمر صحابی یقیناً ان ستر اصحاب بدر میں شامل ہوں گے جن کی حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے زیارت کی۔ نیز تاریخ کے اعتبار سے حضرت حسن بصریؒ کا سن ولادت ۲۰ھ ہے یہ حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا۔ اور حضرت علیؒ کا سن وصال ۴۰ھ میں ہوا ہے۔ اس لحاظ سے بھی حضرت علیؒ کے وصال کے وقت حضرت حسن بصریؒ کی عمر بیس برس تھی اور بیس برس کی عمر میں اکثر مشائخ طریقت کو خلافت ملی ہے بلکہ اس سے بھی کم کی مثالیں کتب سیر میں ملتی ہیں چنانچہ خود حضرت مولانا فخر الدینؒ کو ۱۶ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے خلافت ملی۔ تفصیل کے لئے کتاب فخر الحسن کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا امور سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا فخر الدینؒ نے تحقیق کے میدان میں کتنے اہم کارنامے انجام دیئے یا در ہے کہ آپ کا زمانہ شاہان مغلیہ کا آخری دور تھا جو نہ صرف سیاسی انحطاط کا دور تھا بلکہ علماء سوء اور مکار صوفیوں نے عقائد اسلامیہ کو بھی مسخ کر دیا تھا اس زمانے میں حضرت مولانا فخر الدینؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا گھرانہ منار نور بن کر لوگوں کی راہنمائی کر رہے تھے۔ کیونکہ اتباع شریعت میں قولاً اور فعلاً حضرت مولانا فخرؒ کی زندگی ایک نمونہ تھی اور مشعل راہ بن کر لوگوں کی ہدایت کر رہی تھی۔

اس زمانے میں اگرچہ شیعوں کا زور تھا اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں جو آپ کے

ہمعصر تھے شیعوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے تاہم حضرت مولانا فخر الدینؒ کی شخصیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ شیعہ حضرات آپ سے بیعت ہو کر تائب ہوتے تھے اور مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کرتے تھے۔

دہلی کے ارباب حکومت میں بھی آپ کا بڑا اثر تھا اور دہلی کے امراء وزراء اور روساء آپ کے مرید تھے سلطان شاہ عالم آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ نے بادشاہ کو کئی مرتبہ خطوط لکھ کر ملک کی بد حالی کی طرف توجہ دلائی اور معاشرہ کی اصلاح میں ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے۔

بادشاہ بہادر شاہ ظفر کم عمری کی وجہ سے مرید نہیں ہو سکا تھا لیکن آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند اور جانشین حضرت مولانا قطب الدین سے بیعت کی۔ چنانچہ بہادر شاہ ظفر اپنے ایک شعر میں یوں عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔

مرید قطب دین ہوں خاک پائے فخر دین ہوں۔ اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمترین ہوں۔

غرضیکہ حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کے ہاتھوں سے جو خلق خدا کو ہدایت نصیب ہوئی اور بیشمار اولیاء اللہ آپ کے فیض نظر سے وجود میں آئے اس کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کو آپ کے وجود مسعود سے نشاۃ الثانیہ حاصل ہوئی تو بالکل صحیح ہو گا۔

خلفاء :

صاحب تاریخ مشائخ چشتیہ نے حضرت مولانا فخر دہلوی قدس سرہ کے خلفاء کی تعداد چالیس سے زائد لکھی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ جو آپ کے فرزند اور خلیفہ جانشین تھے۔ ۲۔ حضرت خواجہ نور محمدؒ مہارویؒ۔ ۳۔ حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ۔ حضرت مولانا ضیاء الدینؒ
- ۴۔ حاجی لعل محمدؒ۔ ۵۔ حضرت مولانا جمال الدین رام پوریؒ۔ ۶۔ سید بدیع الدینؒ۔
- ۷۔ مولوی نور اللہ۔ ۸۔ مولوی مکرمؒ۔ ۹۔ مولوی فرید الدین۔ ۱۰۔ مولوی روشن علی۔

- ۱۱۔ مولوی حسن علی۔ ۱۲۔ خواجہ محمد غوث نبیرہ شاہ کلیم اللہ۔ ۱۳۔ حضرت محمد غوث
 کرتار پور۔ ۱۴۔ حاجی خدا بخش۔ حضرت قطب الدین شرقی۔ ۱۵۔ میاں عبداللہ۔
 ۱۶۔ حضرت سید احمد۔ ۱۷۔ مولوی عبدالوہاب بیکانری۔ ۱۸۔ مولوی محمد صالح۔
 ۱۹۔ مولوی علاؤ الدین۔ ۲۰۔ شیخ محمد زمان۔ ۲۱۔ حضرت شاہ مراد۔ ۲۲۔ حافظ سعد
 اللہ۔ ۲۳۔ ملاں گل محمد۔ ۲۴۔ سید قمر الدین منت۔ ۲۵۔ مولانا فتح اللہ۔
 ۲۶۔ صوفی محمد یار۔ ۲۷۔ حاجی محمد واصل۔ ۲۸۔ سید محمد میر۔ ۲۹۔ مولانا عظیم
 الدین۔ ۳۰۔ میاں محمد امان۔ ۳۱۔ خلیفہ محمد نپاہ۔ ۳۲۔ مولوی عظمت اللہ۔
 ۳۳۔ رفیع الدین خان۔ ۳۴۔ شاہ محمد اعظم۔ ۳۵۔ شیخ غلام فرید چشتی۔ ۳۶۔ میر
 محمد عظیم۔ ۳۷۔ مولانا ظہور اللہ۔ ۳۸۔ میاں عصمت اللہ۔ ۳۹۔ حاجی احمد۔
 ۴۰۔ شاہ قمر الدین۔ ۴۱۔ شاہ روح اللہ۔ ۴۲۔ سید شریف۔ ۴۳۔ مولانا حسن
 علی۔

ان حضرات میں حضرت خواجہ قطب الدین نے دہلی۔ حضرت خواجہ نور محمد نے
 پنجاب، حضرت شاہ نیاز نے یوپی۔ حضرت حاجی لعل محمد نے اطراف دہلی، حضرت مولانا
 جمال الدین نے علاقہ رام پور اور مولانا ضیاء الدین نے جے پور میں سلسلہ عالیہ کی نشرو
 اشاعت میں بڑی جدوجہد سے کام لے کر لاکھوں دشت گان حقیقت کے قلوب کو سراب
 کیا اور اسلام کا دائرہ عمل وسیع کیا۔ جے پور میں مدرسہ ضیاء العلوم اب تک جاری ہے۔

حضرت میر محمدی:

حضرت مولانا فخر دہلوی کے خلفاء میں سے حضرت میر محمدی نے دہلی میں بڑے کارہائے
 نمایاں انجام دیئے۔ شاہی خاندان کی اصلاح و تربیت ان کے سپرد تھی۔ ہر وقت ان کے ہاں
 شہزادوں کا جمگٹھا لگا رہتا تھا۔ بہادر شاہ ظفر بھی اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے
 تھے۔ اور دھوم دھام سے ان کی سواری خانقاہ معلیٰ تک جاتی تھی۔ مرزا سلیم بن اکبر شاہ ثانی
 بھی آپ کا مرید تھا۔ مرزا نجستہ بخت بن شام۔ میران شاہ محمد بن بہادر شاہ ظفر۔ میر جلال

الدین۔ مولوی گل محمد۔ مولوی نوازش علی۔ شیخ ابراہیم ذوق اور مرزاروش بخت آپ کے اکابر مریدین میں سے تھے۔

اگر ان تمام خلفاء کے کارنامے بیان کئے جائیں تو کئی ضخیم کتابیں وجود میں آجائیں گی۔ لہذا ہم صرف حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ اور آپ کے جلیل القدر خلفاء کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں جنہوں نے علاقہ پنجاب، سندھ اور خراسان میں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیئے اور ہزاروں لاکھوں جانوروں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بلکہ فرشتوں سے افضل بنایا۔

حضرت خواجہ نور محمد قبلہ عالمؒ:

آپ کا پہلا نام بہبل یا بابل تھا۔ آپ کے شیخ نے آپ کا نام نور محمد رکھا۔ آپ قوم کھل سے تعلق رکھتے تھے۔ پنجاب میں سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کو جو ترقی حاصل ہوئی اس کا سرآپ کے سر ہے۔ آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ "توسوی" کے ذریعے سلسلہ چشتیہ حدود ہندوستان سے نکل کر خراسان اور ایران پہنچ گیا۔ اور حضرت قاضی محمد عاقلؒ کے ذریعے ریاست بہاول پور اور سندھ میں پھیلا۔

آپ تعلیم کی خاطر دہلی گئے اور وہاں حضرت مولانا فخر الدینؒ سے بیعت ہو کر بلند روحانی مدارج پر پہنچے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا فخرؒ فرمایا کرتے تھے کہ "مکھن پنجابی لے گیا اور چھاچھ دنیا کے لئے چھوڑ گیا آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ "مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پوسنار" آپ کا مسلک وحدت الوجود تھا لیکن شاہ کلیم اللہؒ کی طرح اخفا سے کام لیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ۔

"برامم ماضیہ کہ حوادث واقع شدند - محض برائے اظہار وجود شدند"

(سابقہ امتوں پر جو مصائب نازل ہوئیں محض اظہار وحدت الوجود سے ہوئیں)

اتباع شریعت میں آپ ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے اور غیر شرع رسوم کی سختی سے ممانعت فرمایا کرتے تھے۔

تاریخ مشائخِ چشت میں آپ کے خلفاء کی تعداد ^{۲۵} پچیس بتائی ہے جن میں سے یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۔ حضرت مولانا نور محمد نارووالہ^۲۔ حضرت قاضی محمد عاقل^۳ (کوٹ مٹھن شریف)۔ ۳۔ حضرت شاہ محمد جمال اللہ^۴ (ملتان)۔ حضرت شاہ محمد سلیمان^۵ (تونسہ شریف)۔ ۵۔ حضرت میاں غلام حسین بھٹی^۶۔ نواب غازی الدین دکنی^۷۔ صاحب تاریخ مشائخِ چشت نے حضرت مخدوم نوبہار ساکن اوچ شریف، مولانا عبدالوہاب ساکن اوچ شریف۔ اور مولانا تاج محمود ساکن گڑھی اور مخدوم محبت جہانیاں کو بھی آپ کے خلفاء کی فہرست میں لکھا ہے۔

حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ:

آپ حضرت قبلہ عالم مہاروی^۱ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ آپ حضرت مہاروی^۲ کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور مولانا فخر^۳ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولانا فخر دہلوی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ ”ان کی آنکھوں میں ہمیں عشق نظر آتا ہے“ آپ بڑے جید عالم تھے لیکن بے حد منکر المصراہج تھے۔ آپ کے خلفاء حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ حضرت عبداللہ خان^۱۔ ۲۔ حضرت مولوی محمد حسن^۲۔ ۳۔ حضرت نور محمد^۳ برزہ۔
- ۴۔ مولوی ابو بکر^۴۔ ۵۔ مولوی محمد گھلوی^۵۔ مولوی محمد گھلوی نے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں جن کا نام خیرالاذکار ہے۔

حضرت قاضی محمد عاقل:

آپ امیر المومنین حضرت عمر فاروق^۱ کی اولاد میں سے ہیں آپ نے کوٹ مٹھن شریف اور چاچڑان شریف میں مرکز تبلیغ قائم کر کے ریاست بہاول پور۔ جنوبی پنجاب اور سندھ و بلوچستان کے علاقوں کے لوگوں کی اصلاح اور ہدایت میں بہت جدوجہد فرمائی۔ دہلی کے بادشاہ کا وزیر ارادت خان آپ کا مرید تھا۔ بادشاہ نے لنگر کیلئے پانچ ہزار بیگہ اراضی کا جو

فرمان تحریر کر کے بھیجا سے صاحب تاریخ مشائخ چشت نے نقل کیا ہے۔ آپ نے کوٹ مٹھن شریف میں ایک اعلیٰ پیمانہ پر درس جاری کیا جہاں بڑے جید علماء سبق پڑھاتے تھے۔ خود خواجہ محمد عاقل ”سو سے زائد طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے شیخ کے ساتھ کئی مرتبہ دہلی جا کر حضرت مولانا فخرؒ کی زیارت بھی کی تھی۔ پہلی بار جب آپ دہلی گئے تو ادب کی بنا پر سارا سفر پیادہ طے کیا۔ آخری بار جب آپ حضرت مولانا فخر دہلویؒ سے رخصت ہوئے تو آپ نے یہ چار کتابیں عنایت فرمائیں۔

۱۔ مکتوباتِ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ جس پر مولانا فخرؒ کے ہاتھ کا حاشیہ لکھا ہوا ہے۔

۲۔ کتاب مطول

۳۔ سوائے السبیل۔

۴۔ لوائح جامی مع شرح لوائح۔

لباس اور غذا:

حضرت مولانا فخر دہلویؒ کی ہدایت کے مطابق آپ کی غذا لطیف تھی اور لباس بھی لطیف۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے بھی لکھا ہے کہ۔

”سالک را باید غذا و لباس لطیف استعمال کند کہ انوار لطیف واردے شود“

(سالک کو چاہئے کہ غذا اور لباس لطیف استعمال کرے کیونکہ اس سے انوار لطیف وارد

ہوتے ہیں)

۱۔ اس کتاب کا راقم الحروف مؤلف نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور زیر

طباعت ہے۔

۲۔ احقر راقم نے لوائح جامی کی شرح بھی لکھی ہے۔ جس کے مقدمہ میں ثابت کیا ہے

کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں۔

شاہانِ مغلیہ :

بادشاہِ اکبر شاہِ ثانی نے اپنے شہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو حضرت قاضی صاحب کا مرید کرایا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کو بھی آپ سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ ایک شعر میں لکھتے ہیں۔

دل فدا کرتے ہیں نامِ فخر دین پر اے ظفر ہم ہیں عاقل ربطِ عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم
آپ کی تاریخِ وفات ۸ رجب ۱۲۲۹ھ ہے۔ مدفن کوٹ مٹھن شریف ہے۔

خلفاء :

- آپ کے مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔
- ۱۔ آپ کے پوتے حضرت خواجہ خدا بخشؒ۔
 - ۲۔ حضرت مولوی سلطان محمود خان بیلویؒ۔
 - ۳۔ مولانا نور محمد برژہ محمد پوریؒ۔
 - ۴۔ حضرت مولوی عبداللہ بھٹی احمد پوریؒ۔
 - ۵۔ حضرت مولانا گل محمد احمد پوریؒ۔
 - ۶۔ مولانا محمد اعظمؒ۔

حضرت خواجہ خدا بخشؒ :

آپ کا لقب محبوب الہی تھا۔ آپ عالم متبحر تھے۔ آپ کے لنگر کا یہ حال تھا کہ بارہ من غلہ گندم آنے والوں کے گھوڑوں پر روزانہ خرچ ہوتا تھا۔ اس سے مردم کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے نوابوں اور راجاؤں سے جاگریں قبول نہیں کی تھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے مشائخ کی سنت ہے۔ آپ سختی سے پابند شریعت تھے۔ اور سختی سے پابندی کراتے تھے در سہ میں آپ خود بھی درس دیا کرتے تھے۔

خلفاء

آپ کے خلفاء صاحب تاریخ مشائخ نے یہ بتائے ہیں۔

- ۱۔ حضرت خواجہ غلام فخر الدین جو آپ کے بڑے بیٹے تھے۔
- ۲۔ صاحبزادہ نصیر بخش مہاروی۔
- ۳۔ مولانا کریم حیدر۔
- ۴۔ مولوی غلام کبریٰ۔
- ۵۔ مولوی محمد صالح ملتانی۔
- ۶۔ مخدوم عنایت شاہ۔
- ۷۔ میاں حیدر بخش۔
- ۸۔ قاضی فتح محمد ملتانی۔
- ۹۔ سیدلال شاہ۔

حضرت خواجہ خدا بخش کی تاریخ وصال ۱۲ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ مدفن کوٹ مٹھن شریف۔

حضرت خواجہ غلام فخر الدین

آپ بھی پابند شریعت تھے۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ احادیث نبویؐ نوک بر زبان تھیں۔ آپ نے بھی نواب بہاول پور کی پیش کردہ اراضی مسترد کر دی۔ آپ کا وصال ۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ کو ہوا۔ مدفن کوٹ مٹھن شریف ہے۔ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی حضرت خواجہ غلام فرید مسند خلافت پر متمسک ہوئے۔

حضرت خواجہ تاج محمود صاحب

آپ حضرت خواجہ خدا بخش کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ سے بھی سلسلہ چشتیہ نظامیہ خوب چلا۔ آپ خواجگان شیدانی شریف کے جد امجد اور پیرو مرشد ہیں۔ تاریخ مشائخ چشت کے مطابق آپ کے پانچ بیٹے تھے۔

- ۱۔ خواجہ محمد شریف۔
- ۲۔ خواجہ گل محمد۔
- ۳۔ خواجہ خیر محمد۔
- ۴۔ خواجہ شیر محمد۔
- ۵۔ خواجہ غوث بخش۔

خلفاء :

آپ کے خلفاء صاحب تاریخ مشائخ چشت کے مطابق یہ ہیں۔

- ۱۔ میاں فضل علی خان "مزار سکھانی۔
- ۲۔ میاں محمد "مزار کوٹ مٹھن شریف۔
- ۳۔ مولوی محمد حامد "مزار شیدانی شریف۔
- ۴۔ مولوی جندوڑہ "مزار سیت پور۔

حضرت خواجہ غلام فرید :

سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی کوٹ مٹھن برانچ حضرت خواجہ غلام فرید کے ہاتھوں خوب چمکی۔ آپ عالم تبحر۔ بلند پایہ شاعر اور عالی مرتبہ ولی اللہ تھے۔ آپ کے مریدین میں نواب صاحب ریاست بہاول پور۔ نواب صاحب ریاست ٹونک اور نواب صاحب ریاست محل (بلوچستان) والیان ملک تھے لیکن حضرت اقدس کے ساتھ نہایت والہانہ محبت اور عجز و انکسار سے پیش آتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے پوتے شاہزادہ احمد اختر بھی آپ کے مرید تھے جو کتاب مناقب فریدی کے مؤلف ہیں۔ انکے بیٹے شاہزادہ محمد شاہ حضرت خواجہ غلام فرید کے فرزند اور خلیفہ حضرت خواجہ محمد بخش "عرف نازک سائیں کے مرید تھے جنہوں نے حضرت نازک سائیں کے ملفوظات قلمبند کئے ہیں۔

تصانیف :

حضرت خواجہ غلام فرید کی تصانیف ہی سے اولین درجہ آپ کے دیوان سراپکی کو حاصل ہے جو شاعرانہ خوبیوں کے علاوہ حقائق و معارف کا بنش بہا خزانہ ہے۔ دوسرے درجے پر آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے ایک خلیفہ مولانا کن الدین نے جمع کئے ہیں۔ یہ ملفوظات پانچ جلدوں میں ہیں جن کا اردو ترجمہ راقم الحروف مؤلف نے فارسی سے اردو میں کر کے مقابیس المجالس (اشارات فریدی) کے نام سے شائع کیا یہ کتاب شریعت اور

طریقت کا بہترین نمونہ ہے اور تمام مسائل تصوف اور مسائل شریعت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ آپ کی تیسری اہم کتاب جو اہر فریدی ہے جو فارسی میں ہے آپ کی تاریخ وصال ۷ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ ہے۔ مدفن کوٹ مٹھن شریف ہے۔

خلفاء:

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت خواجہ محمد بخش معروف بہ نازک سائیںؒ جو آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔
- ۲۔ حضرت دیوان ولایت شاہؒ صاحب ساکن اوچ بخاری۔
- ۳۔ حضرت خواجہ فضل حق صاحبؒ ساکن منگھیر شریف۔
- ۴۔ حضرت حافظ محمدؒ ساکن حاجی پور۔
- ۵۔ حضرت مولانا احمد بخشؒ ساکن ججدہ عباسیاں۔
- ۶۔ حضرت مولوی خان محمدؒ۔
- ۷۔ حضرت میاں نبی بخشؒ مہریوالہ۔
- ۸۔ میاں جی محمدؒ بخشؒ۔
- ۹۔ میاں محمد یعقوبؒ ساکن چاچہاں۔
- ۱۰۔ میاں بلند خان ناگوریؒ۔
- ۱۱۔ میاں عبید الرحمن الہ آبادیؒ۔
- ۱۲۔ مولانا رکن الدین جامع ملفوظات۔
- ۱۳۔ مولانا محمد ابراہیم زرگونیؒ۔

حضرت خواجہ محمد بخشؒ:

حضرت خواجہ محمد بخش نازکؒ کے خلفاء یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ جو آپ کے فرزند ارجمند تھے۔
 - ۲۔ حضرت مولانا نور احمدؒ ساکن فرید آباد تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان۔
 - ۳۔ حضرت میاں احمد دینؒ ساکن پراراں شریف تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان۔
 - ۴۔ جام میاں حامدؒ ساکن علاقہ جلال پور پیر والا ضلع ملتان۔
- آپ کی تاریخ وصال ۱۲ رمضان ۱۳۲۹ھ مدفن کوٹ مٹھن شریف۔

حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ

ملتان اولیاء اللہ کا ہمیشہ سے گہرا رہا ہے اور عرصہ سے مشائخ سروردیہ کے زیر تسلط رہا ہے۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ نے وہاں عالی شان خانقاہ قائم کی تھی جو صدیوں تک چلتی رہی لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں مشائخ چشتیہ کا وہاں عمل در آمد ہوا۔ تاریخ مشائخ چشت میں حضرت مارہروی کے حوالہ سے لکھا ہے

”ایک دن حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ اپنے شیخ مولانا فخر دہلویؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ کے مرید حافظ محمد جمالؒ بھی ساتھ بیٹھے تھے۔ اس بات کا ذکر چھڑا کہ ملتان میں حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف کام نہیں کرتا اور کوئی شیخ وہاں نہیں جاتا اور کسی کو بیعت نہیں کرتا۔ مولانا فخر الدینؒ نے فرمایا میاں نور محمد! اب تک ملتان بہاؤ الحقؒ کی ولایت تھی۔ لہذا وہاں کسی دوسرے ولی کا تصرف کام نہیں کرتا تھا لیکن اب ملتان ہمارے حوالے کر دیا گیا ہے۔ لازم ہے کہ تم وہاں اپنا کوئی مرید بھیجو اور کہو کہ خانقاہ شیخ بہاؤ الدینؒ زکریاؒ میں خلق خدا کو مرید کرے اور اپنا تصرف کرے۔“

حضرت قبلہ عالم نے دہلی سے واپسی پر حافظ محمد جمالؒ کو ملتان بھیج دیا اور انہوں نے مولوی خدا بخشؒ کو خانقاہ حضرت بہاؤ الحقؒ میں بیٹھ کر مرید کیا۔ (مناقبُ المحبوبین)

حضرت حافظ محمد جمالؒ بڑے عالم تھے۔ شیخ اکبر اور مولانا جامی کی کتب وحدت الوجود پر آپ کو عبور حاصل تھا اور وحدت الوجود آپ کا خاص مسلک تھا۔ آپ نے ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا جو علم و فضل کا مرکز تھا۔ حضرت مولوی گل محمد احمد پوریؒ نے بھی دو سال تک اس مدرسہ میں درس حاصل کیا اور حضرت حافظؒ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے۔

سکھوں کا حملہ :

آپ صوفی باصفا ہونے کے ساتھ بڑے بہادر مجاہد بھی تھے۔ آپ کے زمانے میں سکھوں نے کئی بار ملتان پر حملہ کیا لیکن قابض نہ ہو سکے۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ آپ نے نہایت شجاعت اور جوانمردی سے کیا۔ آپ تیر کمان لے کر قلعہ کے دیوار پر بیٹھے سکھوں پر تیر بر سارہے تھے۔ جب سکھوں نے آخری بار خوب تیاری کر کے حملہ کیا تو بہت لوگ بھاگنے لگے لیکن آپ نے لوگوں کو حوصلہ دلا یا اور لڑنے پر مجبور کر دیا۔ آخر کار آپ نے جام شہادت نوش کیا۔

تصانیف :

آپ کے ملفوظات کئی لوگوں نے جمع کئے ہیں جو حقائق کا خزانہ ہیں ان میں زیادہ مشہور

یہ ہیں۔

۱۔ فضائل رضیہ۔ جمع کردہ حضرت مولانا عبدالعزیز پربارویؒ جو بہت بڑے عالم اور مصنف کتب تھے۔

۲۔ انوار جمالیہ۔ جمع کردہ حضرت مفتی غلام حسین شہید جو بلند پایہ شاعر تھے۔

۳۔ اسرار کمالیہ۔ از تراہد شاہ۔ آپ کا وصال ۵ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ کو ہوا مدفن

ملتان ہے

تاریخ مشائخ چشت میں آپ کے خلفاء کی تعداد آٹھ درج ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) حضرت خواجہ خدا بخش (۲) زاہد شاہ صاحب (۳) مولوی غلام حسن

(۴) قاضی محمد عیسیٰ خان پوری (۵) مولوی عبید اللہ ملتانی (۶) مولانا محمد حامد فتح

پوری (۷) صاحب زادہ غلام فرید (۸) مولوی عبدالعزیز پربارویؒ جو علامہ دہر ہیں

اور بے شمار تصانیف کے مصنف ہیں۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

حضرت خواجہ غلام فریدؒ اپنی کتاب مقابیل المجالس میں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کے مریدین کی تعداد اتنی ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالمؒ کے تمام خلفاء کے مریدین کو جمع کیا تو بھی خواجہ سلیمانؒ کے مریدین کی تعداد ان سب سے زیادہ ہوگی۔

آپ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ ہندوستان سے نکل کر افغانستان اور ایران پہنچ گیا حالانکہ آپ کے زمانے میں سارا پنجاب سکھوں کے قبضے میں تھا اور وہ ہر جگہ کفر پھیلا رہے تھے۔ آپ کو ان واقعات سے سخت قلق ہوتا تھا لیکن آپ نے اس کا علاج اتباع شریعت میں دیکھا اس لئے جہاد بالسیف کی بجائے جو سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین نے شروع کیا ہوا تھا آپ جہاد بالعلم پر زیادہ زور دیتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کفار کے مظالم کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے ترک شریعت کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ کے خلفاء و مریدین کی بدولت آپ کے دینی مراکز پنجاب سے تجاوز کر کے افغانستان، راجپوتانہ اور سندھ تک پھیل گئے تھے بلکہ ترکستان، سراندیپ اور عدن تک ان کی شعائیں پہنچ گئیں۔

حضرت خواجہ نور محمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے شیخ مولانا فخر الدینؒ نے فرمایا کہ تمہارے سلسلے میں ایک شہباز مقید ہو گا۔ چنانچہ اس کی تلاش میں آپ اکثر سفر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ اوج شریف آئے تو وہاں حضرت شاہ سلیمانؒ سے ملاقات ہو گئی اور آپ نے ان کو حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری کے مقبرے کے اندر بیعت کیا۔

آپ کو اپنے شیخؒ سے اس قدر عشق تھا کہ ہر ماہ شیخؒ کی خدمت میں جاتے تھے اور صرف چند یوم گھر پر بسر کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ پیدل سفر کر کے مہار شریف جاتے تھے۔ ایک دفعہ تو پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور پاؤں کی انگلیوں کے دس کے دس ناخن جدا ہو کر گر پڑے لیکن آپ کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ آپ نے اپنے پیر کے حکم سے اپنا گاؤں جو پہاڑ میں تھا چھوڑ کر اس مقام پر ایک جھونپڑی بنالی جو آج شہر تونسہ کے نام مشہور ہے۔ رفتہ رفتہ لوگ

مرید ہوتے گئے حتیٰ کہ ریاست بہاولپور کا والی نواب بہاول خان بھی حلقہ مریدین میں شامل ہو گیا۔

آپ نے تونسہ ہی قیام کے بعد فوراً وہاں دینی مدارس قائم کئے۔ جن میں پچاس استاد پڑھاتے تھے اور ہر استاد کے لئے علیحدہ رہائش کے لئے مکان تھا۔ بعض اساتذہ یکجا بھی رہتے تھے۔ طلباء اور اساتذہ کو کھانا لنگر سے ملتا تھا۔ آپ خود بھی پڑھاتے تھے اور خاص لوگوں کو روحانی کتب کی تعلیم دے کر منازل سلوک طے کراتے تھے۔ ان مدارس میں احياء العلوم مصنفہ امام غزالی اور فتوحات مکیہ مصنفہ شیخ اکبر جیسی اونچی کتابوں کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ عوارف المعارف مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بھی آپ کے درس کی نصابی کتاب تھی۔

حکمرانوں اور بادشاہوں کے ساتھ آپ سختی سے پیش آتے تھے اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے۔ شاہ شجاع دو مرتبہ آپ کی خدمت میں تونسہ شریف حاضر ہوا تو آپ نے اسے اپنے ساتھ زمین پر بٹھا کر باتیں کیں۔ افغانستان کے بادشاہ دوست محمد خان نے بھی آپ سے امداد کی درخواست کی۔

خلفاء:

تاریخ مشائخ چشت میں مناقب حافظیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کے ستر خلفاء تھے۔ لیکن ہم اس وقت اختصار کی خاطر صرف چند خلفاء کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ اللہ بخش قدس سرہ؛

آپ حضرت خواجہ تونسوی قدس سرہ کے پوتے اور خلیفہ جانشین ہیں۔ آپ ایک مدت دراز تک اپنے دادا علیہ رحمہ کی طرح روحانی تعلیم تربیت میں مصروف رہے اور ایک جہان کو ہدایت بخشی۔ جب آپ نے ہندوستان کا سفر کیا تو بے شمار لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔

دہلی میں جب آپ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مزار پر مقیم تھے تو بادشاہ بہادر شاہ ظفر آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا لیکن آپ دوسرے دروازے سے نکل کر چلے گئے اور جب بہت منت سماجت کے بعد لوگ آپ کو واپس لائے تو بادشاہ نے شرف قدم بوسی حاصل کیا۔ دوسرے دن جب آپ شاہ جہاں آباد تشریف لے گئے تو بیگمات مرید ہوئیں اور بادشاہ نے نذر پیش کی لیکن جہاں آپ کو امراء سے وحشت ہوتی تھی غریب اور مسکین سے خوب محبت کرتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی آپ نے سخت مخالفت کی اور اس فتنہ کی سرکوبی کرتے رہے اور مسلمانوں کو اس سے بچاتے رہے۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ ہے۔

آپ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے ہم عصر اور دوست تھے۔ بلکہ خواجہ غلام فریدؒ آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کی تعلیمات کی خوب اشاعت کی۔

حضرت حافظ محمد علی خیر آبادیؒ:

آپ کا شمار حضرت شاہ سلیمان قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا مرکز خیر آباد تھا جہاں سے آپ اودھ اور دکن میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کی اشاعت کا کام انجام دیتے رہے۔ آپ نے دہلی میں مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف اور مسلم شریف کا سبق حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے پڑھا جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند تھے۔ دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ اور اجمیر میں حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کے مزارات پر سالہا سال مجاہدات کے بعد پاک پن پنے اور وہاں مجاہدات کے بعد تیسرے شریف جا کر حضرت سلیمان قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ سختی سے پابند شریعت تھے اور دوسروں سے پابندی کراتے تھے۔ آپ کو مثنوی مولانا روم سے خاص شوق

تھا اور باطنی مطالب بیان کرنے میں یہ طویل رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں درس قائم کیا تھا اور کتب تصوف مثل تصانیف رومی، ابن عربی اور مولانا جامی کی تعلیمات خود دیا کرتے تھے۔ امراء، رؤساء اور بادشاہوں سے آپ اجتناب کرتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے حاضر خدمت ہونے کی بے حد کوشش کی لیکن آپ نے ہرگز اجازت نہ دی۔ ایک دفعہ جب بادشاہ اچانک آپہنچا تو آپ مسجد کی دیوار پھاند کر باہر چلے گئے۔ نواب بہاول پور نے بھی حاضر ہونے کی بہت کوشش کی لیکن باریابی حاصل نہ ہوئی۔ اولیاء کرام اور مشائخ اسلام کا بادشاہوں سے یہ سلوک اس وجہ تھا کہ ان حضرات کو سوائے رب جلیل کے کسی سے نہ کوئی طمع تھا نہ خوف۔

خلفاء:

آپ کے تین خلفاء صاحب سجادہ ہوئے۔

۱۔ حضرت مرزا سرفراز بیگ

۲۔ حضرت حبیب علی شاہ

۳۔ حضرت مولانا حسن الزمان

یہ تینوں بزرگ حیدر آباد دکن میں رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

آپ کے سجادہ نشین حضرت حافظ اسلم تھے جنہوں نے ۵۴ سال حق سجادگی ادا کیا۔

حضرت حاجی نجم الدین:

آپ نے علاقہ راجپوتانہ میں مقام شیخاوائی کو اپنے شیخ کے حکم سے اپنی تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا اور جے پور، جو دھپور، بیکانیر، اودھے پور، اجمیر کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ اردو اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ آپ کا مسلک بھی وحدت الوجود تھا۔ آپ کی اردو تصانیف یہ ہیں۔

گلزار وحدت۔ ماہی الغیریت۔ پوطلانی غیر بھلانی۔ بادہ ماہیہ نجم۔

افضل الطاعت۔ پریم گنج۔ حیات العاشقین۔ نجم آخرتہ۔ فضیلت

نکاح۔ بیان الاولیا۔ سماع السامعین فی رد المنکرین۔ دیوان نجم اردو۔
تذکرۃ الراصلین۔

آپ کی فارسی تصانیف یہ ہیں

شجرۃ العارفین۔ شجرۃ المسلمین۔ شجرۃ الابرار۔ مناقب الحبيب (احوال خواجہ
اجمیری)۔ مناقب التارکین (حالات خواجہ حمید الدین ناگوری سہالی)۔ مناقب
المحبوبین (حالات مشائخ نظامیہ مع ملفوظات خواجہ توسوی)۔ تذکرۃ السلاطین۔
راحت العاشقین۔ مقصود العارفین۔ احسن العقائد۔ احسن القصص۔ نجم
الراعیین۔ نجم الهدایت۔ مقصود عارفین۔ ہدایت نامہ خیالات نجمی۔
دیوان نجم فارسی۔

آپ کی تاریخ وصال ۱۹ رمضان ۱۲۸۷ء ہے۔ مدفن فتح پور ہے۔

خلفاء:

آپ کے خلفاء کے تعداد کثیر ہے۔ تاریخ مشائخ چشت میں آپ کے چھبیس خلفاء کے
اسمائے گرامی درج ہیں

سجادہ نشین:

آپ کے سجادہ نشین آپ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ نصیر الدین تھے۔ جن کے
سات خلفاء تھے۔ حضرت حافظ نجم الدین کے خلفاء میں مولانا حکیم سید محمد حسن امروہی
زیادہ مشہور ہیں۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔ آپ کی حسب ذیل ہیں۔

تفسیر القرآن (جس کا اردو ترجمہ غایت برہان فی تفسیر القرآن شائع ہوا)

کوکب دریہ۔ معراج رسول۔ حقانیت اسلام۔ اتمام حجت۔ تلخیص التواریخ۔
رسالہ آگہی نامہ۔ درناپاب۔ گنجینہ اسرار انبیاء۔ کشف الاسرار۔ نگینہ حکمت فی شرح
فصوص الحکم۔ آفتاب عالم تاب۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیال:

آپ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے جن کی مساعی جمیلہ سے گولڑہ شریف اور جلال پور کی عظیم الشان خانقاہیں وجود میں آئیں۔
خواجہ شمس الدین سیال نے بیعت کے بعد چودہ مرتبہ اپنے شیخ علیہ رحمہ کے ساتھ مہار شریف کا سفر اختیار کیا اس حال میں کہ ان کا سامان کندھوں پر اٹھائے ہوئے ان کی سواری کے آگے چلتے تھے۔ آپ اٹھارہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے اور چھتیس سال کی عمر میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے سیال شریف میں مدرسہ جاری کیا اور لنگر خانہ قائم کیا۔ جہاں پر مسافروں کے علاوہ شہر کے غریب و مساکین کو بھی کھانا ملتا اور بہر آنے والے کو چار پائی پر بستر ملتا تھا۔ آپ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ سماع بالمزامیر سے اجتناب کرتے تھے۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ ہے۔

خلفاء:

آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند خواجہ محمد الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے علاوہ آپ کے خلفاء کی تعداد چونتیس ہے جن کے اسمائے گرامی تاریخ مشائخ چشت میں درج ہیں جن میں سے حضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری۔ حضرت پیر سید مر علی شاہ گولڑوی اور حضرت مولانا معظم علی ساکن مروہ والہ تحصیل بھیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہ:

آپ بے حد حسین و جمیل تھے ظاہری حسن کے ساتھ باطنی حسن بھی بدرجہ کمال تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت مولانا جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ سے جا ملتا ہے۔ آپ بڑے خوش خلق اور منکسر المزاج تھے اور شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ آپ کا وصال ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو ہوا۔ علامہ اقبال نے ایک رباعی میں آپ کی تاریخ وصال ”مغفور گشت“ نکالی ہے۔

حضرت پیر مر علی شاہ گولڑویؒ

حضرت پیر مر علی شاہ علیہ رحمہ زالی شان کے بزرگ تھے۔ شاعر بھی تھے۔ عالم بھی۔ واعظ بھی۔ اور بلند پایہ ولی اللہ بھی۔ آپ نے نہ صرف تعلیمات مشائخ کورائج کیا بلکہ اپنے زمانے کے عقائد باطلہ کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپ کے والد ماجد کی طرف سے آپ کا سلسلہ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی سے اور والدہ ماجدہ کی طرف حضرت مخدوم جمانیاں تک جاملتا ہے۔

ظاہری علوم سے فارغ ہو کر آپ نے مدرسے کا سلسلہ جاری کیا اور پھر حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ اور مہاجر مکیؒ نے آپ کو ہندوستان واپس جانے کا مشورہ ان الفاظ میں دیا:

”ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہونے والا ہے۔ آپ ضرور واپس جائیں۔ اگر آپ ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو وہ فتنہ ترقی نہیں کرے گا اور ملک میں سکون رہے گا۔“

اس فتنہ سے مراد فتنہ قادیانی تھا جس کا حضرت اقدس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ آپ شیخ اکبر کے مداح تھے اور عقیدہ وحدت الوجود رکھتے تھے۔ آپ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ علامہ اقبالؒ نے آپ کو عریضہ لکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات طلب کئے:

”۱۔ شیخ اکبر (ابن عربی) نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔“

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبر کی کن کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

۳۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگوں کے ارشادات بھی مطلوب ہیں۔ مولینا سید انور شاہ مرحوم نے مجھے عراقیؒ کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا جس کا نام درابتد الزمان ہے مگر چونکہ یہ رسالہ مختصر ہے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔“

کاش کہ علامہ اقبالؒ ایک حقیقت آگاہ ولی اللہ سے اس سے زیادہ اہم سوال کرتے۔

حضرت خواجہ حافظ غلام حسن بھٹیؒ | آپ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد

مہارومی قدس سرہ کے محبوب خلیفہ تھے حضرت قبلہ عالم نے آپ کو سلطان التارکین کا خطاب عنایت فرمایا تھا۔ اپنے اپنے آپ کو اپنے مرشد کی خدمت میں مٹا دیا تھا۔ حضرت قبلہ عالم فرمایا کرتے تھے کہ میں صاحب نارووالہ (حضرت نور محمد نارووالہ) نے ہم سے نعمت حاصل کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا نصیب قوی تھا۔ اور خدا کی مرضی یہی تھی۔ قاضی صاحب کوٹ والا (حضرت قاضی محمد عاقل صاحب) نے اس نعمت کو مال و زر سے خریدیا ہے۔ حافظ صاحب ملتانی (حضرت حافظ محمد جمال) نے اسے عجز و انکسار سے حاصل کیا ہے اور حضرت تونسوی (شاہ سلیمان تونسوی) کو یہ مدارج اپنی ریاضات و مجاہدات سے میسر ہوئے ہیں۔

مگر بھٹی صاحب نے محض خدمت اور جان نثاری سے یہ دولت پائی ہے

آپ کا وصال ۹ / ذیقعدہ ۱۲۵۰ھ میں ہوا۔ مزار مبارک حضرت خواجہ نور محمد مہارومیؒ کی پائنتی مبارک کی جانب چشتیاں شریف میں ہے۔

حضرت حافظ غلام مرتضیٰ چیلہ واہنیؒ | آپ حضرت بھٹی صاحب کے برادر عزیز

و خلیفہ جانشین تھے تاریخ وصال ۱۲۵۰ھ ہے۔ مزار مبارک چیلہ واہنی شریف تحصیل لودھراں میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد اکرم بہروریؒ | آپ حضرت بھٹی صاحب کے بھانجے اور محبوب

ترین خلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت معاذ بن جبل (صحابی رسول) سے جانتا

ہے۔ اور آپ ماوراء وادی اللہ تھے۔ آپ سے کافی کرامات کا ظہور ہوا اور آپ کے ذریعے

اس سلسلہ عالیہ کا فیض بہت پھیلا۔ آپ کے حالات کتاب انیس المساکین

میں تفصیلاً درج ہیں۔ آپ کا مزار مبارک بہرور پکا تحصیل لودھراں میں مرجع خلافت ہے۔

اب تک ہم نے حضرت بابا فریدؒ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ حضرت محبوب الہی کے

پہلے خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے مختصر حالات بیان کئے ہیں۔

بنگال میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کا عروج

اگرچہ بنگال کو مسلمانوں نے ۱۱۹۷ء میں فتح کر لیا تھا لیکن اس کی حالت کافی مدت تک خراب رہی حتیٰ کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت انخی سراج نے وہاں پہنچ کر کایاپلٹ دی۔ اور وہی بنگال علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا۔ بنگال کا ایک غریب آدمی حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور مرید ہوتا ہے علم حاصل کرتا ہے سلوک تمام کرتا ہے اور ”آئینہ ہند“ کا لقب لے کر واپس جاتا ہے۔ انخی سراج سے پہلے بنگال میں ایک امیر گھرانے کے عالم و فاضل بزرگ موجود تھے جن کا نام علاؤ الدین تھا جب حضرت شیخ نے ان کو خلافت دیکر بنگال جانے کا حکم دیا تو انخی سراج نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضور وہاں تو مولانا علاؤ الدین جیسے بڑے عالم و فاضل موجود ہیں میری وہاں کیا دال گلے گی۔ آپ نے فرمایا کہ فکر مت کرو وہ تمہارا غلام بن جائے گا۔ چنانچہ مولانا علاؤ الدین جن کا شمار اب تک علماء ظاہری میں ہوتا تھا حضرت انخی سراج سے ایسے متاثر ہوئے کہ فقرا اختیار کر کے مرید ہو گئے غرضیکہ حضرت شیخ علاؤ الدین نے سلوک تمام کیا اور بڑے مراتب کو پہنچے۔

حضرت نور قطب عالمؒ

حضرت شیخ علاؤ الدین کے بعد آپ کے فرزند حضرت شیخ نور قطب عالم مسند نشین ہوئے جو بہت بڑے بزرگ تھے خاص کر آپ کے مکتوبات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ بقول صاحب تاریخ مشائخ چشت حضرت نور قطب عالم نے بنگال کے ہندو روحانی پیشواؤں مثلاً

چتینیا، روپا، سناتن اور جگوا سوامی کو بہت متاثر کیا اور ان کی بھگتی تحریک حضرت مولانا قطب عالم کی مرہون منت ہے۔ ☆

حضرت مولانا حسام الدین مانک پوری

حضرت شیخ نور قطب عالم کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ مولانا حسام الدین مانک پوری ہیں آپ کے دادا حضرت جلال الدین مرید و خلیفہ تھے حضرت شیخ محمد کے جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ رفیق العارفین کے نام سے موجود ہے۔ بقول صاحب تاریخ مشائخ چشت آپ کے ایک سو بیس خلفاء تھے۔

ع یران خبر دہید کہ این منزل گاہ کیست

ن خلفاء میں سے یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت راجی سید حامد شاہ۔ ابن سید راجہ شاہ مانک پوری۔ حضرت سید مسعود فتح پوری۔ حضرت سید محمد امیر بدہا۔ حضرت مولانا کمال الدین۔ حضرت مولانا شہر اللہ ابو القاسم ملتانی۔ حضرت مولانا نصیر الدین ملتانی۔ حضرت مولانا فرید الدین سالار عراقی۔ حضرت شیخ احمد قنوجی۔ حضرت مولانا معین الاسلام اودھی۔ حضرت مولانا منہاج الدین بہاری۔ حضرت مولانا جمال الدین حسن۔ حضرت شیخ ضیاء الدین یوسف داؤد کردی۔ حضرت مولانا سوند ہو کردی۔ مولانا محمد علاؤ الدین کردی۔ حضرت شیخ شہاب الدین مانک پوری

☆ صوفیا کرام کے ہندو ارباب روحانیت پر فیوض اور احسانات کی تفصیل کے لئے ڈاکٹر تارا چند کی کتاب انفلوئنس آف اسلام آن ہندو کلچر ملاحظہ ہو جس میں انہوں نے شکر اچاریہ۔ راما نوجا۔ رامانند کبیر اور ان کے چیلوں اور چیلوں کے چیلوں پر اولیائے کرام کی نظر کرم اور فیوض و برکات کی تفصیل درج کی ہے۔ احقر راقم الحروف نے اسے اپنی کتاب اسلامک صوفی ازم اور اس کے اردو ترجمہ روحانیت اسلام میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔

ارزنی شاہ غرضیکہ حضرت اخئی سراجؒ کے خلفاء کے ذریعے سلسلہ عالیہ چشتیہ بنگال، بہار اور جوپور میں پھیل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے تین حضرات کر دستان کے باشندے تھے جو عراق ایران کے شمال میں واقع ہے۔

حضرت شاہ اشرف جہانگیر سمنانیؒ:

آپ کے والد ملک سمنان کے بادشاہ تھے حضرت شیخ اشرفؒ مادر زاد ولی تھے۔ اور علم لدنی کے دروازے آپ پر کشادہ تھے آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ چودہ سال کی عمر میں علوم اسلامیہ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ والد کے بعد آپ تخت نشین ہوئے لیکن بادشاہت سے متنفر ہو کر حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ جیسے بزرگوں کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ تیس سال کی عمر میں آپ نے تخت و تاج چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ اورج شریف پہنچ کر کچھ عرصہ حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں رہے اس کے بعد دہلی جا کر مشائخ کی زیارت کی۔ بہار جا کر حضرت شیخ شرف منیریؒ کا جنازہ پڑھایا۔ اور بنگال چلے گئے جہاں حضرت مخدوم علاء الدین سے بیعت ہو کر سلوک طے کیا اور خلافت حاصل کی۔ آپ اپنے وقت کے غوث تھے۔

پانچ سو ہندوں کا مسلمان ہونا۔

شیخ کے حکم سے آپ نے کچھ چھبہ میں سکونت اختیار کی جہاں ایک جوگی آپ کی کرامت دیکھ کر پانچ سو چیلوں سمیت مسلمان ہوا اور بلند مراتب حاصل کئے۔

ایک لاکھ ہندوں کا مسلمان ہونا۔

ایک دفعہ آپ بنارس تشریف لے گئے جہاں ہندو جوگیوں سے آپ کی بحث ہوئی۔ دوران بحث ہی آپ نے ایک بت کو زندہ کر دیا جس کی اس وقت ایک لاکھ ہندو پوجا کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک لاکھ ہندو مسلمان ہو گئے۔ وصال سے کچھ دیر پہلے آپ نے محفل سماع

طلب کی اور شیخ سعدیؒ اور دیگر اولیاء کرام کا کلام سنتے رہے اور آخر اس ذوق و شوق اور مشاہدہ حق میں جان دے دی۔ تاریخ وصال ۲۸ محرم ۸۰۸ھ ہے۔

حضرت میر سید عبدالرزاقؒ:

آپ حضرت شیخ اشرف جہانگیرؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ حضرت غوث الاعظم کی اولاد میں سے تھے آپ کو حضرت شیخ نے بارہ سال کی عمر میں اپنی تربیت میں لیا اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔ یہ سلسلہ کئی صدیوں سے چل رہا ہے حضرت شیخ کبیر عباسیؒ۔ حضرت شیخ معروفؒ۔ حضرت مخدوم خیر الدین انصاری بھی حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ شیخ خیر الدین کے خلیفہ ان کے بیٹے شیخ علی تھے جو آپ کے بعد مسند نشین ہوئے۔

حضرت مخدوم صفی الدین حنفیؒ:

آپ بھی حضرت شیخ اشرف جہانگیرؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے دادا ہیں۔ آپ کا قیام ردولی شریف میں تھا جہاں حضرت خضرؒ نے آپ کو ولایت کی بشارت دی جب حضرت شیخ اشرف جہانگیرؒ ردولی تشریف لے گئے تو آپ وہاں مرید ہوئے۔ حضرت اقدس نے وہاں چالیس روز قیام فرمایا۔ تا کہ شیخ صفی الدینؒ ان کے سامنے چلہ کر لیں۔ اس قلیل عرصہ میں آپ کا سلوک تمام ہوا اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت انہوں نے اپنے بیٹے شیخ اسماعیل کو جو چالیس دن عمر رکھتے تھے شیخ کی خدمت میں لا کر مرید کرایا اور حضرت شیخ نے قبول فرمایا۔ حضرت مخدوم صفی الدین کے بعد حضرت شیخ اسماعیلؒ مسند خلافت پر بیٹھے۔



دکن میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کا فروغ

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ:

آپ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہی قدس سرہ کے مرید تھے جن کے ذریعے جنوبی ہند میں سلسلہ عالیہ چشتیہ نے خوب ترقی کی۔ ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ہمارے ہاں ایک بایزید ہے۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ ”برہان الدین غریب“۔ سلطان علاؤ الدین بہمنی آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا کیونکہ اس کو سلطنت بھی مشائخ چشت کی دعا سے ملی تھی۔ ایک دن سلطان محمد تغلق حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر باہر جانے والا تھا کہ علاؤ الدین حسن جو اس وقت عام آدمی تھا آگیا۔ حضرت شیخ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ۔

سلطان نے رفت و سلطانی آمد (ایک بادشاہ گیا اور دوسرا بادشاہ آیا)

جب سلطان علاؤ الدین حسن تخت نشین ہوا تو اس نے پانچ من سونا اور دس من چاندی حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے ذریعے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو ایصال ثواب کے لئے غریب اور مساکین میں تقسیم کرائی۔

بقول صاحب تاریخ مشائخ چشت شیخ حماد بن عماد کاشانیؒ نے حضرت شیخ کے ملفوظات جمع کئے جن کا نام احسن الاقوال ہے۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنے مریدین کی تربیت کے لئے کتنی جدوجہد فرمائی۔

حضرت شیخ زین الدینؒ:

حضرت شیخ برہان الدینؒ کے خلیفہ حضرت شیخ زین الدینؒ تھے۔ جن کے ذریعے سلسلہ عالیہ چشتیہ نے دکن میں خوب ترقی کی۔

حضرت شیخ علاؤ الدین حسین شاہ:

آپ حضرت شیخ زین الدین کے خلیفہ ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا لیکن یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

علاقہ گجرات میں سلسلہ چشتیہ کا عروج:

سرزمین گجرات (ہند) میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کی ابتدا حضرت خواجہ قطب الدین کے زمانے سے ہو چکی تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین کے مرید حضرت شیخ محمود اور شیخ حامد الدین نہروالہ کے باشندہ تھے جو گجرات میں واقع ہے جن کا تفصیلی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس کے بعد گجرات میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے خلفاء حضرت سید حسین شیخ حسام الدین ملتانی شاہ بارک اللہ کے ذریعے سلسلہ چشتیہ کو فروغ ملا۔ سید حسین بہت بڑے عالم تھے انہوں نے ہدایہ پر حاشیہ لکھا ہے۔ آپ روحانی سفر پارہ پا کر حضرت سلطان المشائخ سے بیعت ہوئے تھے جن کو آپ نے گجرات میں تبلیغ کے لئے مقرر کیا۔ نہروالہ کے ایک تالاب کے کنارے آپ کا مزار ہے۔ شیخ حسام الدین کا مزار بھی وہیں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔



مشائخ چشتیہ صابریہ

حضرت مخدوم علی احمد صابر قدس سرہ کے حالات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ آپ کے صرف ایک خلیفہ تھے جنکا اسم گرامی حضرت شاہ شمس الدین ترک تھا۔

حضرت شاہ شمس الدین ترک پانی پتی | مرآة الاسرار میں آپ کے

مفصل حالات درج ہیں۔ جنکا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے۔ طریقت میں آپکی شان بہت بلند تھی اور تجربہ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ لہذا آپ اکثر لباس قلندرانہ چرمی پہنتے تھے۔ اور مستغنی عن الناس تھے۔ آپ حضرت شیخ احمد سیوٹی کی اولاد میں سے تھے جو شیخ ترکستان کے نام سے معروف ہیں اور جنکا سلسلہ نسب حضرت محمد حنفیہ ابن حضرت علیؑ سے جا ملتا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے خرقہ خلافت حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہ سے حاصل کیا۔ حضرت شیخ کے وصال کے تین دن بعد آپ انکے حکم کے مطابق پانی پت پہنچے۔ چونکہ رہنے کو کوئی مکان نہیں تھا آپ دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ آپ نے کچھ عرصہ سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں بھی ملازمت کی اور اسے ایک ایسا مضبوط قلعہ فتح کرایا جسکا اس نے کافی عرصہ سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور پھر غائب ہو گئے۔ آپ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ہم عصر تھے۔

حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء | آپ حضرت شاہ شمس الدین

ترک کے مرید و خلیفہ تھے اور پانی پت کے ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کا ظاہری حسن بے نظیر تھا۔ ایک دن عالم حسن و شباب میں گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ حضرت شاہ شمس الدین ترک کے قریب سے گزرے

تو آپ نے انہیں دیکھ کر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھے اپنی نعمت اس نوجوان کے چہرے میں چمکتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ ادھر انکی نظر جو نہی حضرت شیخ کے نور ولایت پر پڑی چونکہ ہدایت کا وقت آچکا تھا آپ نے فوراً گھوڑے سے اتر کر سر حضرت اقدس کے قدموں پر رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر حضرت شیخ کی صحبت اختیار کر لی اور تکمیل کو پہنچے آپ حضرت عثمانؓ کی اولاد میں سے تھے۔

خلفاء صاحب تاریخ مشائخ چشت نے آپ کے خلفاء کی تعداد چالیس لکھی

جن میں سرفہرست حضرت شاہ احمد عبدالحق ردولومی قدس سرہ ہیں۔ آپکی تاریخ

وصال ۱۱۷۷ھ ہے مدفن آپکا پانی پت ہے۔

حضرت شاہ احمد عبدالحق ردولومی آپ عرصہ دراز تک مشائخ کی صحبت

میں رہ کر آخر پانی پت پہنچے۔ اور حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے بہت شدید مجاہدات کیے حتیٰ کہ قبر کھود کر چھ ماہ تک اس میں ریاضت کرتے رہے۔ آخر حق تعالیٰ کی طرف سے "عبدالحق" کا خطاب پا کر باہر آئے۔ اسکے بعد آپ ہمیشہ شاہدہ حق میں مستغرق رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو خادم حق حق حق کی آواز دیکر آپ کو ہوشیار کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ حق کی آواز سن کر آپ عالم لاہوت سے جبروت کی طرف آئے۔ دوسری آواز سن کر آپ جبروت سے ملکوت کی طرف اور تیسری آواز پر آپ عالم ملکوت سے عالم ناسوت کی طرف آئے اور نماز پڑھ کر پھر عالم لاہوت یعنی شاہدہ جمال حق منہمک ہو جاتے تھے جب نماز جمعہ کو جاتے تو خادم آئے چل کر حق حق حق کی آواز بلند کرتا جاتا تھا اور اس آواز کو آپ سن کر قدم اٹھاتے جاتے تھے۔ جب خادم خاموش ہوتا تو آپ عالم تحیر میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

آپ نسب میں حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے دادا شیخ داؤد چنگیز خان کے مظالم کی وجہ سے ہندوستان آئے تھے۔ اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی نے آپ کے مفصل

حالات لکھے ہیں جو کتاب مرآة الاسرار میں نقل کئے گئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ تھا، برداشت نہ کر سکا اور راز فاش کر دیا۔ مردانِ خدا ایسے ہیں جو دریا نوش کر جاتے ہیں اور دم نہیں مارتے۔

جب آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہو گئی تو آپ نے اہل خانہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے فرشتے کئی مرتبہ مجھے لینے آئے ہیں لیکن میں نے انکو کہا ہے کہ جب تک اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی نہیں دیکھ لیتا اس دنیا سے نہیں جاؤنگا اسلئے اب جلدی اسکی شادی کرو اب زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔ چنانچہ چند یوم میں آپ کے بیٹے کی شادی ہو گئی اور آپ جہان فانی کو چھوڑ کر جہان باقی کی طرف رحلت کر گئے تالیخ وصال پندرہ جمادی الثانی ۸۳۷ھ ہے۔

حضرت شیخ احمد عارف بن شیخ احمد عبدالحق آپ اپنے والد حضرت

شیخ احمد عبدالحق کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ نے پچاس سال تک حق سجادگی ادا کیا اور اپنے بیٹے شیخ محمد کو خلافت دیکر راہی ملک بقا ہوئے۔

حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف آپ کے مقام کا اندازہ اس بات

سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی جیسے شاہباز آپ کے مرید اور خلیفہ ہیں اور حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی حضرت محمد عارف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحد کے پیرو مرشد ہیں جنکو خرقہ خلافت حضرت شاہ عبد القدوس کے بیٹے حضرت شاہ رکن الدین سے حاصل ہوا۔

شیخ بدھ آپ اپنے والد حضرت شیخ محمد کے مرید و خلیفہ تھے۔ ایک دن

آپ سوئے ہوئے تھے آپلی اہلیہ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ بیک وقت سو بھی رہے ہیں اور مصلے پر بیٹھے نماز بھی پڑھ رہے ہیں۔

حضرت شیخ منصور آپ اپنے والد شیخ بدھ کے مرید و خلیفہ تھے اور

اور بڑے مراض اور عبادت گزار تھے صاحب مرآة الاسرار کا بیان ہے کہ میں

نے بارہا شیخ منصورؒ کے بیٹے شیخ عالمؒ کی زیارت کی ہے۔

حضرت شیخ عبدالرحمنؒ | آپ حضرت شیخ بدھ کے مرید تھے لیکن خلافت

آپ نے حضرت شیخ منصورؒ سے حاصل کی۔ آپ مرآة الاسرار کے مصنف کے گہرے دوست تھے اور طریقت میں ماہر فن مشائخ تھے۔ آپ نے ہمیشہ گمنامی میں زندگی

بسر فرمائی تھی۔ **حضرت شیخ پیر بن شیخ بدھؒ** | آپ حضرت شیخ بدھ کے بڑے بیٹے تھے۔

آپ بڑے قوی الحال بزرگ تھے۔ مشاہدہ جمال الہی میں آپکی آنکھیں ہمیشہ سُرخ رہتی تھیں۔

حضرت شیخ قطب الدینؒ | آپ اپنے والد حضرت شیخ پیرؒ کے مرید و خلیفہ تھے

جب آپ کلپہ شریف پہنچے تو حضرت مخدوم صابرؒ نے فرمایا کہ تمہاری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ فوراً جاؤ اور اپنی بلیوں کو اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ ملاؤ۔ آپ نے عرض کیا کہ میرے آباؤ اجداد کی عمریں تو بہت زیادہ تھیں مجھے کیوں اتنی جلدی بلاوا گیا ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تم کو یاد نہیں کہ تم نے اپنی عمر کے بیس سال رحمت خان کو دیئے تھے۔ رحمت خان بادشاہ اکبر کا مصاحب تھا جو قریب المرگ تھا لیکن آپ نے اپنی عمر میں سے بیس سال اُسے دیکر موت سے بچا لیا تھا۔ اس کے بعد آپ فوراً واپس ردولی آئے اور تین ماہ کے اندر وصال فرمایا۔

حضرت شیخ حمیدؒ | آپ شیخ قطب الدینؒ کے بیٹے اور خلیفہ جانشین تھے

اور تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع تھے۔ مرآة الاسرار کے مصنف شیخ عبدالرحمنؒ ان ہی کے مرید و خلیفہ تھے حضرت شاہ احمد عبدالحقؒ نے فرمایا تھا کہ میری ساتویں پشت کا جب ظہور ہو گا تو وہ بعینہ میری طرح ہو گا۔ صاحب مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ حمیدؒ قطب وقت تھے۔ اور یہ بات انکو حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ نے عالم معاملہ میں بتائی تھی۔ آپ کا وصال جہانگیر کے عہد حکومت میں ۲ جمادی الاول ۱۰۳۲ھ کو ہوا اور ردولی شریف میں دفن ہوئے۔

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام

ابو حنیفہؒ سے جاملتا ہے آپ کے دادا حضرت شیخ صفی الدین حنفیؒ چشتیہ سلسلہ کے مشہور شیخ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے خلیفہ تھے۔ اگرچہ بظاہر آپ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبد الحقؒ کے مرید و خلیفہ تھے لیکن باطنی طور آپ کی تربیت حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہ کی روحانیت سے ہوئی۔ ایک خرقہ خلافت آپ کو حضرت شیخ قاسم اودھی سہروردی سے بھی حاصل ہوا۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ کے مشائخ سے بھی خلافت حاصل تھی۔ اور آپ کے ذریعے ان تینوں سلاسل کی نسبت آج تک آپ کے سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ میں جاری و ساری ہے۔

تصانیف آپ کی تصانیف میں سے سب زیادہ اہم آپ کے مکتوبات ہیں جو آپ نے مریدین کی ہدایت و تربیت کیلئے تحریر فرمائے۔ مکتوبات کیا ہیں حقائق و معارف کا بلند پایہ خزانہ ہیں۔ احقر راقم الحروف نے ان مکتوبات کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے جو عنقریب طبع ہونے والا ہے۔ آپ کی دوسری تصنیف انوار العیون ہے جس میں آپ نے حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہ کے حالات و کرامات بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل کتب تالیف فرمائی ہیں۔

۱۔ تعلیقات علی شرح الصحائف علم کلام

۲۔ معارف المعارف۔

۳۔ حاشیہ تعارف۔

آپ کے حالات آپ کے فرزند و خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین نے قلمبند کیے ہیں اس کتاب کا نام لطائف قدوسی ہے۔ آپ کے حالات مرآة الاسرار اقتباس الانوار اور انوار العارفین میں بھی تفصیل سے پائے جاتے ہیں

کالات آپ کے کالات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں گنجائش بیان نہیں ہے۔ صرف ایک واقعہ سے آپ کے بلند مقام

کا اندازہ ہو جائیگا۔ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ شروع میں عامل تھے بعد میں ولی اللہ ہوئے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے تابع جنوں کو حکم دیا کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو اٹھا کر لے آؤ۔ جب جن وہاں پہنچے تو آپ مسجد میں مراقب تھے۔ جن دُور کھڑے دیکھ رہے تھے لیکن قریب آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ محمد غوثؒ زیارت کے مشتاق ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ آپکو وہاں لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمکو حکم دیتا ہوں کہ محمد غوثؒ کو یہاں لے آؤ۔

چنانچہ جن واپس گئے اور انکو اٹھا کر لے آئے۔ راستے میں انہوں نے جنوں سے پوچھا کہ تم تو میرے تابع ہو میرے حکم سے یہ سرکشی کیسے کر رہے ہو۔ جنوں نے جواب دیا کہ باقی سب لوگوں کے مقابلے میں ہم آپ کے مطیع ہیں مگر حضرت شیخ کے مقابلے میں ہم آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ عرض کیا انکو لیکر حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ یہ حرکتیں کرتے ہو۔ آخر کار انہوں نے توبہ کی اور بیعت ہو کر ولایت کے مراتب کو پہنچے۔ آپ کا مزار گوالیار میں ہے۔ حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کی تاریخ وصال ۱۱/ جمادی الآخر ۹۴۴ھ ہے۔ مرض الموت کے دوران ایک رات آپ نے ستر مرتبہ تازہ وضو کر کے نوافل نخیۃ الوضو پڑھیں۔ اور نماز پڑھتے ہوئے جاں بحق ہوئے۔

خلفاء ویسے تو آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں صرف چند مشاہیر کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں:-

- ۱۔ حضرت شیخ زکون الدین جو آپ کے فرزند اور خلیفہ جانشین تھے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحدؒ کے پیر و مرشد تھے۔
- حضرت مجددؒ کو سلسلہ چشتیہ کی نسبت آپ کے ذریعے حاصل ہوئی۔
- ۲۔ حضرت شیخ بھوراؒ - ۳۔ حضرت شیخ عمرؒ - ۴۔ حضرت شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ

۵۔ حضرت شیخ عبدالکبیر المعروف بالاپیر جو آپ کے فرزند نسبی تھے۔

۶۔ حضرت شیخ جلال الدین تمھانیسری۔

یہاں صرف حضرت جلال الدین کابلی تمھانیسری اور انکے خلفا اور خلفا کے خلفا کے حالات بیان کیئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ جلال الدین کابلی تمھانیسریؒ آپ حضرت شاہ عبدالقدوسؒ

کے اکابر خلیفہ ہیں سے تھے۔ آپ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد ہیں۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں تمام علوم اسلامیہ پر عبور حاصل کر لیا۔ اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ اتباع شریعت میں آپ بہت سخت تھے۔ بیعت سے پہلے آپ بہت بڑے عالم تھے اور ایک مدرسے میں درس دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مرید تھے ایک دفعہ جب وہ مرید گھر جانے لگا تو مولانا جلال نے اُس سے کہا کہ اپنے ناچنے والے پیر کو میرا سلام کہنا (یعنی جو سماع میں رخص کرتے ہیں) جب انہوں نے سلام پہنچایا تو آپ نے فرمایا کہ انکو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ ہمارے پیر ناچتے بھی ہیں اور نچواتے بھی ہیں۔ جب طالب علم نے یہ پیغام دیا تو اُنکی حالت دگرگوں ہو گئی اور غلطاں و خیراں حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت اقدس نے ایک تیز نگاہ ڈالی جس سے وہ اپنے تمام علوم کھو بیٹھے اور بالکل کورے بن گئے۔ لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور محافی مانگی تو انکو تمام علوم واپس مل گئے۔ اس کے بعد حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کی سلوک تمام کیا اور بلند مراتب کو پہنچے۔ ارشاد الطالبین آپ کی تصنیف ہے جو سلوک الی اللہ پر ایک جامع لیکن مختصر درس ہے۔ اکبر بادشاہ اکثر آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرتا تھا۔

کرامات آپکی کرامات تو بیشمار ہیں یہاں صرف ایک پر اکتفا کیا

جاتا ہے۔ تمھانیسری میں ایک میلہ لگتا تھا جہاں ایک ہندو جوگی زمین میں غوطہ لگا کر جہاں چاہتا تھا باہر آجاتا تھا۔ چنانچہ آپ بھی تماشادیکھنے کی خاطر

وہاں چلے گئے۔ جب جوگی نے غوطہ لگایا تو آپ نے اپنا پاؤں اس جگہ رکھ دیا جہاں
 اُس نے غوطہ لگایا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ جوگی باہر نہ آسکا اور زمین کے اندر
 مر گیا۔ آپ کی تاریخ وصال ۱۳ ریا ۲۲ ریا ۲۵ ذوالحجہ ۹۸۰ھ یا ۹۸۹ھ ہے۔
حضرت شیخ نظام الدین بلخی آپ حضرت شیخ جلال الدین تمھانیسری
 قدس سرہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ تمام ظاہری و باطنی علوم سے مزین تھے۔
 اور علم کہیا بھی جانتے تھے۔ اس وجہ سے حاسدین نے اکبر بادشاہ کو آپ کے
 خلاف بھڑکایا اور بادشاہ نے آپ کو دو مرتبہ ملک بدر کیا۔ آپ اپنے شیخ علیہ رحمہ
 کے خلیفہ ہونے کے علاوہ بقیعے اور داماد بھی تھے۔ آپ نے تھوڑے عمر سے میں
 اس قدر ترقی کر لی کہ حضرت شیخ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے مریدین و خلفا کو آپ کے
 حوالے کر دیا تھا۔ آپ جس شخص پر نظر کرتے صاحب شہو و بنا دیتے تھے۔
 ایسے لوگوں میں آپ کا لقب ”ولی تراش“ ہو گیا تھا۔

تصانیف آپ کی تصانیف میں شرح سوانح غزالی، لمعات کی دو شرحیں
 (مکی و مدنی) ریاض قدسی، تفسیر نظامی، رسالہ حقیقت، رسالہ بلخیہ (در جواز
 سماع) شامل ہیں۔

وصال آپ کی تاریخ وصال ۸ رجب ۱۰۳۵ھ ہے۔ مزار مبارک
 بلخ میں ہے۔
خلفا آپ کے مشہور خلفا یہ ہیں۔

- ۱۔ صاحبزادہ عبد الکریم۔ ۲۔ سید علی غواص ترمذی (جو بلخ میں سجادہ نشین ہوئے
 اور علاقہ سوات میں پیر بابا کے نام سے مشہور ہیں)
- ۳۔ حضرت شاہ ابوسعید جو گنگوہ میں سجادہ نشین ہوئے۔
- ۴۔ حضرت شیخ اللہ داد۔ ۵۔ حضرت شیخ جان اللہ لاہوری (مزار باغ مہمان سنگھ)
- ۶۔ حضرت شیخ حسین بوہیری۔ ۷۔ حضرت شیخ ولی محمد نارتولی۔
- ۸۔ حضرت پابندہ بنوری۔ ۹۔ حضرت سید اللہ بخش لاہوری بہکری۔
- ۱۰۔ حضرت شیخ عبد الکریم لاہوری (مدفن موضع نواں کوٹ) ۱۱۔ حضرت شیخ مصطفیٰ
- ۱۱۔ حضرت شیخ دوست محمد لاہور۔

۱۳۔ حضرت شیخ عبدالفتاح اندورمیؒ۔ ۱۴۔ حضرت شیخ عبدالرحمن کشمیریؒ
 ۱۵۔ حضرت سید قاسم برہانپوریؒ۔ ۱۶۔ حضرت قاضی عبدالحمید ولد قاضی سالمؒ
 ۱۷۔ حضرت شیخ صادق برہان پوریؒ۔ ۱۸۔ حضرت شیخ فتیحیؒ۔
 اب حضرت شاہ نظام الدین بلخیؒ کے چند نامور خلفا کے حالات بیان کیے

جاتے ہیں۔
حضرت شیخ علی غواص ترمذی حنبلیؒ آپ حضرت نظام الدین بلخی

قدس سرہ کے خلیفہ تھے جب حضرت شیخ ہندوستان سے بلخ تشریف لے
 گئے تو شیخ علی غواصؒ وہاں مرید ہوئے اور سلوک تمام کر کے علاقہ یوسف زئی
 میں قیام فرمایا۔ اس علاقے میں آپ پیر بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

کتب سیر میں لکھا ہے کہ آپ غوث الوقت تھے۔ آپ سماع بلا مزامیر وغیر آلات
 سنتے تھے۔ آپ چونکہ غواص بکر معرفت تھے اپنے شیخ کی طرف سے آپ کو غواص کا
 لقب ملا تھا۔ آپ کا وصال ۱۰۸۷ھ میں شاہجہان بادشاہ کے عہد میں ہوا۔

حضرت مولانا خوندار درویش حنبلیؒ آپ حضرت شیخ علی غواصؒ

کے خلیفہ ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے اور باطنی کمالات
 کو درس تدریس میں چھپاتے تھے۔ آپ سختی سے پابند شریعت تھے اور ملحدین
 اور رافضیوں سے ہر وقت برسر پیکار رہتے تھے۔ خصوصاً بایزید جو اپنے آپ کو پیر
 روشن کہتا ہے اسکا آپ نے بڑا مقابلہ کیا اور اسے پیر تاریک کا لقب دیدیا۔
 اسی طرح حضرت عیسیٰ بلوقی کے غیر اسلامی عقائد کا بھی آپ نے خوب مقابلہ

کیا۔ ان دونوں اشخاص کے عقائد باطلہ کی آپ نے اپنی کتاب مخزن الاسلام
 میں خوب تردید کی ہے۔ مہارج الولاہیت کے مصنف نے اس کتاب

کی شرح لکھی ہے جس کا نام کلمات الوافیات ہے۔ مخزن الاسلام کا نصف
 حصہ حضرت خوندار درویش نے لکھا ہے اور آپ کے وصال کے بعد باقی نصف حصہ
 آپ کے فرزند اور خلیفہ حضرت مولانا عبدالکرم پشاورمیؒ نے لکھا ہے۔ آپکی تاریخ

وصال ۱۲۸ھ ہے۔
حضرت مولانا عبد الکریم پشاورمی آپ حضرت اخوند درویش کے

فرزند اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے باکال درویش تھے۔ آپ کو اخوند کریم داد بھی کہتے ہیں۔ آپ شریعت، طریقت اور حقیقت میں کمال رکھتے تھے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ غوث کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ غوث وہ ہے کہ جب فوت ہو جائے اور کوئی اسکے چہرہ کی زیارت کرے تو وہ تبسم کرتا ہے۔ چنانچہ جب آپکا وصال ہوا تو اس شخص نے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو آپ نے تبسم فرمایا۔ سبحان اللہ! مردانِ خدا کی شان نرالی ہے۔ آپ کا سن وصال ۱۰۷۲ھ ہے۔

حضرت پنچو بابا پشاورمی آپ بھی اخوند درویش کے مرید و خلیفہ ہیں

اور وہی مسلک رکھتے تھے جو الکا تھا۔ آپ ہندی و فارسی کے شاعر تھے۔ مولانا چالاک میاں، مولانا شیخ شاہ جہان پوری اور شیخ علی آپ کے نامور مرید تھے۔ آپ کا سن وصال ۱۰۷۳ھ ہے۔ اور مزار پشاور میں ہے۔

حضرت شیخ محمد عارف لاہوری آپ بھی سلسلہ عالیہ چشتیہ

سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شیخ محمد صدیق لاہوری آپ حضرت شیخ محمد عارف لاہوری

کے مرید و خلیفہ تھے اور جامع شریعت و طریقت و حقیقت تھے۔ دن کے وقت آپ درس و تدریس میں اور رات کو تربیت مریدین میں مشغول رہتے تھے۔ سن وصال ۱۰۸۲ھ آپ کا مزار لاہور میں مزارات میدان زین خان

میں ہے۔
حضرت شیخ جان اللہ چشتی لاہوری آپ بھی حضرت شاہ نظام الدین

بلخی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شروع میں آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا بعد میں آپ نے تمھانیسرا جا کر حضرت شیخ سے بیعت کی اور کمال کو پہنچے آپ بلخ میں بھی اپنے شیخ کے ساتھ رہے۔ آپ کا سن وصال ۱۰۳۶ھ ہے اور مزار

مبارک لاہور میں باغ مہمان سنگھ میں بسنے والے حضرت شیخ نور الدین
حضرت شیخ ابو سعید حسینی صابری گنگوہی آپ حضرت شیخ نور الدین

کے بیٹے اور شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے۔ آپکی والدہ حضرت شیخ
 جلال الدین تمھانیسری کی بیٹی تھیں۔ آپ حضرت شیخ نظام الدین طنجی قدس سرہ
 کے اکل واعظم خلفا میں سے تھے۔ پہلے آپ نے اپنے دادا علیہ رحمۃ کے ہاتھ پر بیعت
 کی۔ اس کے بعد اپنے دادا سے اشارہ غیبی پا کر حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں
 بلخ پہنچے اور سلوک تمام کر کے خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین
 نے بہت سخت مجاہدات کئے۔ جن میں سے آپ کامیاب اترے اور پھر خلافت
 حاصل کی۔ آپ کو حضرت شیخ حمید سے بھی خلافت ملی تھی۔ آپ مرآة الاسرار کے
 مصنف شیخ عبدالرحمن کے ہم عصر اور دوست تھے۔

خلفا آپکے خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ محمد صادق۔ ۲۔ حضرت شیخ محمد ابراہیم سید پوری (نزد گنگوہ)

۳۔ حضرت شاہ محب اللہ آبادی۔ ۴۔ حضرت شیخ محمد ابراہیم سہارنپوری

۵۔ حضرت شیخ خواجہ پانی پتی۔

وصال آپ کا سن وصال ۱۰۳۹ھ ہے۔ مزار مبارک گنگوہ شریف

میں ہے۔
حضرت شیخ محمد صادق آپ حضرت شیخ ابو سعید کے چچا

زار بھائی اور خلیفہ جانشین تھے۔ آپ سماع کے دلدادہ تھے۔

حضرت شیخ داؤد آپ حضرت شیخ محمد صادق کے فرزند اور خلیفہ

جانشین تھے اور بڑے بالکال بزرگ تھے۔ کسی نے بادشاہ اور نگزیب

عالمگیر کے ہاں شکایت کی کہ شیخ داؤد سماع سنتے ہیں اور شریعت کی پرواہ

نہیں کرتے۔ بادشاہ نے آپکو بلا بھیجا۔ جب آپ دہلی پہنچے تو بادشاہ نے

ملا عبدالقوی فقہیہ سے کہا کہ ان کے ساتھ مناظرہ کرو۔ جب اس نے مناظرہ

شروع کیا تو اس کا علم جاتا رہا اور جاہل ہو کر رہ گیا۔ آخر اس نے توبہ کی اور معافی کا طلب گار ہوا۔ آپ نے اس کو معاف کیا اور علم واپس دلایا۔

نقل ہے کہ آپ نے وصال سے تین روز پہلے اپنے بھائی سے کہا کہ میرے جنازہ کا انتظام کرو۔ مجھے تین رات سے متواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ داؤد جلدی اؤ مجھے تمہارا اشتیاق ہے۔

آپ کا یوم وصال ۵ / رمضان ۱۰۹۵ھ ہے۔ وصال کی رات آپ نے قرالوں کو طلب کیا اور ساری رات وجد و تواجد میں مشغول رہے۔ اور صبح کے وقت اسی سماع کی حالت میں جاں بحق ہوئے۔ مزار مبارک گنگوہ میں ہے۔

خلفاء آپ کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت شیخ سوندہ ابن عبدالمومنؒ۔ ۲۔ حضرت شیخ بلاقی کیتھلیؒ۔
- ۳۔ حضرت سید غریب اللہ ساکن کرانہؒ۔ ۴۔ حضرت شاہ ابوالمعالی ساکن امٹھہؒ
- ۵۔ حضرت شیخ عبدالقادر ساکن سنورؒ۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ | آپ حضرت شیخ داؤد قدس سرہ کے مریدو

خلیفہ ہیں۔ پہلے آپ نے بیعت حضرت شیخ محمد صادقؒ کے ہاتھ پر کی تھی لیکن خلافت انکے فرزند حضرت شیخ داؤد سے حاصل ہوئی۔ روایت ہے کہ ایک شخص آپ کا سخت مخالف تھا اور اکثر بدکلامی اور دشنام سے کام لیتا تھا۔ جب وہ آدمی فوت ہوا تو آپ نے اس کا ماتم کیا اور بہت روئے۔ جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ دشمن کی موت پر آپ اسقدر کیوں رو رہے ہیں تو فرمایا کہ انبیاء اور اولیاء جب دنیا کی گردوغبار سے آلودہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کر دیتا ہے جو ان خدا کے دوستوں کو ملامت کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں اس سے دنیا کی گردوغبار مٹ جاتی ہے اور وہ پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ اب جب کہ یہ آدمی مر چکا ہے۔ مجھے اس بات کا غم ہے کہ اب مجھے دنیا کی آلائش سے کون پاک کرے گا۔ آپ پر استخراق کا اس قدر غلبہ رہتا تھا کہ ایک دفعہ تین ماہ تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نماز کیلئے بھی خدام

آپ کو مشکل سے استخراق سے نکال کر وضو کراتے تھے اور نماز ادا کراتے تھے لیکن بعد میں یہ حالت جاتی رہی اور آپ پابندی شریعت میں کمر بستہ ہو گئے۔ آپ کا سن وصال ۱۱۶ھ ہے۔

حضرت شیخ سوندھہا

آپ بھی حضرت شیخ داؤد قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ اور مریدین کی تربیت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حالت سماع میں آپ کی نظر جس شخص پر پڑتی تھی بے ہوش ہو جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے قوالوں کو طلب کر کے خواجہ حافظ شیراز کے اس شعر کو پڑھنے کا حکم دیا۔

صحبت غیر خواہم کہ بود عین قصور باخیال تو چرا با دگران پردازم۔
جو نہی قوالوں نے گانا شروع کیا آپ کو وجد آگیا اور وجد ہی میں جاں بحق ہو گئے۔ آپ کی تاریخ وصال ۴ جمادی الاول ۱۲۹ھ ہے۔

خلفا آپ کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت سید محمد سعید سید میراں بھیک۔ ۲۔ حضرت شیخ محمد علی بن شیخ

اللہ بخش ساکن قصبہ براس۔ ۳۔ حضرت شیخ پیر محمد ساکن تھانہ۔

۴۔ حضرت شیخ عثمان کرنالی۔ ۵۔ حضرت شیخ محمد صدیق کیتھلی۔ ۶۔

حضرت شیخ محمد اکرم براسوئی مؤلف کتاب سواطع الانوار و اقتباس الانوار

حضرت شاہ میراں بھیک

آپ حضرت شاہ ابوالعالی کے خلیفہ

اعظم ہیں آپ بڑے باکمال ولی اللہ ہیں۔ ذوق و شوق اور وجد سماع میں آپ

بے نظیر تھے۔ تربیت مریدین میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کے علاقے میں ایک ہندو زمیندار تھا جو مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی

۱۔ کتاب ہذا کا راقم الحروف مؤلف نے اردو ترجمہ کیا ہے اور طباعت کے مراحل

طے کر رہی ہے۔

جرم میں گرفتار ہو گیا اور حاکم وقت نے اسے قتل کی سزا سنائی۔ چنانچہ اسے شہر کے کونے کونے میں لیے پھرتے تھے اور گور، کودنے اور پھرتے تھے کہ آج فلاں جگہ پر قتل ہونے والا ہے۔ چنانچہ تمام لوگ، جائے قتل پر جمع ہو گئے۔ جب اس مجرم کو راستے میں حضرت میراں بھیکہ نظر آئے تو ریموں پر گر گیا اور عرض کیا کہ اب مجھے زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی اور چند منٹوں میں مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر آپ مجھ سے مصیبت سے بچائیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ فکر مت کرو۔ تمہیں کوئی شخص نقصان نہیں پہنچا سکتا جب جلا دتلوار ہاتھ میں لیکر آیا تو عین اسی وقت حاکم وقت کا حکم پہنچ گیا کہ قتل مت کرو۔ اور جلوت دیکر رخصت کر دو۔ چنانچہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو کر پیر شاہ نام پایا۔

آپ کا وصال ۵ رمضان المبارک ۱۱۳۱ھ کو ہوا۔ آپ کے چالیس خلفاء تھے جن میں سے ہر ایک سے سلسلہ جاری ہوا ہے۔

حضرت شیخ محمد سعید چشتی شریپوری لاہوری:

آپ کا سلسلہ چند واسطوں سے حضرت شیخ نظام الدین بلخی صابری سے اس طرح جا ملتا ہے کہ شیخ محمد سعید بن محمد باقر چشتی خلیفہ شاہ مراد چشتی ملتانی خلیفہ شیخ جیوی شاہ گجراتی خلیفہ شاہ زکریا چشتی خلیفہ شیخ حاجی قطب خلیفہ شاہ درگاہی چشتی لاہوری خلیفہ حضرت شاہ ابو سعید گنگوہی خلیفہ حضرت شاہ نظام الدین بلخی قدس سرہ۔ آپ بڑے صاحب کشف و کرامات تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توجہ سے صاحب ولایت ہوئے۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آپ شریپور سے بیل پر غلہ اٹھائے لاہور جا رہے تھے راستے میں بیل کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ گر گیا آپ پریشان ہو کر بیٹھے تھے ایک گھوڑے سوار نمودار ہوا انہوں نے سمجھا یہ کوئی راہزن ہے اور میرا بیل چرانا چاہتا ہے چنانچہ قریب آتے ہی انہوں نے کہا کہ میرے بیل کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے تمہارے کام کا نہیں ہے گھوڑے سوار نے کہا تمہارا بیل ٹھیک ہے اسے اٹھاؤ۔ انہوں نے بیل کو پاؤں مارا تو کھڑا ہو گیا اب وہ سمجھے کہ یہ راہزن نہیں بلکہ راہنما

ہے۔ اب ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور آپ نیچے آکر میرے ساتھ غلہ کی بوری اٹھوائیں اور بیل پر رکھوائیں انہوں نے نیزے کی نوک سے بوری اٹھا کر بیل پر رکھ دی اور جانے لگے تو شیخ محمد سعید نے عرض کیا کہ آپ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ علی ابن ابی طالب ہوں مجھے تیری امداد کا حکم ملا ہے اس کے بعد آپ کی حالت تبدیل ہو گئی اور شیخ کامل سے بیعت کر کے بلند مراتب کو پہنچے۔

حضرت شاہ عتیق اللہ جالندھری:

آپ سادات جالندھری میں سے ہیں۔ آپ حضرت شاہ ابو المعالی کے خلیفہ تھے جو حضرت شاہ میراں بھیک کے خلیفہ تھے۔ آپ مدت دراز تک ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ آپ کی عمر ایک سو پینتیس سال تھی۔

حضرت شاہ علیم اللہ جالندھری:

آپ حضرت شاہ عتیق اللہ کی فرزند اور خلیفہ تھے۔ نسبتاً آپ صحیح الطرفین سید تھے اور حضرت بزدگی سید اسماعیل سرہندی کی اولاد ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف بے شمار ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ انہار الاسرار۔ شرح بوستاں سعدی۔ رسالہ نزمہ السالکین (در علم سلوک)۔ شرح اخلاق ناصری۔ زبدۃ الروایات فقہ۔ نثر الجواہر فارسی (ترجمہ الدر المرجان عربی مؤلفہ مرزاخان برکی محدث)۔ آپ شروع میں شاہ ابو المعالی سے بیعت ہوئے لیکن روحانی تربیت حضرت میراں بھیک سے حاصل کی۔ آپ نے ساری عمر مریدین کی تعلیم و تربیت میں گزاری آپ بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ آپ کی ایک غزل بطور قوت و تبرک یہاں درج کی جاتی ہے۔

یار از خلوت گہر قدسی . ممدان تاختہ تیغ استغنا بہ گردن ہائے اغیار آختہ
از تلون ہائے تو شکر لبابا گاہے علیم ہجو تیغ افسردہ گاہے چوں نمک بگداختہ
آپ کی کرامات شیخ عبداللہ نے کتاب اسرار العلیم میں درج کی ہیں آپ کاسن وصال ۱۲۰۲ھ ہے آپ کی عمر ترانوے سال تھی۔

حضرت سید علی شاہ چشتی صابری جالندھری:

آپ حضرت شاہ علیم اللہ کے خلیفہ جانشین تھے اور ایک مدت تک خلق خدا کی ہدایت میں مشغول رہے آپ کا سن وصال ۱۲۱۳ھ - مزار مبارک جالندھری میں ہے۔

حضرت شیخ محمد چشتی:

آپ بھی حضرت سید علیم اللہ جالندھری کے خلیفہ ہیں آپ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ تھے۔ اور تمام عمر تعلیم و تلقین اسلام میں بسر فرمائی۔ آپ کا سن وصال ۱۲۲۰ھ ہے۔

حضرت سید اعظم چشتی روپڑی:

آپ کا سلسلہ بھی حضرت میراں بھیک سے جا ملتا ہے آپ اپنے والد حضرت سید عالم روپڑی کے مرید تھے اور وہ حضرت میراں بھیک کے مرید و خلیفہ تھے ایک دفعہ آپ گھوڑی پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ راستے میں راہزن مل گئے اور گھوڑی پر قبضہ کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا بھائی میری یہ گھوڑی بہت کمزور اور کم قیمت ہے۔ ذرا ٹھہرو میں تمہیں اپنے گھر سے ایک نہایت ہی عمدہ گھوڑی لائے دیتا ہوں۔ آپ گھر گئے اور عمدہ گھوڑی لا کر چوروں کو دے دی اور وہ لے کر چلے گئے۔ دوسرے دن تمام راہزن اپنے بال بچوں سمیت آئے۔ توبہ کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کا سن وصال ۱۲۲۷ھ ہے مزار آپ کا روپڑی میں ہے۔

حضرت حافظ موسیٰ مانک پوری:

آپ حضرت سید اعظم چشتی روپڑی کے خلیفہ ہیں۔ آپ کے جذب و مستی کا یہ عالم تھا کہ سماع میں آپ کی نظر جس پر پڑتی مجذوب ہو جاتا تھا۔ چنانچہ چند اشخاص مثل کرم شاہ اور محمد شاہ مجذوب ہو گئے۔ آپ کا وصال ۱۲۴۷ھ ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۴۷ھ کو ہوا مزار مانک پور میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں مولوی امانت علی اور غلام معین الدین عرف خاموش دکنی اور خواجہ عبداللہ امرہوی، امانت علی ثانی۔ محمد بخش سہگہ والا اور پیر شاہ زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت مولوی غلام مصطفیٰ چشتی وزیر آبادی:

آپ کا سلسلہ کئی واسطوں سے حضرت شیخ محمد صدیق لاہوری سے جا ملتا ہے۔ آپ کے خلفاء میں سید چراغ شاہ سبزواری لاہوری ہیں جو مفتی غلام سرور مؤلف خزینۃ الاصفیاء کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کا سن وصال ۱۲۶۷ھ ہے۔

حضرت امانت علی چشتی:

آپ حضرت موسیٰ کے خلیفہ تھے آپ خلوت نشین تھے اور اہل دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت شیخ احمد کشمیری سے بھی فیض صحبت حاصل کی

خلفاء:

آپ کے خلفاء یہ ہیں۔

شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالرحمن، شیخ سمیع اللہ ساکن پٹیالہ وغیرہ۔

حضرت شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوری:

آپ حضرت شیخ عبدالخالق چشتی صابری لاہوری کے خلیفہ تھے جو حضرت نظام الدین بلخی کے خلیفہ حضرت شیخ جان اللہ لاہوری چشتی کے خلیفہ تھے۔ فقر و تجرید میں آپ کا مقام بہت بلند ہے جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا تھا ہو جاتا تھا آپ کی تاریخ وصال ۱۰۷۱ھ ہے مزار لاہور میں ہے۔

حضرت شیخ محمد صدیق چشتی صابری لاہوری:

آپ حضرت شیخ محمد عارف کے خلیفہ تھے۔ علوم شریعت و طریقت میں یگانہ تھے۔ آپ نے ساری عمر درس و تدریس میں بسر کر دی۔ لیکن شام کے وقت آپ طالبان راہ طریقت کی روحانی تربیت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی تاریخ وصال ۸ ذی الحجہ ۱۰۸۴ھ ہے آپ کا مزار مزارات میدان زین خان میں واقع ہے۔

حضرت شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوریؒ:

آپ حضرت شیخ محمد صدیق چشتی صابری لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ خلق کثیر نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ سماع کے دلدادہ تھے۔ آپ کے ہاں ہر وقت محفل سماع جاری رہتی تھی۔ علمائے ظاہر نے آپ کی بڑی مخالفت کی لیکن ناکام ہوئے آخر لاہور کا صوبیدار (گورنر) جب آپ کا مرید ہوا تو مخالفت ختم ہو گئی۔ تاریخ وصال ۳ ذوالحجہ ۱۱۵۱ھ ہے آپ کا مزار مبارک لاہور میں ہے۔

حضرت شیخ خیر الدین چشتی صابری عرف خیر شاہ لاہوریؒ:

آپ حضرت شیخ سلیم چشتی صابری لاہوری کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ جذب و وجد اور سماع میں یگانہ تھے۔ آپ کالنکر عام تھا جس میں سب امیر و غریب حصہ لیتے تھے۔ آپ کی تاریخ وصال ۱۹ ذوالحجہ ۱۲۲۸ھ ہے۔ مزار لاہور میں ہے۔

حضرت شیخ سید عبدالرشید چشتی صابریؒ:

آپ حضرت میراں بھیک کے خلیفہ تھے۔ نذر بہتہ السالکین میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت میراں بھیک نے حضرت شاہ علیم اللہ سے فرمایا کہ میں تمام مریدین کا چھ ماہ تک امتحان لیتا ہوں اور پھر مرید کرتا ہوں لیکن سید عبدالرشید کو میں نے اول وز سے راسخ العقیدہ پایا۔ آپ کا وصال یکم ربیع الاول ۱۱۲۱ھ کو ہوا۔ مدفن جالندھر ہے۔ آپ کے فرزند حضرت غلام محی الدین کو حضرت شاہ میراں بھیک سے خلافت حاصل تھی۔



مشائخِ چشتیہ صابریہ محبت الہیہ

حضرت شاہ محبت اللہ الہ آبادیؒ:

آپ کا اصلی وطن صدر پور تھا۔ تحصیل علوم کے بعد آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار مبارک پر مراقب ہوئے تو ارشاد ہوا کہ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں آج کل شاہ ابو سعید گنگوہی کا بازار گرم ہے وہاں جاؤ۔ وہاں جا کر بیعت ہو گئے اور چند روز ہی آپ نے ان کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا (یہ دیکھ کر دیرینہ مریدین نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا اذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔)

خلافت کے بعد آپ نے الہ آباد کو اپنا مرکز بنایا اور تربیت مریدین میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے سلسلے میں زیادہ تر علماء داخل ہوئے۔ الہ آباد میں آپ بیس سال تک فیض رسانی میں مشغول رہے۔ بقول صاحب مرآة الاسرار آپ حضرت شاہ ابو سعید گنگوہیؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ صاحب مرآة الاسرار شیخ عبدالرحمن چشتی صابریؒ لکھتے ہیں کہ جس وقت میں ردولی شریف میں حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ کے ہاں مجاور تھا۔ حضرت شاہ محبت اللہ الہ آبادیؒ بھی وہاں تشریف لائے اور میرے مکان پر قیام فرمایا اور کچھ عرصہ یکجا رہ کر خوب مجالس درویشی گرم کیں۔ صاحب مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ حقائق و معارف بیان کرنے میں آپ دست گاہ تامہ رکھتے تھے۔ اور آپ کے کلمات بہت مؤثر تھے چنانچہ بڑے بڑے علما جو مسلک توحید (وحدت الوجود) کے منکر تھے آپ کے فیض و صحبت سے قائل ہو گئے اور یہی مسلک اختیار کیا۔ جیسا کہ آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ آپ نے فصوص الحکم مصنفہ شیخ اکبرؒ کی دو شرحیں لکھی ہیں ایک فارسی میں دوسری عربی میں۔ شاہزادہ داراشکوہ کو آپ سے بڑی محبت تھی اور اکثر حاضر خدمت ہوا کرتا تھا آپ کی تاریخ وصال ۹ رجب ۱۰۵۰ھ ہے۔

حضرت مولا ناٹخ سید محمدی اکبر آبادی:

آپ حضرت شاہ محبت اللہ الہ آبادی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے آپ نے چودہ سال اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی اور کمال کو پہنچے۔ آپ کی تاریخ وصال ۳ رجب ۱۱۰۷ھ ہے مدفن اکبر آباد (آگرہ) ہے۔

حضرت شاہ محمد مکی:

آپ اپنے والد ماجد حضرت سید محمدی اکبر آبادی کی فرزند اور خلیفہ ہیں آپ کی پیدائش چونکہ مکہ معظمہ میں ہوئی اس لئے شاہ محمد مکی کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت شاہ عضد الدین:

آپ کا وطن ہرگام ہے اور شیخ حامد بن شیخ - عیسے ہرگامی کے فرزند ہیں آپ عربی فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے آپ حضرت شاہ مختار مکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۷ رجب ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۲ھ ہے آپ کی عمر تقریباً ایک سو سال تھی۔ مزار شریف امر وہہ میں جامع مسجد کے قریب ہے۔

حضرت شیخ عبدالہادی:

آپ حضرت شاہ عضد الدین کے خلیفہ ہیں۔ آپ تنہائی پسند تھے۔ ایک دفعہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آبادی میں رہ کر خلق کو نفع پہنچاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ آبادی میں آئے اور لوگ کثرت سے مرید ہوئے۔ آپ کا وصال ۴ رمضان ۱۱۹۰ھ بروز جمعہ ہوا مدفن امر وہہ ہے۔

حضرت شاہ عبدالباری:

آپ اپنے اپنے دادا شاہ عبدالباری قدس سرہ کے مرید تھے آپ بارہ سال کی عمر میں مرید ہو گئے تھے اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کے سات خلفاء تھے حضرت شاہ عبدالرحیم۔ حضرت شاہ سید حاتم علی۔ حضرت شاہ حاجی خیال دین۔ حضرت حافظ کلن

شاہؒ حضرت شاہ منیرؒ۔ حضرت شیخ منیرؒ۔ حضرت شیخ امین اللہ۔ حضرت حافظ عبدالکریمؒ۔
تاریخ وصال ۱۱ یا ۲۸ محرم ۱۲۲۶ھ ہے۔ مدفن امر وہ ہے۔

حضرت شیخ الحاج شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ:

آپ سادات افغان میں سے تھے۔ طلب معرفت میں ہندوستان آئے۔ اول سلسلہ
قادریہ میں حضرت شاہ رحم علی ساڈھورویؒ (مزار پنجلاہہ) سے بیعت ہو کر کمالات
ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں حضرت شاہ عبدالباریؒ
کے ہاتھ بیعت کی اور نسبت کی تکمیل ہوئی۔ ان کے وصال کے بعد آپ نے حضرت شاہ سید
احمد شہید بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت جماد کی۔ آپ ستائیس ذیقعد ۱۲۳۶ھ کو سکھوں کے
ساتھ جماد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ مدفن آپ کا پنجتار علاقہ یوسف زئی ہے۔

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ:

آپ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کی اولاد میں سے تھے آپ نسبتاً علوی ہیں۔ آپ
شاہ عبدالرحیمؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ قصبہ لوہاری میں بچوں کو پڑھاتے تھے اور اپنی
ولایت کو چھپائے رکھا۔ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ حضرت حاجی
امداد اللہ مہاجر کی آپ کے خلیفہ تھے۔ آپ ہی کے خواب نے حضرت میاں جیؒ کی ولایت
کو ظاہر کیا۔ جس میں سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت
حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر حضرت میاں جیؒ نور محمد کے ہاتھ میں دیا۔ اس خواب کے بعد
آپ تلاش شیخ میں نکلے۔ لیکن کہیں پتہ نہیں لگتا تھا۔ کئی سالوں کی تلاش کے بعد مولانا
قلندر علیؒ نے جو حاجی صاحب کے استاد تھے فرمایا کہ لوہاری جاؤ اور حضرت میاں جیؒ کی
خدمت میں حاضری دو۔ شاید تمہارا اضطراب ختم ہو جائے۔ چنانچہ آپ سواری کا انتظار
کئے بغیر پیدل روانہ ہوئے۔ جذب و شوق کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے
آپ چلتے رہے اور لوہاری پہنچ کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہی شکل نظر آئی تو

خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی تھی۔ آپ جاتے ہی حضرت کے قدموں میں گر گئے حضرت نے فوراً قدموں سے آپ کا سر اٹھایا اور سینہ سے لگا کر فرمایا کہ کیا

تمہیں اپنے خواب پر پورا یقین ہے۔ یہ حضرت شیخ کی پہلی کرامت تھی جس سے حضرت صاحب کا قلب اور بھی مائل ہوا۔ روایت ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالرحیم نے حضرت سید احمد کے ہاتھ پر بیعت کی تو حضرت میاں جیؒ کو بھی ایک قاصد کے ذریعے بلوا کر بالا کوٹ میں حضرت سید احمد شہید سے بیعت کرائی اور پھر دونوں حضرات کو لوہاری واپس جانے کا حکم دیا۔ حضرت حافظ محمد ضامنؒ بھی حضرت میاں جی صاحبؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کا وصال ۸۰ سال کی عمر میں ۴ رمضان ۱۲۵۹ کو ہوا بزار جھنڈانہ میں ہے۔

کرامات:

آپ کی کرامات بے شمار ہیں ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت میاں جیؒ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو کیا دیکھا ہوں کہ آپ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوا پڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر تمام اعضا یکجا ہو گئے اور آپ اٹھ بیٹھے۔ اور مجھے فرمایا یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ ایک دفعہ ایک سادھو نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اکسیر دی اور کہا کہ اس سے آپ لنگر کا انتظام کریں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اس نے دوسری بار اور پھر تیسری بار اصرار کیا تو آپ نے ایک ڈھیلا اٹھا کر سامنے دیوار پر مارا جس سے ساری دیوار سونے کی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر سادھو نے کہا تب تو میاں جی آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

روایت ہے کہ جو حالت حضرت منصور حلاجؒ پر وارد ہوئی اور انا الحق کہہ اٹھے وہی حالت حضرت میاں جی نور محمدؒ پر چھ ماہ تک رہی لیکن کسی کو خبر نہ ہونے دی اور بچوں کو پڑھاتے رہے۔

آپ کے خلفاء کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

- ۱ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
- ۲ حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ
- ۳ حضرت مولانا فتح محمد فاروقیؒ
- ۴ حضرت شیر محمد خان لوہارویؒ
- ۵ حضرت سید محمد امیر جھنجھانویؒ
- ۶ حضرت شیخ برکت علیؒ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب کا اصلی نام امداد حسین تھا لیکن شیخ وقت شاہ محمد اسحاقؒ نے اپنی کرامت و فراست سے آپ کا نام امداد اللہ رکھا۔ آپ کا سلسلہ نسب پچپن واسطوں سے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم سے جا ملتا ہے۔ آپ نسباً فاروقی ہیں۔ آپ شریعت، طریقت اور حقیقت کے امام تھے آپ کی ولادت ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ کو قصبہ نانوتہ میں ہوئی جو سہارن پور سے بائیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت شاہ احمد شہید کے آغوش میں دئے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ ابتدا ہی میں آپ نے قرآن حفظ کر لیا تھا سال ۱۲۴۹ھ میں آپ سولہ سال کی عمر میں مولانا ملوک علیؒ کے ہمراہ دہلی گئے اور ظاہری تعلیم حاصل کی لیکن علوم اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہونے سے قبل آپ کو حقیقت کی اس قدر کشش ہوئی کہ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے شیخ وقت حضرت نصیر الدین نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور از کار نقشبندیہ پر عمل کیا۔ حضرت مولانا نصیر الدین شاہ محمد آفاقؒ کے خلیفہ تھے اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگرد اور داماد تھے۔ نیرشلہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے بھی پڑھا تھا۔ چند ایام کی صحبت کے بعد حضرت شیخ نے

آپ کو خرقہ و اجازت سے مشرف فرمایا۔ آپ نے مشکوٰۃ شریف مولانا قلندر علیؒ سے پڑھی اور حسن حصین اور فقہ اکبر حضرت شاہ عبدالرحیم نانوتویؒ سے پڑھا۔ یہ دونوں صاحبان حضرت مفتی الہی بخشؒ کے شاگرد تھے جنہوں نے مثنوی رومی کا دفتر ہفتم لکھ کر تکمیل فرمائی ہے حضرت حاجی امداد اللہ علیہ رحمۃ نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کیا اور کئی ایک معرکوں میں فتح بھی پائی جیسے جنگ شاملی وغیرہ لیکن آخر انگریز غالب آگئے اور آپ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے۔ اور وہیں آپ کا دفن ہے آپ کا مزار مبارک مکہ کے مشہور قبرستان جنت المبارکؒ میں حضرت ام المومنین خدیجہؓ الکبریٰؓ کے مزار مبارک کے قریب ہے۔ تاریخ وصال آپ کی بارہ یاتیرہ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء ہے۔

تصانیف :

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ حاشیہ مثنوی مولانا رومؒ
- ۲۔ غذائے روح
- ۳۔ جہاد اکبر
- ۴۔ رسالہ درد غم ناک۔ مثنوی تحفۃ العشاق۔
- ۶۔ ارشاد مرشد
- ۷۔ ضیاء القلوب
- ۸۔ فیصلہ ہفت مسائل

ارشادات :

آپ کے ملفوظات کا مجموعہ شائم امدادؒ کے نام سے مشہور ہے جس میں شریعت طریقت و حقیقت کے بیسار نکات درج ہیں۔ جن میں چند بطور نمونہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

اتحاد المسلمین کے سلسلے میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی اہم ترین تالیف فیصلہ ہفت مسائل ہے جس میں بریلوی اور دیوبندی دونوں مکاتب فکر کے باہمی تنازعہ سات مسائل کو حضرت اقدسؒ نے اس خوبی سے حل کیا ہے کہ اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہ جو آج کل دونوں فرقوں میں اختلاف باقی نظر آ رہا ہے یہ کچھ غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اور کچھ غیر ملکی حکمرانوں نے مسلمانوں کے درمیان انتشار ڈالنے کی غرض سے کھڑا کیا ہے۔ علمائے بریلوی حضرت حاجی صاحبؒ کے ان فیصلوں سے راضی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے خلفاء و مریدین ان فیصلوں کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اکابر علمائے دیوبند نے ان پر نظر ثانی کر کے ترمیم کر دی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں دیوبندی ذرائع سے اکابر دیوبند کا مذکورہ بالا فیصلہ موصول ہوا ہے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت حاجی صاحب کے فیصلوں کی تردید ہے لیکن درحقیقت تردید نہیں تائید ہے۔ قارئین پڑھ کر خود انصاف کریں کہ تائید ہے یا تردید۔

سوال ”چونکہ فیصلہ ہفت مسائل سے اکثر لوگوں کو شبہ ہوتا ہے اس لئے اس کے متعلق رسالہ ہفت مسائل جو مطبع نظامی میں طبع ہوا ہے اور حضرت حاجی صاحب سلمہ کی طرف منسوب ہے اور اس میں اہل بدعت کی تائید اور اہل حق علمائے دین محققین کی مخالفت کی گئی ہے آیا اس کا حاجی صاحب بد ظلم کی جانب منسوب ہونا درست ہے یا نہیں علاوہ اس کے اس پر عمل کرنا اور ترغیب دلانا درست ہے یا نہیں؟“

جواب ”رسالہ ہفت مسائل میں امکان کذب و امکان نظیر میں کوئی امر ایسا نہیں لکھا کہ کسی کے خلاف ہو بلکہ اس کے امکان کا اقرار اور اس کے بحث سے احتراز لکھا ہے۔ تو اس میں کسی اہل حق کی مخالفت نہیں۔ اور مسئلہ تکرار جماعت میں بہ سبب اختلاف روایات فقہ کے فریقین کو نزاع سے منع کیا گیا ہے کہ مسئلہ مختلف میں مخالفت کرنا مناسب نہیں اور مسئلہ نداء غیر (یعنی یا رسول اللہ کہتا) میں صاف صاف حق لکھا ہے کہ نداء غیر و علم غیب جان کر کرے گا تو شرک ہو گا اور جو بے اس کے شوق میں کہا ہے تو گنہ گار

نہیں۔ اور جو بدون عقیدہ شرکیہ کے اور بدون شوق کے یہ سمجھ کر کہ شاید ان کو حق تعالیٰ خبر کر دے تو خلاف محل نص میں خطا و گناہ ہے مگر شرک نہیں۔ اور جو نص سے ثابت ہو جیسا صلوٰۃ والسلام بخد مت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ملائکہ کا پہنچانا تو وہ خود ثابت ہے یہ سب حق ہے اس میں کوئی اہل حق مخالف اس کے نہیں کہتا۔

اب رہے تین مسائل یعنی قیود (منعقد کرنا) مجلس مولود اور قیود ایصالِ ثواب اور عرس بزرگان کا کرنا، تو اس میں وہ خود لکھتے ہیں کہ دراصل مباح ہیں۔ اگر ان کو سنت اور ضروری جانے تو بدعت اور تعدی حدود اللہ تعالیٰ اور گناہ ہے۔ اور اس کے بدون کرنے میں اباحت لکھتے ہیں (یعنی اگر مجلس میلاد اور عرس کو اسلام کا جزو ضروری نہ سمجھے) تو مباح ہے (یعنی جائز ہے) اور ہم لوگ جو منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے رسوم اہل زمانہ سے خبر نہیں کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں لہذا ہم بدعت کہتے ہیں۔ پس فی الحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوئی بلکہ بہ سبب عدم علم اہل زمانہ کے یہ امر واقع ہوا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے امام صاحب (امام ابو حنیفہ) نے صابی کو ایک حکم دیا اور صاحبین (یعنی ان کے شاگرد امام محمدؒ اور امام یوسفؒ) نے دوسرا حکم دیا اور یہ بہ سبب اختلاف حال کے ہوا ہے کہ امام صاحب کے وقت میں اون کا حال اہل کتاب جیسا تھا اور صاحبین کے وقت میں مجوس جیسا۔ پس اختلاف اصل مسئلہ کا نہیں بلکہ جو حال اہل زمانہ کے ایسا ہے دیگر مسائل میں ہے ورنہ حضرت سلمہ کے عقائد ہرگز بدعت کے نہیں ہیں کہ اہل فہم و دانش عبارت رسالہ سے سمجھ سکتے ہیں۔

کتبہ احقر عبدالرشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے فیصلوں کی علمائے دیوبند نے ترمیم یا تردید نہیں کی بلکہ جس طرح حاجی صاحبؒ نے شرائط اور قیود کے ساتھ ان اختلافی مسائل کو جائز قرار دیا ہے ان ہی شرائط و قیود کے ساتھ علمائے دیوبند بھی جائز سمجھتے

ہیں۔ اگر غیر جانب دارانہ نظر سے دیکھا جائے تو مجالس عرس اور میلاد کو کوئی مسلمان فرض یا سنت مؤکدہ کا درجہ نہیں دیتا۔ ممکن ہے آپس میں لوگ ان امور کو ضروری اور سنت مؤکدہ سمجھتے ہوں۔ آج کل کے زمانے میں حالات بہت بدل گئے ہیں۔

مغربی تہذیب کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد میں بہت تبدل و تغیر آ گیا ہے۔ مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؑ۔ حضرت جلال الدین تمھانیسری کو خط میں لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے آپ کے مرید آپ کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کو بیسے کہ سجدہ نہ کریں صرف زمین بوسی پر اکتفا کریں۔ یہ بات آپ نے اس نازک زمانے میں کہی جب اکبر بادشاہ نے دین الہی کھڑا کیا اور اپنے آپ کو سجدہ کرار با تھا لیکن آج کل کون ہے جو شیخ کے سامنے زمین بوسی کو جائز رکھتا ہے۔ لہذا آج کل کے زمانے میں عرسوں کو کوئی شخص فرض یا سنت قرار نہیں دیتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو حضرات عرس اور مجالس میلاد مناتے ہیں۔ وہی لوگ کئی بار عرسوں میں شامل نہیں ہوتے اور نہ ہی اس عدم شہوت کو گناہ یا تقصیر سمجھتے ہیں لہذا بدعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ہاں جو کوئی ان امور کو فرائض اور سنت مؤکدہ کا درجہ دے تو یہ کام بلاشبہ بدعت میں داخل ہو گا۔ دراصل آج کل لوگوں نے بدعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ آج کل کے اکثر دیوبندی حضرات براس کام کو بدعت کہہ دیتے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروج نہ تھا۔

اس زمانے میں تو باقاعدہ علم تفسیر، علم حدیث، علم صرف و نحو اور علم فقہ بھی علوم و فنون کی صورت میں نہ مرتب ہو چکے تھے نہ ان کے درس دیئے جاتے تھے۔ تو کیا یہ امور بھی بدعت ہیں۔ یا اس زمانے میں ریل گاڑی اور ہوائی جہاز کا سفر نہیں تھا کیا یہ بھی بدعت ہے۔ بدعت دراصل وہ کام ہے کہ جو دین اسلام کے فرائض اور سنن مؤکدہ میں شامل نہ ہو لیکن کوئی شخص اس کو فرض اور سنت مؤکدہ قرار دیدے۔ ہمارا خیال ہے کہ عرس اور مجالس میلاد کو کوئی شخص فرض اور سنت مؤکدہ قرار نہیں دیتا اس لئے حضرت حاجی صاحب کے فیصلوں اور اکابر دیوبند کی ان پر نظر ثانی کے مطابق یہ امور بدعت نہیں بنتے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے صاف لکھا ہے کہ مجلس میلاد، ایصال ثواب اور عرس دراصل مباح ہیں (مباح کا مطلب یہ ہے کہ کرو تو ثواب نہ کرو تو گناہ نہیں ہے) ہاں اگر ان کو ضروری اور سنت قرار دیا

جائے یعنی ان کو فرائض اور سنت مؤکدہ کا درجہ دیا جائے تو پھر ناجائز ہے۔ یہ ہیں اکابر بن دیوبند کے فیصلے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج کل کے دیوبندی حضرات ان امور کو برابر بدعت و شرک کہے جاتے ہیں اور اختلافات کی خلیج کو کم کرنے کی بجائے وسیع کرتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم نے مولانا رشید احمد گنگوہی کی کتاب امداد السلوک کا مطالعہ کیا ہے اس کتاب میں بھی آپ کا مسلک جس طرح نظر آتا ہے اسے آج کل کے دیوبندی حضرات پتھر اور بنا دیا ہے۔

مسئلہ حاضر و ناظر:

مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق علمائے دیوبند اور علمائے بریلوی کے درمیان شدید اختلاف جاری ہے آج کل کے دیوبندی حضرات کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں اور علمائے بریلوی حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ لیکن امداد السلوک میں مولانا گنگوہی نے توہر شیخ طریقت کو حاضر و ناظر قرار دیا ہے۔ امداد السلوک کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:

”مرید اس بات کا یقین رکھے کہ شیخ کی روح ایک جگہ پر مقید نہیں ہے بلکہ جس جگہ مرید ہو گا قریب یا بعید۔ اگرچہ شیخ کی ذات بعید ہو لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں ہے۔ جب اس بات کو راسخ کر لے اور شیخ کو ہر وقت یاد رکھے تو روحانی تعلق پیدا ہو جائے گا اور ہر آن میں عجیب فائدہ حاصل کرے گا۔“

تب مرید ہر وقت عقدہ کشائی میں شیخ کا محتاج ہو گا۔ اور شیخ کو دل میں حاضر کر کے جب زبان حال سے پوچھے گا تو یقیناً شیخ کی روح اللہ کے حکم سے اس کو بتلائے گی۔“

اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہر شیخ طریقت کو ہر جگہ موجود، مریدین کے حال سے آگاہ اور حاضر و ناظر مانتے ہیں آپ کے نزدیک جب سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلامانِ غلامان یہ مرتبہ رکھتے ہیں تو خود آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدارج کے کیا کہنے۔

مسئلہ نور و بشر:

علمائے بریلوی اور دیوبندی کے مابین دوسرا اختلافی مسئلہ نور و بشر کا ہے علمائے بریلوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کا استعمال جائز نہیں رکھتے اور سراپا نور مانتے ہیں۔ لیکن علمائے دیوبند نور کے ساتھ آپ کی بشریت کے بھی قائل ہیں۔ اب آئیے دیکھتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے سردار مولانا رشید احمد گنگوہی کیا فرماتے ہیں۔ امداد السلوک کے صفحہ ۱۵۶ پر لکھا ہے کہ

”حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ ”تحقیق آئے ہیں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین“۔ نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”تمہیں شاہد مبشر‘ نذیر‘ داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے“۔ منیر روشن کرنے والے اور روشنی دینے والے کو کہتے ہیں۔ اگر انسانوں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات میسر نہ ہو سکتی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص نور ہو گئے اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمادیا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے پیروکاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ بھی نور ہو گئے جیسے کہ ان کی حکایات اور خرق عادات سے کتابیں بھری پڑی ہیں..... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور مومنوں کو میرے نور سے..... یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا

ہے۔ جب نفس کا کام بلند ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہوتے ہوتے بدن کی طبیعت اور مزاج ہی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا ہو جائے (موت کے وقت) تو پھر بھی ”جسم انوار کا منبع اور منفذ بن جاتا ہے جس طرح زندگی کی حالت میں تھا۔“

لیجئے آج کل دیوبندی حضرات تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہنے سے منع فرماتے ہیں لیکن ان کے سردار یہ فرما رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود نور تھے بلکہ اپنے پیروکاروں کو بھی نور بنا دیا۔ یاد رہے کہ آپ نے لفظ پیروکار استعمال کیا ہے صحابہ کرام نہیں کہا۔ جس سے اشارہ اس کی طرف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر زمانے کے پیروکار ترقیہ نفس کے بعد نور بن سکتے ہیں“

مسئلہ توصل:

بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان تیسرا شدید اختلاف توصل پر ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے کتاب فیصلہ ہفت مسائل میں توصل یعنی انبیاء اور اولیاء کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا مانگنا جائز قرار دیا ہے لیکن آجکل کے دیوبندی حضرات اس سے لرزاں اور گریزاں نظر آتے ہیں۔ لیکن مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے سلسلہ چشتیہ صابریہ کا جو منظوم شجرہ لکھا ہے وہ فتاویٰ رشیدیہ میں درج ہے اس میں ہر سطر پر مشائخ عظام کا وسیلہ دیا گیا ہے اور اس کا تمام اکابرین دیوبند صبح روزانہ ورد کرتے آئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

بحر امداد و بہ نور و حضرت عبدالرحیم عبدباری، عبدہادی، عضد دین مکی ولی
ہم محمدی و محبت اللہ، شاہ بو سعید ہم نظام الدین، جلال و عبدقدوس احمدی
الیٰ آخرہ

مقطع یہ ہے:

عبد واحد ہم حسن بھری علی فخر دین سید الکونین، فخر العالمین بشریٰ نبی

غرضیکہ غور سے دیکھا جائے تو دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کے درمیان کوئی بنیادی نزاع یا اختلاف نظر نہیں آتا ہے لیکن طرفین کی طرف سے وہ شدید اور جوش و خروش، عناد اور فساد پایا جاتا ہے کہ ہندوؤں عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف بھی اتنا زور و شور نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے غیر ملکی حکمرانوں نے ”پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو“ کے اصول کے مطابق مسلمانوں کو آپس میں لڑایا اس وقت سے فریقین کے سینگ آپس میں کچھ ایسے پھنس گئے ہیں کہ اب چھوٹنا محال ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ بات بھی اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اگرچہ غیر ملکی حکمران چلے گئے ہیں وہ گھر بیٹھے بھی تاریں کھینچ رہے ہیں کیونکہ مسلمان اب بیدار ہو رہے ہیں جس سے بڑی بڑی سوپر پاورز بھی خائف ہیں۔ ان حقائق کی تفصیلات ہماری کتاب ”پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اختلافی مسائل کے اس جملہ معترضہ کو یہاں لانے کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ تاریخ اسلام کے نازک دور میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی روحانی بلندی، اعتدال پسندی، فراخ دلی اور انصاف پسندی کی سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ کے خلفاء اور مریدین جو دیوبندی مکتب فکر کے حامل ہیں اس پر عمل فرمائیں تو امت کا یہ شدید ترین اختلاف فوراً ختم ہو سکتا ہے لیکن یہ ہو رہا ہے کہ دیوبندی حضرات ویزوں، اقاموں اور تابعوں کی خاطر غیر مقلد مکتب فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہوتے جاتے ہیں حالانکہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے شام امدادیہ میں حکماً اپنے مریدین کو فرمایا ہے کہ

”فقیر وہ ہے جو حنفی المذہب اور صوفی المشرب ہو جو کوئی میرے

یاروں میں سے اس سے تجاوز کرے گا میرے رابطہ اور واسطہ سے اس کو

کچھ حصہ نہیں ملے گا اور جو کوئی فقیر سے اخلاص رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ

صوفی المشرب اور حنفی المذہب ہو۔“

اس سے ظاہر ہے دنیاوی اغراض کی خاطر غیر مقلدین اور مخالفین طریقت اور مسلک مشائخ کے منکرین کے ساتھ روابط قائم کرنا اور ان کے عقائد اختیار کرنا حضرت حاجی امداد

اللہ مہاجر مکی کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور اہل دیوبند کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔
 ذیل میں حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے چند ملفوظات درج کئے جاتے ہیں جن پر
 مولانا اشرف علی تھانوی نے حواشی لکھے ہیں اور کتاب امداد المشائق میں شائع کئے
 ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے اکابر دیوبند کا مسلک عین صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کا
 مسلک ہے لیکن افسوس ہے کہ آج کل کی نئی پود نے بالخصوص تبلیغی جماعت نے جس کا منبع
 و مصدر مشائخ دیوبند ہیں۔ اکابر دیوبند کا مسلک ترک کر کے توہب اختیار کر لیا۔

مسئلہ زیارت قبور اور اصحاب قبور سے روحانی فیض حاصل کرنا:

کتاب امداد المشائق کے صفحہ نمبر ۱۱۸ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت حاجی
 امداد اللہ مہاجر مکی کے شیخ طریقت حضرت شاہ نور محمد جھنجھانوی کے رشتہ دار حج پر
 آئے اور حضرت حاجی صاحب سے ان کے شیخ علیہ رحمہ کی قبر کو مرمت کرنے کی اجازت
 طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس مزار پر انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہو میرے نزدیک
 اس کی درستی اور اصلاح فرض ہے۔

فیضان مزارات کی دوسری شہادت:

کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۱۱ پر لکھا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے فرمایا
 ہے کہ ”جب میرے شیخ بیمار ہوئے اور وصیت کرنے لگے تو میں رونے لگا۔ حضرت شیخ نے
 تشفی دی اور فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں ہے صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا
 ہے۔ فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہو گا جو ظاہری زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا۔ اس
 کے بعد حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت کی قبر مقدس سے وہی فائدہ اٹھایا جو
 حالت حیات میں اٹھایا تھا۔“

کتاب مذکور کے صفحہ ۸۸ پر مولانا شرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ ”جب مثنوی کا ختم ہوا تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حکم دیا کہ شربت بنائی جائے اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا رومؒ کی نیاز بھی کی جاوے گی چنانچہ گیارہ گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بننا شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ نیاز کے دو معنی ہیں ایک عجز و بندگی اور وہ سوائے خدا کے بندوں کے لئے جائز نہیں بلکہ ناجائز اور شرک ہے۔ اور دوسرے خدا کی نذر اور اس کا ثواب بندوں کو پہنچانا یہ جائز ہے۔ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس میں کیا خرابی ہے اگر کسی عمل میں عوارض غیر شرع ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسا امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے“

میلاد نبیؐ کے موقعہ پر کھڑا ہونے کا جواز:

فرمایا کہ

”جیسے قیام میلاد شریف اگر بوجہ آنے نام آنحضرتؐ کے کوئی شخص تعظیماً کھڑا ہو جائے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سرور عالم و عالمیاں روحی فدائے اسم گرامی کا تعظیم کی جائے تو کیا گناہ ہوا“۔

اجمیر شریف کہنا جائز ہے:

کتاب مذکور کے صفحہ ۸۸ پر لکھا ہے کہ

”ایک شخص نے اجمیر شریف کہا تو دوسرے نے کہا کہ اجمیر اجمیر ہے

شریف کیونکر ہو گیا۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارا مزاج شریف کہا جائے اس پر خوش ہوتے ہو اور منع نہیں کرتے۔ اور اجمیر کی شرافت پر جو مقبولان الہی کی وجہ سے پیدا ہوئی اس کا ایسا انکار۔“

جواز عرس :

کتاب امداد المشتاق کے صفحہ ۸۸ پر مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا

”جب منکر نکیر قبر میں آتے ہیں مقبولان الہی کہتے ہیں ”نم کنومتہ العروس“ عروس کی نیند سو جاؤ (حدیث نبویؐ) عرس کہ رائج ہے اسی سے ماخوذ ہے کوئی اس دن کا خیال رکھے اور اس میں عرس کرے تو کون سا گناہ لازم ہوا“

عرس کے جواز کے متعلق مفصل بیان آگے آرہا ہے۔

عقائد اہل سنت والجماعت اختیار کرنا۔ شیخ کامل سے بیعت ہونا اور شیخ کامل کے

لوازمات :

کتاب مذکور کے صفحہ ۳۶ پر حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے

فرمایا

”میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اب وہ زمانہ آیا ہے کہ آدمی کو ضروری ہے کہ اولاً عقائد ضروریہ اہل سنت والجماعت یاد کرے اور مسائل ضروریہ متعلقہ صوم و صلوٰۃ وغیرہ موافق اپنے مذہب کے سیکھے اور کسی ایسے دوریش سے طریقہ ذکر کا اخذ کرے کہ جس کا سلسلہ متصل ہو اور کچھ عرصہ کسی عارف کامل کی خدمت میں زانوئے ادب یہ کیا ہو اور اس طالب فہ عالیہ کے انوار ویرکات سے مستفیض ہوا ہو۔“

شریعت اور طریقت :

کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۳۱ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔
 ”لوگ گمان کرتے ہیں کہ طریقت شریعت سے جدا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو
 سکتا ہے اقرار باللسان اشارہ ہے طرف شریعت کے اور تصدیق بالقلب سے
 مطلب طریقت ہے پس ایک بغیر دوسرے کے کام کا نہیں۔ اقرار بغیر
 تصدیق نفاق ہے اور تصدیق بلا اقرار بیکار ہے۔“

مسئلہ وحدت الوجود کی تصدیق :

کتاب مذکور کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ

”ایک دن ایک شخص نے مسئلہ وحدت الوجود کا سوال کیا۔ فرمایا یہ مسئلہ
 حق و صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں شک و شبہ نہیں۔ تمام مشائخ کا اس میں
 اعتقاد ہے مگر قال و اقرار نہیں ہے۔ البتہ حال و تصدیق ہے۔ یعنی اس
 مسئلہ میں یقین اور تصدیق قلبی کافی ہے اور چھپانا اس کا لازم ہے اور افشا
 ناجائز ہے۔ کیونکہ اسباب اس مسئلہ کے کچھ نازک ہیں بلکہ اسقدر مشکل
 ہیں کہ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر میں جو اصطلاحات عرفاء سے عاری ہیں
 نہیں آتے۔ تو الفاظ میں کہنا اور دوسروں کو سمجھانا کب ممکن ہے بلکہ جن
 صوفیوں کا سلوک نا تمام ہے اور مقام نفس (لطیفہ نفس) سے ترقی کر کے
 مرتبہ قلب (لطیفہ قلب) تک نہیں پہنچے اس مسئلہ سے شدید ضرر پاتے
 ہیں اور مگر نفس سے چاہ الحاد و قعر ضلالت میں پڑ جاتے ہیں نعوذ باللہ من
 ذلک اس جگہ پر زبان روکنا واجب ہے۔“

وحدت الوجود کی مزید وضاحت :

کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۴۲ پر فرمایا کہ

کلمہ لا الہ الا اللہ کے باعتبار مراتب مردمان تین معنی ہیں لا معبود الا اللہ، لا مطلوب الا اللہ، لا موجود الا اللہ اور یہ سب مراتب سے اعلیٰ ہے۔

مسئلہ رویت (دیدار) حق تعالیٰ :

کتاب مذکور کے صفحہ ۵۱ پر لکھا ہے مولانا تھانوی نے پوچھا کہ آیا حق تعالیٰ کی رویت یعنی دیدار اس جہاں میں ممکن ہے یا نہیں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا -

”ممکن ہے۔ مصداق آیہ ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ (اس کو آنکھیں نہیں پہنچ سکتیں۔ بلکہ وہ آنکھوں تک پہنچتا ہے) کے یہ

معنی ہیں کہ ان ظاہری آنکھوں سے رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں اور جب باطنی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے تو ظاہری بصارت پر غالب آ جاتی ہے۔

پس عارف حقیقت میں باطنی بصیرت سے دیکھتا ہے..... اس کے

بعد مولانا تھانوی نے عرض کیا کہ پھر خٹا لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)

حضرت موسیٰ سے کیوں کہا گیا؟ فرمایا ”اس میں نفی رویت ہے حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے اور یہ درست ہے کہ عارف اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا

بلکہ دیدہ حق سے دیکھتا ہے اور نیز اس میں نفی رویت ذات ہے کیونکہ فناے

عبد اس کو لازم ہے جب فنا ہوا تو پھر رویت کجا -

علم غیب انبیاء اور اولیا کو ہوتا ہے :

کتاب مذکور کے صفحہ ۷۶ پر فرمایا

لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء اور اولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہل

حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت وادراک غیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو حدیبیہ اور حضرت عائشہؓ کے معاملات سے خبر نہ تھی۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے (یعنی توجہ کرنے سے ان کو علم غیب ہوتا ہے)۔

شاہ اسماعیل شہید کا مسلک:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے شاہ اسماعیل شہید کے مسلک کی تائید فرمائی اور ان کے بعض مسائل میں اختلاف کی توجیہ فرمائی ہے۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۷۹ پر فرماتے ہیں ”مولوی اسماعیل شہیدؒ مؤحد تھے۔ چونکہ محقق تھے چند مسائل میں اختلاف کیا اور مسلک پیران خود مثل شاہ ولی اللہؒ وغیرہ پر انکار فرمایا۔ وحدت الوجود کے قائل تھے ان کے مرشد حضرت سید احمد صاحبؒ مسلک وحدت الشہود کا رکھتے تھے باہم گفتگو ہوئی سید صاحبؒ کچھ کبیدہ خاطر ہوئے عرض کیا کہ یہ اور بات ہے کہ دن کو رات کہے۔ یہ حکایت مقام محذ (سرحد) میں ہوئی۔ وحدت الوجود پر انہوں مثنوی بھی تصنیف فرمائی ہے“۔

یار رسول اللہ کہنا:

کتاب امداد المشتاق کے صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے

”فرمایا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں (یعنی اعتراض کرتے ہیں) یہ اتصال معنوی پر مبنی ہے ”لہ الخلق والامر“ عالم امر مقید بجمت و طرف و قرب و بعد

”انیز انیس نے وحدت الوجود کے حوازیں میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ”عبقات“ ہے اس کا عربی سے اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

وغیرہ نہیں ہے پس اس کے جواز میں شک نہیں ہے“ (یعنی ارواح زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں بلکہ ہر جگہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ جگہ کا نام و نشان نہیں ہے۔)

یہ ہے فتویٰ اکابرین دیوبند کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا جسے ان کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا اشرف علیؒ نے اپنی کتاب امداد المشتاق میں نقل کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسی مسئلہ کی آج کے دیوبندی حضرات شدت سے تردید کرتے ہیں اور کٹ مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں

مسئلہ ہمہ اوست :

کتاب کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ

”ایک آدمی نے پوچھا کہ ہم اوست اور الاموجود الا اللہ کے کیا معنی ہیں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ دونوں مرادف (ہم معنی) ہیں“

نذر نیاز حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی جائز ہے :

کتاب مذکور کے صفحہ ۹۲ پر لکھا ہے۔

”فرمایا حنبلیہ کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء العلوم (مصنفہ امام غزالیؒ) تبرکاً پڑھی جاتی ہے۔ جب ختم ہوئی تو تبرک کا دودھ لایا گیا اور بعد دعا کے حالات مصنف کے بیان کئے گئے۔ طریق نذر نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے اس زمانہ میں لوگ انکار کرتے ہیں“

عبدالرسول نام رکھنا اہل دیوبند کے نزدیک جائز ہے :

کتاب امداد المشتاق کے صفحہ ۹۳ پر مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں

”چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے قل یا عبادى الذین اسرفوا علی انفسہم۔ اس آیت مبارک میں مرجع ضمیر عبادی میں متکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ سن کر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کہا کہ قرینہ بھی انہی معنی کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے لا تقنطروا من رحمۃ اللہ۔ اگر لفظ عبادی میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوتی تو من رحمۃ اللہ کی بجائے من رحمۃ ہوتا۔“

خُلفاء | شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر گیلانیؒ کے خلفائے کرام کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان حضرات

نے برہمگیر ہندو پاک میں انگریزوں کے تسلط کے پر آشوب دور میں فریضہ رشد و ہدایت اور ترویج و اشاعت اسلام کو نہایت جانفشانی سے جاری رکھا اور دیگر اسلامی و عرب ممالک، مصر و ترکستان میں بھی سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کو ان کے ذریعے فروغ حاصل ہوا۔

چنانچہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ (کوٹ مٹھن شریف) جو کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ہم عصر تھے۔ اپنے ملفوظات اشارات فریدی جلد دوم میں آپ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

”ترکستان میں سلسلہ چشتیہ زیادہ تر حضرت حاجی امداد اللہ

قدس سرہ کی بدولت پھیلا ہے۔ جو چشتی صابری ہیں۔۔۔“

حاجی امداد اللہ صاحب جو بہت کامل بزرگ ہیں،

زندہ ہیں۔۔۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی

حاجی صاحب کے مرید اور خلیفہ اکبر ہیں۔۔۔۔۔“

مقابیس المجالس (فارسی) جلد ۲ ص ۴۳

حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ | آپ حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ اعظم و اکبر ہیں۔

فیصلہ ہفت مسلہ (تالیف ۱۳۱۲ھ) کے آخر میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں۔

”اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں خصوصاً عزیز می جناب مولوی رشید احمد صاحب کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں غنیمت کبریٰ و نعمت عظمیٰ سمجھ کر ان سے فیوض و برکات حاصل کریں۔“ ص ۱۳

آپ کی تاریخ وصال ۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ ہے۔ اور مدفن گنگوہ ریسرچ سٹیٹ ہے۔

اقتباسات تصوف از کتاب امداد السکوک

(مؤلفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حشتی دیوبندی)

آج کل کے دیوبندی حضرات مانیں نہ مانیں لیکن ان کے اکابرین سب تصوف کے دلدادہ، طریقت کے حامی اور مسلک اولیاء کے علمبردار تھے۔ ذیل میں مولانا رشید احمد گنگوہی حشتیؒ کی کتاب امداد السکوک کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ آج کل کے دیوبندی حضرات جو تصوف اور طریقت پر پوری اور زیارت قبور کے سخت مخالف نظر آتے ہیں اہل تصوف و طریقت کی مخالفت ترک کر کے امت اسلامیہ کے اندر اتفاق، اتحاد، محبت اور یگانگی کی فضا پیدا کریں اور آپس میں لڑنے کی بجائے سب مل کر دشمنان اسلام کے حملوں کا مقابلہ کریں۔

اپنے پیر کو حاضر و ناظر سمجھنا | عام طور پر یہ مشہور ہے کہ دیوبندی حضرات

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں مانتے لیکن مولانا رشید احمد حشتیؒ کتاب مذکور کے ص ۲ پر تو ہر پیر و مرشد کو حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ

رکھتے ہیں اور تلقین کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-
 ”مرید اس بات کا یقین رکھے کہ شیخ کی روح ایک جگہ مقید
 نہیں بلکہ جس جگہ مرید ہوگا قریب یا بعید اگرچہ شیخ کی ذات
 بعید ہو لیکن اسکی روح انیت سے دور نہیں ہے۔ جب
 اس بات کو راسخ کرے اور شیخ کو بروقت یاد رکھے تو
 روحانی تعلق پیدا ہو جائے گا اور ہر آن میں عجیب فائدہ
 حاصل کرے گا۔“

پیر کا مرید کی عقدہ کشائی کرنا | آج کار کے دیوبندی حضرات مشائخ

اور بزرگوں سے امداد طلب کرنے کے مخالف نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکابر
 مولانا رشید احمد چشتی فرماتے ہیں کہ:-

”تب مرید بروقت عقدہ کشائی میں شیخ کا محتاج ہوگا
 اور شیخ کو دل میں حاضر کر کے جب زبان حال سے پوچھے
 گا تو یقیناً شیخ کی روح اللہ کے حکم سے اسکو بنلائیگی لیکن
 اس میں ربط تام شرط ہے۔“

مقام فنا فی الشیخ کا اقرار | کتاب مذکور کے صفحہ ۲۹ پر آپ مقام فنا

فی الشیخ کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”اور لا الہ کہتے وقت شیخ کو ال میں لائے اور اسکی

روح کو اپنی ذات میں یا اسکی ذات کو اپنی ہی ذات خیال کرے۔“

ایک حدیث پاک کی صوفیانہ تشریح اور طریقت کے لطائف

ستہ کا بیان | کتاب کے صفحہ ۲۹ پر مولانا رشید احمد چشتی اس حدیث

نبویؐ کی صوفیانہ تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”چنانچہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کی طرف اشارہ

فرمایا ہے کہ اللہ کیلئے نور و ظلمت کے پردے میں اگر وہ اٹھا دیے جائیں تو ہر چیز

جل جائے وہ پردے النوار رحمانی اور جسمانی کے ہیں جو کہ خواص خمسہ طبائع اعراض، اخلاق ذمیرہ، نفس و ہوا، ہوس، شہوت شیطان وغیرہ ہیں۔ اور نفس ذکیہ طبعی طور پر ظلمت اور کدورت سے متنفر اور النوار سے مانوس ہے اسلئے ظلمات کے پردوں کا اٹھانا طالب کیلئے آسان ہے مگر نورانی پردوں کا اٹھانا بہت مشکل ہے انکی تفصیل یہ ہے۔ خاکی رنگ کے دس ہزار پردے لطیفہ قلب میں ہیں۔۔۔۔۔
دس ہزار نورانی پردے لطیفہ نفس میں آسمانی رنگ کے ہیں۔۔۔۔۔ دس ہزار نورانی پردے لطیفہ روح میں آگ کی مانند سرخ رنگ کے ہیں۔۔۔۔۔ دس ہزار نورانی پردے لطیفہ ستر میں شیشے کی مانند ہیں۔۔۔۔۔ دس ہزار پردے لطیفہ خفی میں ہیں جو روحی آئینہ کی مانند مصقل اور حدقہ انسانی کے رنگ کے ہیں۔۔۔۔۔
دس ہزار نورانی پردے لطیفہ حقیقی (لطیفہ اخفی) میں ہیں جس کے ساتھ تمام لطائف قائم ہیں۔۔۔۔۔ حضرت نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی اس رنگ سے متصف ہو گیا بالیقین وہ مقام فنا تک جا پہنچا۔

وحدت الوجود کی تائید | کتاب مذکور کے ص ۶۹ پر فرماتے ہیں کہ :-

”ذکر لا الہ میں حضرات کی نفی کرے اور الا اللہ کہہ کر حق کا اثبات کرے یعنی کوئی معبود نہیں، مقصود نہیں، مطلوب نہیں، موجود نہیں، محبوب نہیں خدا کے سوا۔“

خدا کے سوا کسی کو موجود نہ سمجھنا یہی عقیدہ وحدت الوجود ہے جسکی علمائے ظاہر تردید کرتے ہیں لیکن مولانا رشید احمد چشتی دیوبندی اس کی تائید فرما رہے ہیں آجکل کے دیوبندی حضرات اس سے عبرت حاصل کر کے تصوف اور وفیہ درم کی مخالفت ترک کر دیں تو وحدت امت کو کس قدر فائدہ ہوگا۔

مقام فنا فی اللہ اور فنا الفنا کی تصدیق | علمائے و بابیہ اولیائے کرام

اور مشائخ عظام کے مقامات فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی تردید کرتے ہیں لیکن دیوبند کے حضرت مولانا رشید احمد چشتی کی زبان سے تصدیق نکلتی ہے۔ کتاب مذکور کے صفحہ پر فرماتے ہیں کہ :-

اس وقت اگر یہ جاننا ہو کہ میں ہمہ تن فانی ہو گیا ہوں تو یہ بھی قدرت متصور ہوگی بلکہ کمال یہ ہے کہ فنا سے بھی فنا ہو جائے۔ فنا سے فانی ہو جانا فنا کی غایت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام طالبین کو عطا فرمائے آمین یا رب العالمین !

نور اور بشر کی بحث اہل تصوف اور علمائے دہلیہ کے درمیان اکثر مسئلہ نور و بشر پر مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ اہل تصوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اور دہلیہ آپ کو بشر کہتے ہیں۔ استاد مولانا رشید احمد چشتیؒ نہ صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بلکہ اصحاب رسولؐ کو بھی نور مانتے ہیں چنانچہ کتاب امداد السلوک کے صفحہ ۱۵۴ پر فرماتے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص نور ہو گئے اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرما دیا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔ اس طرح آپ نے اپنے پیروکاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ سبھی نور ہو گئے جیسا کہ انکی حکایات اور کرامات سے کتابیں بھری پڑی ہیں !

یہ ہیں دیوبندی حضرات کے استاد اور مشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی چشتیؒ کے تصوفانہ اور عارفانہ کمالات جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا مسلک صوفیانہ تھا نہ کہ دہلیانہ۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات اکثر و بیشتر اپنی کتابوں میں اکابرین دیوبند کی کرامات پیری امریدی، زیارت قبور، توسل، استمداد وغیرہ جیسے اختلافی مسائل کا ذکر کرتے ہیں لیکن بریلوی حضرات علمائے دیوبند کی اس صوفیانہ روش کو تضاد بیانی کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکے عقائد دہلیانہ ہیں لیکن احوال صوفیانہ۔ ہمارا خیال ہے کہ علمائے دیوبند کی یہ تضاد بیانی نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تکلمون الناس

علی قدر عقولہم (لوگوں کے معیار عقل کے مطابق ان کے ساتھ کلام کر رہے
چنانچہ ہمارے خیال یہ ہے کہ جب علمائے دیوبند خواص کے ساتھ بات کرتے ہیں تو
اعلیٰ روحانی مقامات اور صوفیانہ حقائق بیان کرتے ہیں لیکن جب عوام سے بات
کرتے ہیں یا عوام کیلئے کتابیں لکھتے ہیں تو بلند روحانی مقامات و مسائل بیان
کرنے کی بجائے انکی عقل اور سمجھ کے مطابق شرعی مسائل پر زور دیتے ہیں جسکی وجہ
سے بریلوی حضرات انکو وہابی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت شیخ
شہاب الدین سہروردی کے اصحاب نے آپ سے ان کے ہمصر ولی اللہ حضرت
محمی الدین ابن عربی کے متعلق دریافت کیا تو حضرت شیخ نے جواب دیا کہ: **هَذَا
رَجُلٌ زَنْدِيقٌ** (یہ زندیق یعنی بے دین آدمی ہے) لیکن جب حضرت ابن عربی
کا وصال ہوا تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ:-

”آہ جہان کا قطب رحلت کر گیا“

یہ سن کر آپکے اصحاب نے عرض کیا کہ حضور پہلے تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ
بے دین آدمی ہے اور آج آپ انکو قطب وقت کہہ رہے ہیں۔ اگر آپ انکو
زندیق نہ کہتے تو ہم بھی انکی زیارت سے فائدہ اٹھاتے۔ آپ نے فرمایا اسی وجہ سے
میں نے انکو زندیق کہا تھا کہ تم لوگ ان کے پاس نہ جاؤ۔ کیونکہ انکی باتیں اس قدر
لطیف اور دقیق ہیں کہ تم لوگ نہ سمجھتے اور فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔ اب غور کا مقام
ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے اصحاب کون تھے آپکے اصحاب
حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی،
حضرت شیخ جلال الدین گل سرخ اورچی اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری جیسی بلند
مقام ہستیاں تھیں لیکن حضرت شیخ نے انکو بھی اس قابل نہ سمجھا کہ ابن
عربی سے ملاقات کریں تاکہ انکی اونچی اور دقیق باتیں سن کر گمراہ نہ ہو جائیں۔

ہذا اگر اکابرین علمائے دیوبند عوام اور خاص کے سامنے مختلف باتیں کرتے ہیں
تو ہمارے خیال میں یہ انکی تضاد بیانی نہیں ہے جن پر بریلوی حضرات انکی گرفت

کرتے ہیں بلکہ یہ حدیث نبویؐ کے عین مطابق ہے کہ لوگوں کے ساتھ انکے عقل کے مطابق بات کرو۔ نیز یہ بات اکابرین صوفیائے کرام کی روش کے بھی عین مطابق ہے جیسا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

نیز بعض لوگ کہتے ہیں کہ علمائے دیوبند اور علمائے بریلوی کے مابین جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ غیر ملکی حکمرانوں کا پیدا کردہ ہے انگریزوں نے اس عیسائی اور چالاک سے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالی کہ دونوں فرقوں کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ کوئی غیبی ہاتھ ہمیں لٹو رہا ہے۔ چنانچہ بنگال کا گورنر ولیم ہنٹر اپنی کتاب ”ہندوستانی مسلمان“ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ جب مجاہدین یعنی سید احمد شہیدؒ کی جماعت کے ساتھ جنگ کے وقت ہماری چھاو نیوں میں فوج نہیں تھی اور ہمارے خزانوں میں روپیہ نہیں تھا تو اس نازک وقت میں ہماری ڈپلومیسی کام آئی۔ ان کی ڈپلومیسی (چال) کیا تھی وہ یہ تھی کہ انہوں نے پٹھانوں میں مشہور کر دیا کہ مجاہدین کی جماعت دیوبندی ہے اور پٹھانوں کو دیوبندی بنانا چاہتی ہے یہ سن کر پٹھان جماعت مجاہدین سے الگ ہو گئے اور جماعت ناکام رہی یاد رہے کہ برصغیر میں دیوبندی کا لفظ سب سے پہلے انگریز نے استعمال کیا جو اب تک استعمال ہو رہا ہے اور تفرقہ جاری ہے۔

حضرت مولانا شاہ وارش حسین کوڑہ جہاں آبادیؒ آپ کا شمار

دورِ حاضر کے جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے آپ عالم مقبول اور پیر کامل تھے۔ آپ کے حالات کتاب شہادت العنبر میں درج ذیل ہیں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ شرف بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی قدس سرہ سے حاصل ہے اور آپ کی تربیت حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ نے فرمائی۔ اور خلافت سے نوازا۔ چنانچہ آپ کا شمار حضرت محدث گنگوہیؒ کے کامل و اکل ترین خلفاء میں ہوتا ہے۔

آپ کی تاریخ وصال ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ہے۔ مدفن ٹیپہ لکنؤ ہے۔
رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ عالیہ چشتیہ ذوقیہ

یہ سلسلہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ سے شروع ہوتا ہے جن کے درمیان اور حضرت حاجی ادا اللہ مہاجر مکی کے درمیان دو واسطے آپ کے اور حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے درمیان چودہ واسطے اور آپ کے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے درمیان بیس واسطے ہیں۔ نیز بعض مشائخ کے باہمی ارتباط کی وجہ سے اس سلسلہ عالیہ چشتیہ ذوقیہ میں نسبت نقشبندیہ قادریہ اور سہروردیہ بھی شامل ہو گئی ہے۔

حضرت مولانا ذوقی شاہ | حضرت مولانا ذوقی شاہ کا اصلی نام سید محمد ہے لیکن ذوقی شوق اور جذبہ للہیت کی وجہ سے آپ کے شیخ حضرت مولانا

وارث حسن کوڑہ جہاں آبادی قدس سرہ نے آپ کو لقب "ذوقی" سے ملقب فرمایا اور "ذوقی شاہ" مشہور ہو گئے۔ حضرت مولانا سید محمد ذوقی علیہ رحمہ کا شمار عصر حاضر کے ان مشائخ میں ہوتا ہے جو علوم اسلامیہ کے ساتھ علوم جدید کے بھی حامل تھے۔ آپ سابق علی گڑھ کالج کے گریجویٹ ہونے کی حیثیت سے عصر حاضر کے جملہ امور و امراض سے بخوبی آگاہ تھے اور تمدن جدید کے زبردست نقاد تھے۔ آپ نے ابتدا میں جرنلزم کافن اختیار کیا اور بیعت سے قبل صحافی دنیا میں ناموری حاصل کی۔ آپ کے رفقاء کا میں علامہ اقبال، سر عبدالقادر، جسٹس شاہ دین، چوہدری خوشی محمد ناظر، حکیم اجل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، نواب وقار الملک اکبر الہ آبادی اور نواب محسن الملک جیسے درخشندہ ستارے شامل تھے۔ لاہور میں پیسہ اخبار اور مخزن میں کام کرنے کے علاوہ صوبہ سندھ میں آپ انگریزی ہفتہ وار رسالہ الحق شائع کرتے تھے جو انگریزوں کے جابرانہ دور کے باوجود حق و انصاف حق گوئی اور حق بیانی میں اس قدر مشہور ہو چکا تھا کہ خود انگریزی حکام کے حلقوں میں بھی مقبول ہو چکا ہے اور انگریزوں کی نکتہ چینی کے باوجود انگریز اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہ رسالہ اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے متعلق یہ شعر لوگوں کی زبان پر آنے لگا۔

حق کو جتانے کے لیے، حق نے حق کو پیدا کر دیا

لیکن حضرت اقدس کے قلب میں عشق الہی کا جو طوفان موجزن تھا وہ آپ کو کوچہ صحافت سے نکال کر کشاں کشاں کوچہ عشق اور معرفت میں لے گیا۔ حق تعالیٰ کے کمال لطف و کرم سے آپ کو خواب میں ہونے والے شیخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور چند ماہ کی پریشان حالی کے بعد آپ نے آخر اپنے شیخ کو پاس ہی لیا۔ پھر کیا تجارت دن ذکر و فکر، عبادات اور ریاضات و مجاہدات کا دور شروع ہو گیا

اور اپنی خداداد قابلیت کی بنا پر چند سالوں میں سلوک تمام کر کے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات حاصل کر لیے، خلافت سے مشرف ہوئے۔ اور تادم وصال فریضہ رشد و ہدایت خلق میں پوری تندی اور جانفشانی سے ممکن رہے۔ آپ کے فیض صحبت سے حضرت شہید اللہ فریدی جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ وجود میں آئے چونکہ برصغیر ہندو پاکستان چشتیوں کا ورثہ ہے، اس لیے تحریک پاکستان اور قائد اعظم کو آپ کی ظاہری و باطنی پشت پناہی حاصل رہی۔

حقائق و معارف کے بیان میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی تصانیف ایمان، اسلام اور احسان کے فیضان سے برزیر ہیں۔

آپ کا وصال سفر حج کے دوران یوم عرفہ، بحالت احرام ہوا۔ اور میدان عرفات میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

تصانیف | ۱۔ سیر دلبران

آپ بڑے بلند پایہ صاحب تصنیف تھے۔ آپ کا شاہکار آپ کی کتاب سیر دلبران ہے جو ابجد کی ترتیب سے تصوف کا انسائیکلو پیڈیا مانا جاتا ہے اس کتاب میں سلوک الی اللہ کے تمام منازل و مقامات اور اصطلاحات تصوف شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں کتاب کے آخر میں تین ضخیم جات درج ہیں جو تین نزلات ستہ اور مراتب وجود پر مکمل اور جامع درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہری کمالات کے اعتبار سے کتاب اس قدر جامع ہے کہ اس میں آیات قرآن، احادیث نبوی، فارسی اشعار کی علیحدہ علیحدہ انڈکسوں کے علاوہ مضامین کتاب کی انڈکس اور الفاظ کتاب کی انڈکس بھی درج ہیں۔ مختصراً یہ کہ یہ کتاب معرفت حق کا آئینہ ہے اور آج تک ایسی جامع کتاب نہ عربی، نہ فارسی اور اردو زبان میں تالیف ہوئی ہے۔

۲۔ آپ کی دوسری مایہ ناز کتاب بادع و مساعی ہے جو ایک روحانی ناول کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب میں کمال معرفت سے آپ نے تجلیات الہی اور حسن حقیقی کے جس قدر کوششے اور محنتیں دیکھے، ان کو محبوبان مجازی کے رنگ میں ڈھال کر حسن و عشق کی قدیم داستان اور محب اور محبوب کے دائمی تعلق کو ایسے سوز و گداز، اور درد و داغ سے بیان کیا ہے کہ کتاب کو ایک ہی نشست میں ختم کیے بغیر پین نہیں آتا۔

۳۔ تربیت العشاق۔ یہ کتاب جو لفظ بیانات و صفات پر مشتمل ہے آپ کے لغوظات کا مجموعہ ہے

جو آپ کے خلفاء حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ اور مصنف کتاب ہذا نے جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں نکات معرفت اور حقائق طریقت کے علاوہ عصر حاضر کے تمام اہم رموز مثل اسلام اور جہاد اسلام اور سائنس، اسلام اور تمدن جدید، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام کا معاشرتی اور تعلیمی نظام اسلام

اور کیرنزم وغیرہ تمام امور پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔

۴۔ مضامین ذوقی اردو وانگریزی۔ یہ دو کتابیں آپ کے ان اردو اور انگریزی مضامین کا مجموعہ ہیں جو آپ وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف اخبار و جرائد میں دیتے رہے۔ ان مضامین میں سب سے زیادہ اہم وہ ہیں جن میں آپ نے اپنے رفیق کار علامہ اقبال کے نظریہ خودی پر عارفانہ انداز میں بحث کی ہے۔ مولانا مودودی کی جماعت پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے، وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر بحث کی ہے محمد ماراڈیکو کیتھال کے نظریہ وحدت ادیان کی خبر لی ہے۔ اور ترکی کے شہور مسلم راہنما سعید حلیم پاشا شبید کی فرانسیسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب اسلام لٹمک (اسلامی نظام) کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تصحیح فرمائی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے دیگر مضامین بھی بے حد جاذب نظر ہیں۔ اور دور حاضر کے مسلمانوں کے لیے درس حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵۔ برنخ۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں آپ نے قرآن وحدیث اور اپنے کشف کی روشنی میں موت کے بعد آنے والے واقعات اور حالات بیان فرماتے ہیں۔

۶۔ کتب سماوی پر ایک نظر۔ اس کتاب میں آپ نے تورات اور انجیل پر ریسرچ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں کئی بار عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی جنگوں میں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں اور انسانی یادداشت سے از سر نو لکھی گئیں۔

۷۔ نیوسرچلائٹ آن ویدک ایرینز (NEW SEARCH LIGHT ON VEDIC ARIANS)

جس میں آپ نے ہندو اور یورپین مصنفین کی کتابوں کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ ہندو لوگ یہودی الاصل ہیں جو قرآن مجید کی پیش گوئیوں کے مطابق جہاں جاتے تھے مار اور پٹھکار سے نوازے جاتے تھے آخر انہوں نے بھیس بدل کر ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں کے اصلی باشندوں کو مار بھگا کر جنوبی ہند کی طرف دھکیل دیا۔ اگرچہ انہوں نے اپنا نام اور لباس بدل ڈالا لیکن عادات و خصائل نہ بدل سکے۔ چنانچہ آج تک ہندو لوگوں میں یہودیوں کی طرح ذات پات چھوت پھات، گاؤ پرستی، سود خواری وغیرہ خصائل پائے جاتے ہیں۔

۸۔ القاء الہام، وحی۔ یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے جس میں عالم قدس کی طرف سے حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کو ہدایات و ارشادات بذریعہ کشف حاصل ہوتی ہیں۔ بیان کیے گئے ہیں۔

۹۔ رسالہ صوفی ازم۔ انگریزی زبان میں یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے جس میں سلوک الی اللہ اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کو قال کی زبان میں نہیں بلکہ حال کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ شہید اللہ فریدی

آپ کے خلفاء میں خلیفہ اکبر و اعظم حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ ہیں۔ آپ کا تعلق انگلستان کے ایک معزز ترین گھرانے سے ہے۔ آپ کے والد بہت بڑے تاجر تھے۔ بلکہ انجمن تاجران کے صدر تھے۔ لندن میں عالی شان مکان کے علاوہ گھر کی ضروریات کے لیے چار موٹر کاریں تھیں۔ عیش و عشرت کا تمام سامان مہیا تھا لیکن بمصدقہ

پنج روزہ عشرت لباس پارسانی پارہ شد طاعت صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد

حضرت شاہ شہید اللہ اور آپ کے بھائی حضرت فاروق احمد پر عیش الہی کا ایسا جذبہ کار فرما ہوا کہ گھر بار چھوڑ کر اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کیا اور حضرت سید علی جویری۔ داماد گنج بخش لاہوری قدس کی کتاب کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد حضرت نیاز برٹوی کے شعر

عشق میں تیرے کوہِ غم سرد پہ لیا جو ہو سو ہو

عیش و نشاط چھوڑ کر درد لیا جو ہو سو ہو

کے مطابق آپ نے امیر گھرانے کا عیش و آرام ترک کر کے کوچہ عیش الہی میں قدم رکھا اور تلاش شیخ میں مصر اور شام سے ہوتے ہوئے برصغیر میں آ پہنچے۔ چونکہ نواب صاحب بہاول پور سے لندن کی مجالس میں متعارف ہو چکے تھے۔ دونوں بھائی سب سے پہلے ڈیرہ نواب پھاؤنی پہنچے اور ہر شخص سے یہی سوال کرتے تھے کہ ہمیں شیخ کامل کا پتہ بتاؤ ہم مرید ہونے اور حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اس سلسلے میں دونوں بھائی تھانہ بھون بھی گئے اور مولانا اشرف علی صاحب کے پاس رہے لیکن چونکہ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے اور یہ بھائی اردو سے ناواقف تھے اس لیے سلسلہ رشد و ہدایت قائم نہ ہو سکا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاں جس کسی کا حصہ ہوتا ہے وہیں سے ملتا ہے۔ غرضیکہ برصغیر کی خاک چھان ڈالنے کے بعد حیدرآباد دکن میں ان کی ملاقات حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمہ سے ہوئی اور آپ کے کمالات ظاہری و باطنی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً بیعت کر لی اور اپنی خداداد استعداد اور ہمت مردانہ مدد خدائے کے اصول کے مطابق حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرب و معرفت کی منازل تیزی سے طے کرنے لگے۔ لیکن قضائے الہی سے بڑے بھائی حضرت فاروق احمد علیہ رحمہ آٹھ سالہ اسلامی زندگی کے بعد

داصل باقی ہوئے اور حضرت داماد گنج بخشؒ کے مزار مبارک کے قرب میں دفن ہوئے۔

حضرت شاہ شہید اللہ قدس سرہ نے ریاضات، عبادات، مجاہدات پر نہایت مستعدی سے پابند رہے اور سلوک الی اللہ کی تکمیل کے بعد عہدہ خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ نے اپنے شیخ کے مریدین اور اپنے مریدین کی روحانی تربیت کے لیے روحانی تعلیم گاہ (خانقاہ) قائم کی اور شب و روز رشد و ہدایت میں مصروف ہونے لگے۔ آپ کے مریدین میں کراچی کے علاوہ صوبہ سندھ، پنجاب اور سرحد کے ارباب شوق شامل ہوتے رہے اور ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق روحانی منازل طے کراتے رہے۔ آپ بہت باکمال شیخ تھے۔ روحانی کمالات کے علاوہ آپ ظاہری علوم اسلامیہ بھی بڑی دسترس رکھتے تھے۔ برصغیر کے قیام کے چند سالوں میں آپ نے عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں مہارت حاصل کر لی اور مضامین اور کتابیں لکھیں۔ آپ نے روحانی طور پر پورا سلوک الی اللہ طے کیا۔ اور مقام قرب و معرفت الہی میں بہت بلند درجات حاصل کیے۔ معرفت الہی میں آپ کو اس قدر کمال حاصل تھا کہ بڑے بڑے مشائخ عظام کے نکات معرفت نہایت سادہ الفاظ میں بیان فرما کر تشنگان کی پیاس بجھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ احترام احمد الحروف کے ساتھ حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے ایک ملفوظ من ارد العبادۃ بعد الوصول کفر پر ایسی نکتہ آموز گفتگو فرمائی کہ عقل و دماغ رہ گئی۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ غلام فریدی کے سر تکی دیوان کے ایک شعر پر ان کے سلسلہ کے ایک عالم فاضل نے حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ سے استفسار کیا تو آپ نے نہایت ذوق و شوق اور جوش و خروش سے شعر کے ایسے باطنی معنی بیان فرمائے کہ وہ عالم جو صوفی باعمل بھی تھے عیش کر اٹھے اور کہنے لگے کہ حضرت خواجہ غلام فریدیؒ کے خاص خلفاء اور علماء اور صوفیاء میری تشفی نہ کر سکے لیکن حیرت کی بات ہے کہ ایک انگلستان کے رہنے والے نے میرا دیرینہ عقدہ حل کر دیا ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا ز بخشد فدائے بخشنده!

سب سے پہلے حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ نے اپنے شیخ کی

تصنیف و تالیف

کتابوں کی اشاعت کے لیے محفل ذوقیر کے نام سے ادارہ قائم کیا اور

ان کی تمام تصانیف کو شائع کر کے دم لیا۔ اس کے بعد آپ نے خود تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔

اس سلسلے میں آپ کی سب سے اہم کتاب *INNER ASPECTS OF FAITH* ہے جو نہایت ہی

اعلیٰ مضامین پر مشتمل ہے۔ ایک انگریز نو مسلم صیب اللہ جو برطانیہ میں ایک کالج کے پروفیسر تھے۔ یہ کتاب بڑھکر

نہایت حیرت کے عالم میں اعتراف کیا کہ اس سے بہتر کتاب میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ تالیف کے

علاوہ آپ ہر اتوار کے دن ایک مجلس مذاکرہ منعقد فرمایا کرتے تھے جس میں مریدین کی ہدایت کے لیے آپ منہما میں تصوف اور دیگر اہم سوالات و معاملات پر روشنی ڈالتے تھے۔ ان ملفوظات کو آپ کے محب مریدین نے کیسٹوں میں محفوظ کر لیا ہے اور گل صدر گنگ کے نام سے ان اسرار و رموز کی اب آہستہ آہستہ نقاب کشائی ہو رہی ہے۔

علمی ادبی مشغولیوں کے ساتھ ساتھ آپ ہر جمعرات کو حلقہ ذکر منعقد کیا کرتے تھے جس سے مریدین کا تزکیہ نفس عمل میں آتا اور روحانی مقامات طے ہوتے تھے۔ لیکن اس شدید مصروفیت اور رشد و ہدایت خلق کے بھرپور پروگرام نے آپ کی صحت پر بہت اثر کیا اور آپ پر دل کے دورے شروع ہو گئے لیکن یہ آپ کے استقلال و ہمت کا کمال ہے کہ اس موذی مرض کے باوجود آپ نے اپنے تمام مشاغل باقاعدگی سے جاری رکھے اور آخر داعی اجل کو لبیک کہہ کر روحانی اور جسمانی طور پر واصل باللہ ہو گئے۔ آپ کا مدفن شمالی کراچی میں سخی حسن قبرستان میں ہے جہاں آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے آپ کو بھی مشائخ عظام کے عرائس اور قبور سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا اس قدر شوق دامن گیر تھا کہ آپ تقسیم ہند سے پہلے ہر سال اجیر شریف، کلیر شریف، پاکپتن شریف عرس پر حاضر ہوتے تھے اور پورا رمضان المبارک اجیر شریف میں بسر کر کے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے تھے تقسیم ہند کے بعد آپ کا دستور یہ رہا کہ سال میں دو مرتبہ پاکپتن شریف حاضری دیتے ایک مرتبہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے عرس پر ماہ محرم کا پہلا ہفتہ وہاں بسر کرتے تھے اور ایک بار حضرت خواجہ بزرگ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسنی اجیری جی کا عرس پاکپتن شریف میں منایا کرتے تھے اور اپنے مسکن پر خصوصی محافل سماع، مشائخ عظام کے آداب سماع کے مطابق منعقد کرایا کرتے تھے۔ اور یہ دستور آج تک جاری ہے اور بفضل تعالیٰ جاری رہے گا۔

آپ کے وصال کے بعد سلسلہ رشد و ہدایت حضرت شاہ سراج علی مدظلہ کے سپرد ہوا ہے۔ آپ بڑے صاحب معرفت اور متقی و پرہیزگار بزرگ ہیں۔ علوم ظاہری کے ساتھ آپ کو علوم اسلامی میں بھی درک حاصل ہے۔ اور تمدن جدید کے تمام امور و مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ نہایت جانفشانی سے اپنے مشائخ عظام کے مسلک کے مطابق حلقہ ہائے ذکر، درس و تدریس اور عرائس و محافل اور رشد و ہدایت میں پورے انہماک سے مشغول ہیں۔ آداب مشائخ اور پابندی شریعت میں آپ کی روش ضرب المثل ہے۔

حضرت مولانا ذوقی شاہ قدس سرہ کے دیگر خلفاء یہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد عمر | آپ کا تعلق بمبئی سے تھا۔ اور خلافت کے حصول کے بعد آپ بمبئی میں مریدین کی ہدایت کا کام کرتے رہے اور حضرت شیخ کی زندگی میں

ان کا وصال ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا عبدالسلام | آپ پہلے ہندو مذہب پر تھے بلکہ برہمن گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے

فیض نظر سے اجیر شریف آنے کا اتفاق ہوا تو نگاہِ کرم ایسی ہوتی کہ مسلمان ہو گئے اور حضرت مولانا سید محمد ذوقی سے بیعت ہو کر سلوک تمام کیا۔ پہلے آپ تبلیغ اسلام کے لیے انگلستان چلے گئے وہاں سے آپ ہندوستان تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔ مدفن آپ کا لکھنؤ میں ہے۔

۴۔ مصنف کتاب (الحاج پکتان واحد بخش سیال ربانی)

مصنف کتاب کو شرفِ بیعت اور خلافت حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ سے حاصل ہے۔ اگرچہ یہ احقر خلافت کے ہرگز ہرگز قابل نہ تھا۔ لیکن شمال مشہور ہے۔ صحرا میں جہاں کہیں درخت نہ ہو تو ایک چھوٹی سی خاردار جھاڑی کو بھی لوگ درخت کا نام دیدیتے ہیں بس اب خاردار جھاڑی مشائخِ عظام کے حکم کے مطابق درخت کا کام دینے پر مامور ہے۔ فارین کرام سے دعا کی استدعا ہے کہ خداوندِ عالم اس جھاڑی کو سرسبز اور شاوہاب کرے اور سایہ افگنی اور رفاہ و ہدایت عامہ کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین!

مائیم و نظر بر کرم بندہ نواز ہے!
گردن باز سوار بر مرکب تن
از خاک مبر کوئے تو خیزم من

زاہد شدہ بر بندگی خود متکبر
روزیکہ مقدسین حساکی مدفن!
آغشتہ بخوں آلودہ کفن سے

تالیف و تصنیف

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے ملفوظات موسومہ شامک مدویۃ میں آیا ہے کہ: ایں را گشتنی نیست رفتنی است۔ یعنی حق تعالیٰ تک

رسائی کا راستہ گفتار سے طے نہیں ہوتا بلکہ چلنے سے طے ہوتا ہے۔ لہذا مشائخ عظام نے تصوف طریقت اور سلوک الی اللہ کے مضمون پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کے پڑھنے یا زبان پر دہرانے سے یہ سفر طے نہیں ہوتا بلکہ ان سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ منزل مقصود پر پہنچنے اور راستے کی نشان دہی کے لیے سالک راہ حقیقت کے لیے ایک نقشہ تیار ہو جاتا ہے جس کے ذریعے منزل مقصود تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اہقر مصنف جو بارہ سال تک اپنے شیخ کامل کے زیر تربیت رہا ہے اور تقریباً چھیالیس سال سے عملی تصوف کو اپنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم مختلف ممالک کے سالکین کی روحانی تربیت میں مشغول ہے۔ اہقر نے جو کتابیں لکھی ہیں اور مشائخ کرام کی جن کتابوں کے تراجم کیے ہیں ان کا اجمالاً ذکر کیا جا رہا ہے۔ تا کہ جن حضرات کو حق تعالیٰ تک رسائی کا شوق ہو نقشہ دکھ کر منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکیں

کتب مصنف حسب ذیل ہیں:

تصانیف

۱۔ حج ذوقی۔ جس میں اپنے شیخ حضرت مولانا و مرشدنا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ

کے سفر حج کی تفصیلات اور ارکان حج کے باطنی مطالب و معانی بیان کیے ہیں۔

۲۔ مشاہدہ حق۔ اس کتاب میں مشائخ عظام کی راہ طریقت میں تعلیمات کا پختہ دریا گیا ہے تا کہ سالکین راہ طریقت آسانی سے یہ سفر طے کر سکیں۔ کتاب کے آخر میں تصوف کے مآخذ کے متعلق یورپی مصنفین اور دیگر مخالفین تصوف کے غلط اور بے بنیاد الزامات کے جوابات بھی دیئے گئے۔

۳۔ مقام گنجشکر۔

۴۔ اسلامک صوفی ان مر۔ یہ کتاب شروع میں بزبان انگریزی شائع ہوئی ہے جس کا اردو ترجمہ کتاب ہذا کے ذریعے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں حقیقت تصوف اور شرعی جواز کے علاوہ مخالفین اسلام اور مخالفین تصوف کی طرف عائد کردہ غلط اور بے بنیاد الزامات کی تردید کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی اور غیر اسلامی ذرائع سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت نے تصوف اور مشائخ عظام

پر اثر انداز ہونے کی بجائے انہاں سے تصوف یعنی علم روحانیت سیکھا ہے۔ اس قسم کی جامع اور واضح کتاب آج تک وجود میں نہیں آئی۔

۵۔ تربیت العشاق۔ یہ کتاب حضرت مولانا و مرشد سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ اور اس احقر نے جمع کیے ہیں۔

۶۔ وحدت الوجود و وحدت الشہود۔ جس میں حضرت ابن عربیؒ کے مسلک وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مسلک وحدت الشہود میں تطبیق ثابت کر کے اولیاء اللہ کے ماہرین ایک خیالی اختلاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔ نیز حقیقت وحدت الوجود بھی بطریق احسن نہایت آسان زبان میں بیان کی گئی ہے۔

۷۔ عظمت اہل بیت رسولؐ۔ یہ بھی ایک مختصر لیکن جامع کتاب ہے جس میں ایک خارجی محمود عباسی کی ایک کتاب "خلافت معاویہ و یزید کے ان لغو اور بے بنیاد الزامات کا جواب دیا گیا ہے جو اس نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر المؤمنین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لگائے ہیں۔

۸۔ اقوام متحدہ اسلامیہ کا تصور: یہ کتاب انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں مسلمانان عام کو بیدار کیا گیا ہے تاکہ وہ متحد ہو کر اور اپنے وسائل کو مجتمع کر کے دنیا کی عظیم ترین قوت بن سکیں۔

محرم الحرام الحروف نے مندرجہ ذیل اہم کتب تصوف کے فارسی سے اردو میں تراجم کیے ہیں:

۱۔ مقابیس المجالس یا اشارات فریدی جو حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل تھا۔ اس کتاب پر تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں سماع پر اعتراضات اور قرآن و حدیث کی روشنی میں جوابات دیئے گئے ہیں جنہیں تصوف پر بڑی جامع کتاب ہے۔

۲۔ مرآة الاسرار۔ مصنفہ حضرت شیخ عبدالرحمن ہشتی۔ یہ کتاب آج تک غیر مطبوعہ چلی آرہی تھی اور برصغیر میں نایاب ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ شہید اللہ فریدی علیہ رحمہ نے جانفشانی سے لندن کی میوزیم لائبریری سے اس کا ایک مائیکروفلم نسخہ حاصل کیا اور احقر کے حوالہ کیا۔ عرصہ چھ سال میں اس کا ترجمہ کر کے شائع کیا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں عہد نبویؐ سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک کے تمام اولیاء کلام اور شاخ عظام کے حالات ملفوظات اور بلند روحانی مقامات درج ہیں۔

۳۔ جوامع الکلم جو بندہ نواز سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے ملفوظات اور خراجگان ہشت کے بالخصوص اور دیگر مشائخ کے بالعموم حالات اور مقامات کا مجموعہ ہے۔

۴۔ مکتوبات قدوسیہ جو مجموعہ ہے حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے خطوط کا جن کے ذریعے مریدین، سالکین اور خلفاء کی روحانی تربیت کی گئی ہے۔

۵۔ ملفوظات خداداد حضرت خواجہ خیر پوری علیہ رحمہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے حلیف حضرت مولانا عبید اللہ طمانی نے جمع کیے۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

۶۔ ترجمہ تلقین لدنی۔ یہ کتاب حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی علیہ رحمہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

۷۔ جن کا مزار مبارک بقام خانقاہ شریف نزد سمرقند جنکشن ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی بہاولپور نے چھاپی ہے۔

۸۔ ترجمہ دشواریاں جامعہ۔ یہ وہ مختصر لیکن جامع کتاب ہے جس کا بڑے بڑے مشائخ

طریقت نے درس دیا ہے اور درس لیا ہے۔ یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ متن فارسی سمیت شائع کی گئی ہے

تاکہ اصل کتاب بھی محفوظ ہو جائے اور بلند معانی بھی سمجھ میں آجائیں

۸۔ اقتباس الاوار: یہ کتاب سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے اولیائے کرام کا تذکرہ ہے اور اس کے

مصنف بھی اس سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ ستیہ محمد اکرم براسوی ہیں۔ یہ کتاب مشائخ کرام کی محبوب کتاب

ہے اور حضرت خواجہ غلام فرید نے اسے بادشاہ کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی احقر نے حضرت

شاہ شہید اللہ فریدی کی پرزور فرمائش پر مکمل کیا۔

۹۔ حقیقت تصوف: یہ حضرت مولانا و مرشدنا سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمہ کے

انگریزی رسالہ صوفی ازم کا اردو ترجمہ ہے۔

کتب مرتبہ | احقر اقم الحروف نے اپنے شیخ علیہ رحمہ کی مندرجہ ذیل کتب کو بھی مرتب کیا ہے۔

۱۔ مضامین ذوقی (اردو) یہ ان بلند پایہ مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے

وقتاً وقتاً مختلف اخبارات رسائل و جرائد میں شائع کیے۔

۲۔ مضامین ذوقی (انگلش) یہ آپ کے انگریزی مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف اخبار اور

رسائل میں شائع ہوئے۔

کتب زیر تصنیف و ترجمہ | مندرجہ ذیل کتابیں زیر تصنیف و ترجمہ ہیں۔

۱۔ فضائل جہاد ۲۔ حج العارفین ۳۔ حکایات ششمی۔

۴۔ ترجمہ مہاد العباد، مصنف حضرت شیخ نجم الدین رازی ۵۔ تاریخ مشائخ چشت بزبان اردو انگریزی

۶۔ ترجمہ و شرح کشف المحجوب بزبان اردو و انگریزی۔

۷۔ پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت

۸۔ انگلش ترجمہ و شرح عوارف المعارف

۹۔ انگلش ترجمہ و شرح کیمائے سعادت

۱۰۔ لغت تصوف (انگریزی۔ اردو)

باب نمبر ۱۱

مخالفین کے اعتراضات و جوابات

اولیائے کرام کا مسلک تصوف پر روح اسلام اور جان ایمان ہے،

افسوس ہے کہ مفاد پرستوں اور کج فہم لوگوں نے نہایت ہی معمولی اور فروعی قسم کے مسائل کو ہوا دے کر امت محمدیہ میں تفریق پیدا کر دی ہے اور اولیائے کرام کے مسلک و مشرب کو جو درحقیقت عین اسلام، عین شریعت بلکہ روح اسلام اور جان شریعت ہے محض ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے اور چند لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے اور چند سے وصول کرنے کی خاطر بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن حق، حق ہے اور باطل، باطل خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے دین حق کو ایسی عظیم الشان کامیابی حاصل ہوتی ہے کہ نہ صرف پاکستان اور برصغیر میں بلکہ دنیا کے ہر اسلامی ملک میں تناوے فی صدا کثرت اہل طریقت کی ہے اس وجہ سے کہ دنیا میں اسلام پھیلا ہی اولیائے کرام کی جان پر روحانی تعلیمات سے ہے۔ اب چونکہ پروپگنڈہ مشینری اور کفار کی امداد مخالفین کے شامل حال ہے ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور امت میں تفرقہ پیدا کرنے میں ان لوگوں کو جو تھوڑی

بہت کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے پیش نظر اور مسلمانوں میں یکجہتی اور اتفاق پیدا کرنے کی خاطر اس کتاب میں ہم ان کے بودے اعتراضات اور ناجائز الزامات کے جوابات پیش کریں گے تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے اور خلق خدا کو ان محبوب پیروؤں کی صحیح تعلیمات جو درحقیقت عین اسلام ہیں، سامنے آجائیں اور ان پر عمل کر کے خلق خدا کو خدا تعالیٰ کا قرب وصال اور معرفت حاصل ہو جو غایت اسلام ہے۔

تصوف پر یہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں تصوف کا کوئی وجود

نہیں تھا۔ اس لیے یہ غیر اسلامی ہے۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں تو علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم معانی، علم بیان اور علم صرف نحو کا بھی کوئی نام نہیں تھا۔ بلکہ یہ تمام علوم بعد میں تابعین اور تبعہ تابعین وغیرہ کے زمانے میں مرتب و مدون ہوئے ہیں تو کیا یہ علوم بھی غیر اسلامی ہیں؟ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تمام حضرات جہاد میں مصروف تھے اور ان علوم و فنون کو باقاعدہ علوم کی صورت میں مرتب کرنے کا ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ لیکن چونکہ قرآن و حدیث میں تصوف اور طریقت سمیت ان تمام علوم کے حکم موجود تھے بعد میں جب مسلمانوں کو جہاد سے فراغت حاصل ہوئی تو مختلف طبائع اور مختلف استعداد کے لوگوں نے اپنی طبیعت اور اپنی قابلیت کے مختلف علوم و فنون کی طرف توجہ کی اور ان کے قواعد و ضوابط مقرر کر کے باقاعدہ علوم کی شکل میں مرتب کیا۔ چنانچہ جن حضرات نے قرآن مجید کی تشریح میں زور لگایا وہ مفسرین کے نام سے مشہور ہوئے جنہوں نے علم حدیث مرتب کیا محدث کہلائے۔ جن حضرات نے فقہ کے مسائل کی طرف توجہ کی وہ فقہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور جن حضرات نے روحانیت یعنی قربانیت اور معرفت حق کی طرف توجہ کی وہ اولیاء اور عارفین کے نام سے مشہور ہو گئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو حضرات ایک علم کو لے کر بیٹھ گئے۔ وہ دوسرے علوم سے ناواقف تھے۔ ہرگز نہیں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان کو کمال صرف ایک علم میں حاصل

ہوا۔ جس کی وجہ سے ان کو شہرت حاصل ہوئی۔ لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ تمام اسلامی علوم اور عقائد و مسائل سے بخوبی واقف تھے۔

جن حضرات نے روحانیت یعنی قرب و معرفت حق کے حصول کے لیے نفس کشی اور مجاہدات کیے اور صرف لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ :
یعنی اوئی کپڑے پہننا شروع کیے تو وہ صوفی کے نام سے مشہور ہو گئے اور ان کے مسلک کو تصوف کا نام دیا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں باطن کی صفائی یا تزکیہ نفس بعض کے نزدیک تصوف لفظ صفا سے نکلا ہے چونکہ اصحاب صفا بھی تارک الدنیا تھے اور اذکار و مشاغل میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ اس لیے اس مسلک کو اختیار کرنے والے صوفی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی اصل مرتبہ تصوف کی اصل مرتبہ احسان ہے جس کی تعریف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی کہ مرتبہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا تو یہ خیال کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ جن حضرات نے ان مراتب کو حاصل کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر مجاہدے کیے اور سب کام چھوڑ کر اسی ایک کام میں منہمک ہو گئے وہ عوام میں تارک الدنیا، گوشہ نشین اور صوفی مشہور ہو گئے۔

اب یہ جو حدیث بالا میں حکم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے

ہو اور اگر دیکھ نہیں سکتے تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ حکم عام ہے۔ اور ہر شخص کے لیے ہے۔ اس سے کوئی مسلمان منتہی نہیں ہے۔ یہ حدیث تصوف کی جان اور طریقت کی روح ہے اور اسلام کی غرض و غایت ہے یعنی قرب الہی کا وہ درجہ نصیب ہو جاتے کہ انسان کو رویت باری تعالیٰ اور مشاہدہ حق حاصل ہو جائے اور یہ مشاہدہ دل کی آنکھوں سے یعنی روحانی بصیرت سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہری آنکھوں سے

کیونکہ ظاہری آنکھیں محدود ہیں اور ذاتِ لا محدود کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں اور باطنی آنکھیں لا محدود ہیں اور ذاتِ لا محدود کا ادراک ان کو حسبِ استعداد ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث شریف میں اس قسم کے احکام بے شمار ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے قرب و معرفت کے بلند سے بلند مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَفِيٰٓ اَنْفُسِكُمْ اَفْلاٰ تَبْصُرُوْنَ ط

وہ تمہارے اندر ہے (اندر) کیوں نہیں دیکھتے۔

نیز فرمایا غنِ اقرب الیہ من حبل الورد

ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

نیز فرمایا 'وہو معکم ایما کنتم ط

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی جاؤ

نیز فرمایا 'ایما تولو فثمّ وجہہ اللہ ط

جس طرف دیکھو اللہ ہی اللہ ہے

اس طرح احادیث نبوی میں قرب و معرفت کے بلند مقامات کی طرف راہنمائی کی گئی

ہے۔ بخاری شریف میں ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب میرا بندہ نوافل (یعنی زائد عبادت) کے ذریعے میرا قرب حاصل

کرنا چاہتا ہے تو میں قریب ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس کی آنکھیں

بن جاتا ہوں اور مجھ سے دیکھتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور

مجھ سے سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور مجھ سے پکڑتا ہے۔

میں اس کی زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے بات کرتا ہے۔

اس حدیث کو اولیائے کرام حدیثِ قربِ نوافل کہتے ہیں اور اس میں فنا فی الصفا

کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا ہونا۔ اس کے بعد ایک اور مقام آتا ہے۔

جب سالک ذاتِ حق میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو صوفیائے کرام قربِ فرائض

کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں مسلمانوں حکم صادر ہوتا ہے کہ تَخْلِقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ يَعْنِي اللَّهُ تَعَالَى
کی صفات سے متصف ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ
کی بھر تمہاری بصر بن جاتے اس کا سمع تمہارا سمع بن جاتے۔ وغیرہ۔
ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ انسان کا قلب حق تعالیٰ کا عرش ہے ایک اور حدیث
کے ذریعے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو مطلع فرمایا ہے کہ:

لَا يَسْعَى عَرْضِي وَلَا سَمَاوِي وَلَكِنْ يَسْعَى قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ نَهْ فِي سَمَاوِي
آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں بلکہ اپنے بندۂ مومن کے قلب میں
سما سکتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ قلب مومن کس قدر وسیع ہے جس میں ذات لا محدود
سما سکتی ہے۔ جب حق تعالیٰ قلب مومن میں سما سکتے ہیں۔ تو قلب مومن بھی لازماً لا محدود
ہونا چاہیے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں پیچھے کی طرف بھی
اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کی طرف۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ، نَمَازُ مُؤْمِنٍ كِي مَعْرَاجٍ هِيَ

اور معراج سے مراد ہی قرب کا مقام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج

حاصل ہوا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِتَّقُوا اسْتِوَا سِتِ الْمُؤْمِنِ اِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ

مومن کے نور بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

ان تمام آیات اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مومن کے لیے قرب الی اللہ

اور معرفت حق کا حصول ضروری ہے اور اسلام کی غرض و غایت بھی یہی ہے۔ لیکن

افسوس صد افسوس ہے کہ مخالفین نہ خود یہ مقامات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں

اور نہ یہ گوارا کرتے ہیں کہ کوئی اور حاصل کرے اور ہر وقت مخالفت پر ہی کمر بستہ

ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مقصد اور اس کی غرض و غایت سے یہ

لوگ بے بہرہ ہیں۔ لیکن دعویٰ یہ ہے کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔ باقی سب کافر اور مشرک ہیں۔ لیکن خالی دعووں سے کام نہیں چلے گا۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ پہلے اپنے آپ کو ٹیسٹ کریں کہ واقعی مسلمان ہیں اور مسلمان کی شان وہی ہے جو احادیثِ بالا میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی مومن ذات و صفات میں فنا ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ حق تعالیٰ کے کانوں سے سنتا ہے اور سب کام اس کی قدرت سے کرتا ہے اور یہی وہ مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر وہ کشف و کرامات کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ لہذا علمائے ظاہر کے لیے جو ٹیسٹ مقرر ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی کیفیت کا جائزہ لیں کہ آیا یہ دولت ان کو نصیب ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو خود فریبی سے نکل کر سچائی کے میدان میں آئیں اور ان پاک اور مقدس سستیوں پر اعتراض کرنے سے پرہیز کریں جن کو حق تعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی ہے۔ لیکن ظلم یہ ہے کہ جب ان کو کشف و کرامات کے حصول کے لیے کہا جاتا ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ کشف و کرامات کے سارے قصے من گھڑت ہیں۔ بھلا صحابہ کرام کو اس قسم کے کشف و کرامات کیوں نہ ہوتے تھے۔ کس قدر بے باکی ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور صحابہ کرام کے کشف و کرامات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن جب ہم اولیائے کرام کی کرامات کا ذکر کرتے ہیں تو سب کچھ جانتے ہوئے یہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ دیوبند کے مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ایک کتاب "جمال اللولیا" میں صحابہ کرام کے کشف و کرامات کے کثرت سے واقعات بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے:

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پر تین مہمان آئے۔ لیکن کھانا تھوڑا تھا۔ پھر بھی انہوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ جو کھانا پانچ رہا۔ وہ اس سے زیادہ تھا جو پہلے موجود تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت سلمان فارسیؓ ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے کہ پیالہ اور غذا

نے تسبیح پڑھنا شروع کر دیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو عبسؓ بن جابر جب رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر بنی حارثہ کی طرف گئے تو رات اندھیری تھی اور بارش بھی تھی۔ اس وقت ان کی لاکھی ٹیچرائغ کی طرح روشن ہو گئی اور وہ آسانی سے گھر پہنچ گئے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام حسنؓ کے قبر کے قریب پیشاب کیا تو وہ مجنون ہو گیا اور کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ پھر جب مر گیا تو اس کی قبر سے وہی بھونکنے کی آواز آتی تھی۔

بیہقی میں یہ لکھا ہے کہ فاطمہ حراء نے جب حضرت امیر حمزہؓ کی قبر پر جا کر السلام علیکم کیا تو علیکم السلام کا جواب ملا۔

بخاری شریف میں ایک حدیث آتی ہے۔ جس میں حضرت امیر حمزہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں شریک تھے اور اندھیری رات تھی۔ اس وقت میری انگلیاں روشن ہو گئیں جن کی روشنی میں سب لوگوں نے سواریاں ایک جگہ پر جمع کر لیں اور میری انگلیاں برابر چمکتی رہیں۔

بیہقی میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو کسی نے ڈرایا کہ فلاں شخص کے پاس زہر ہے۔ خیال رکھنا۔ حضرت اقدس نے اس سے زہر لے کر کھالی اور کچھ اثر نہ ہوا۔

بخاری اور مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی کرامات کثرت سے بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح حضرت سعد بن ربیعؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عاصم بن شاہدؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عباد بن بشرؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبداللہ حبشؓ، حضرت عبداللہ بن جابرؓ،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبیدہ بن عارثؓ،
حضرت علیؓ، حضرت عمر ابن خطابؓ، و دیگر حضرات کی بے شمار کرامات
کتاب مذکور میں بیان کی گئی ہیں۔

صحابہ کرام سے کشف و کرامات ظاہر ہونے کی وجوہات:

البتہ یہ بات صحیح
ہے کہ بعد میں آنے

والے اولیاء کرام کی نسبت حضرات صحابہ سے کشف و کرامات کا ظہور کم ہوا ہے۔ اس کی دو
وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کرامات کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں ایمان کمزور ہو
چونکہ صحابہ کرام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ اور ایمان ان کا
نہایت پختہ تھا۔ ان کو کشف و کرامات دیکھنے اور دکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ کشف و کرامات کا تعلق عام صفات اور عالم ارواح اور عالم مثال
سے ہے۔ چونکہ صحابہ کرام عالم ملکوت، عالم ارواح اور عالم صفات سے گزر کر ذات احدیت
میں فنا ہو چکے تھے۔ ان سے کشف و کرامات کا ظہور زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح بعد
میں آنے والے اولیاء کرام اور مشائخ عظام جو مقام احدیت اور ذات لائقین میں گم ہو
چکے تھے ان سے کشف و کرامات کا ظہور کم ہوا۔ اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ کشف و کرامات
کا ظہور کم درجہ کے بزرگان سے ہوتا ہے۔ جو جو آدمی ذات حق میں ترقی کرتا ہے۔
کشف و کرامات کا ظہور کم ہوتا جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کشف و کرامات کے ظہور سے
مدارج کم ہوتے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ
کرامات کے ظہور سے مراتب میں کمی واقع ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہوا ہے کہ کاش میں
کشف و کرامات کی طرف زیادہ توجہ نہ کرنا۔

یاد رہے کہ اولیاء کرام نے اپنی کتابوں میں حجابات جو بندہ
اور مولا کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ ان کی تین اقسام
اقسام حجابات: بیان فرمائی ہیں۔ اول حجابات ظلمانی جو معصیت یعنی گناہوں سے پیدا ہوتے ہیں۔
دوم حجابات نورانی جو کشف و کرامات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ سوم حجابات کیفی

جو اس لذت کی وجہ سے بندہ اور مولا کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جو سالکین کو قرب حق تعالیٰ یعنی فنا فی اللہ میں محسوس ہوتی ہے لہذا جب کوئی شخص اس لذت کی وجہ سے مراقبات فنا میں کوشاں رہتا ہے تو حق تعالیٰ یہ بات پسند نہیں فرماتے اور وہ شخص محبوب ہو جاتا ہے۔ لیکن جو بلند ہمت عشاق لذت کی خاطر نہیں، فالصفا ذات باری تعالیٰ کی خاطر ریاضت کرتے ہیں ان کے لیے وہ لذت حجاب نہیں بن سکتی۔ اس لیے چونکہ صحابہ کرام کا مرتبہ عام اولیاء کرام، غوثوں اور قطبوں سے بھی زیادہ بلند ہے۔ اس لیے لازماً ان سے خوارق عادات یعنی کرامات کا ظہور نسبتاً کم ہوا ہے۔ چنانچہ اولیاء کرام کا مسک و مشرب بھی بعینہ وہی ہے جو صحابہ کرام کا تھا۔ صحابہ کرام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ یعنی سنت پر سختی سے عمل کیا اور اولیاء کرام نے بھی۔

لیکن اتباع یا سنت پر عمل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اتباع ظاہری، دوسرا اتباع باطنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اتباع نبوی کے اقسام :

کا ظاہر اتباع یہ ہے کہ جس طرح آپ نماز پڑھتے تھے۔ روزہ رکھتے تھے۔ دوسرے کام کرتے تھے۔ اسی طرح کیا جائے۔

باطنی اتباع یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت اور قرب و معرفت کا جو تعلق تھا۔ امت کے لیے بھی اس کا حصول ضروری ہے چنانچہ صحابہ کرام اور اولیاء سلف نے اتباع نبوی کی دونوں اقسام پر عمل کیا اور ذات حق سے قرب و معرفت اور وصال سے مشرف ہوئے۔ اس کے برعکس علمائے ظواہر نے صرف اتباع ظاہری کو لے لیا ہے۔ اور باطنی نعمت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس لیے نہ ان کو کشف و کرامات کی دولت سے حصہ ملا۔ نہ قرب و معرفت سے۔ عارف رومی فرما گئے ہیں کہ

قال را بگذار و مردِ حال شو پیش مردِ کاملے پامال شو

دربانی جمع فرج کو ترک کرو اور حال یعنی فنا فی اللہ کے حصول کی کوشش کرو اور

یہ بات صرف مشائخ عظام کے قدموں کی خاک بننے کے بعد حاصل ہوتی ہے،

لیکن مشائخ کے قدموں کی خاک بننا تو درکنار یہ لوگ مشائخ عظام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے ایک حدیث کے ذریعے ان کو خبردار کیا ہے۔

”جو میرے ولی کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ وہ میرے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے۔“

عرس پر اعتراض : تصوف کے علاوہ مخالفین عرس پر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے عرس کہاں ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ عرس بدعت نہیں بلکہ اس حدیث سے وجود میں آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندہ کو وصال کے وقت فرماتے ہیں:

”ندکتومة العروس“ (یعنی اب تم سو جاؤ آرام سے

دولہے کی نیند)

اس کی تفصیل یہ آچکی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی عرس مناتے تھے، یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجالس اور تقاریب و اجتماعات کی وہ صورت نہ تھی جو آج کل کی تقاریب کی ہے۔ مثلاً اس زمانے میں نہ شامیانے لگتے تھے۔ نہ فرش لگائے جاتے تھے۔ نہ میز کرسی نہ لاؤڈ سپیکر ہوتے تھے۔ نہ اخباروں اور رسالوں میں ان کا چرچا ہوتا تھا۔ نہ پوسٹر تقسیم ہوتے تھے۔ نہ دعوت نامے جاری کیے جاتے تھے۔ لیکن اجتماعات ضرور ہوتے تھے۔ اور ہمارے زمانے کے اجتماعات سے بھی زیادہ بڑے اور زیادہ موثر ہوتے تھے۔ اسی طرح اس زمانے میں بھی صحابہ قبروں کی زیارت کے لیے جاتے تھے، فاتحہ پڑھتے تھے۔ سلام کرتے تھے ان کے حق میں دعا مانگتے تھے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر اسی یوم (شہادت کے دن) تشریف

لے جاتے تھے۔ السلام علیکم کہتے تھے ان کے حق میں دعا فرماتے تھے۔ اور ان سے باطنی راہ و رسم بھی قائم رکھتے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوانہ اقدس پر کثرت سے حاضر ہوتے۔ اور درود و سلام پیش کرتے تھے چنانچہ غیر مقلدوں کی حکومت کے باوجود آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر یہی دستور جاری ہے۔ اب چونکہ حدیث کی رو سے اولیاء کرام حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیح وارث ہیں۔ اس لیے ان کے مزارات پر بھی ہر وقت عام طور پر اور وصال کے دن خاص طور پر نزولِ رحمت اور انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے اور جو شخص وہاں حاضر ہوتا ہے اس پر بھی مھینٹے پڑ جاتے ہیں اور بخشش کے لیے تو رحمت حق کا ایک قطرہ بھی کافی ہے۔

بعض لوگ عرس کی مخالفت میں یہ حدیث
عرس کی مخالفت کی اور وجہ: پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید گاہ بناؤ۔ دوسری حدیث میں ہے:

کہ میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔ لیکن ہم لوگ جب کسی بزرگ کا عرس مناتے ہیں تو کھیل تماشے کی خاطر یا سجدہ گاہ بنانے کی خاطر نہیں کرتے بلکہ یوم وصال کے فیوض و برکات کے علاوہ اور فوائد بھی مد نظر ہوتے ہیں مثلاً عرس کے موقع پر تمام پیر بھائی جمع ہوتے! اولیاء کرام تشریف لاتے ہیں اور ان کی زیارت سے لوگ مستفیض ہوتے ہیں۔ نئے لوگوں کو بیعت کا موقع مل جاتا ہے۔ پرانے لوگ ایمان کی تجدید کر لیتے ہیں۔ عرسوں پر مخالفین یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ وہاں نئے دوکان لگ جاتے ہیں۔ بازاریں بن جاتی ہیں کھیل تماشے ہوتے ہیں اور غیر مشروع امور واقع ہو جاتے ہیں۔ یہ کس قدر سادہ لوحی اور کم عقلی کا ثبوت ہے۔ اگر نئے دوکان لگانا اور بازاریں قائم ہونا گناہ ہیں تو پھر تمام شہروں میں دوکان اور بازار بند کر دینے چاہئیں۔ البتہ کھیل تماشے پر اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کھیل تماشے تو ان شہروں میں یا بستیوں میں بھی کثرت سے ہوتے رہتے ہیں، جہاں یہ لوگ خود رہتے ہیں۔ کیا کھیل تماشوں کی وجہ سے انہوں نے ان شہروں میں رہنا چھوڑ

دیا ہے، ان کے شہروں میں کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ بھی نماز روزہ وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی طرح جس شہر میں عرس منایا جا رہا ہے۔ وہاں نئے بازار وغیرہ اس لیے لگ جاتے ہیں تاکہ لوگوں کی خورد و نوش وغیرہ کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اگر کوئی شخص روپیہ کمانے کی غرض سے وہاں کھیل تماشے کا انتظام کرتا ہے تو اس کا گناہ اسے ہوگا۔ آپ کھیل تماشے کی طرف نہ جائیں۔ کون آپ کو مجبور کرتا ہے۔ اگر کھیل تماشے بند کرانے کا آپ مطالبہ کرتے ہیں تو پہلے ان شہروں میں بند کیوں نہیں کرتے، جہاں یہ کھیل تماشے مستقل طریق پر ہو رہے ہیں۔ عرسوں میں تو عارضی ہوتے ہیں۔

بعض لوگ مزار پر جانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے حالانکہ حدیث کی کتابوں میں

زیارت قبور پر اعتراض : کثرت سے ایسی احادیث موجود ہیں جن میں حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قبروں کی زیارت کی تاکید فرمائی ہے۔ نیز اہل قبور کو سلام کرنے۔ ان کے لیے دنا خیر مانگنے اور ان سے مدد مانگنے کے متعلق بھی احادیث میں تاکید کی گئی ہے۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مشکوٰۃ شریف" کی شرح میں زیارت قبور کے باب میں فرماتے ہیں کہ:

"زیارت قبور مستحب است بالفاق زیرا کہ سبب رقت قلب و تذکرہ موت و بوسیدگی استخوان و فنائے دنیا است۔ و جزاں از فوائد و عمدہ دراں دعائیں اموات را و استغفار برائے ایشان و بایں وارد شدہ است سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ بقیع مے رفت و براہل اہل استغفار مے کرد برائے ایشان و اما استعداد باہل قبور در غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آنرا بسیارے از فقہائے گویند نیست زیارت مگر برائے دعائے موتی استغفار برائے ایشان و رسانیدن نفع بالشان بدعا و استغفار و تلاوت قرآن و اثبات کردہ است نزد اہل کشف و اکمل از ایشان تا آنکہ بسیارے رافیوض و فتوح از ارواح رسیدہ این طائفہ را در اصطلاح ایشان او ایسی

خوانند۔ امام شافعیؒ گفتہ است قبر موسیٰ کاظمؑ تریاقِ مجرب است اجابت دعا را و حجۃ الاسلام
امام غزالیؒ گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوسے در حیات استمداد کردہ مے شود بوسے بعد از
وفات دیکے از مشائخِ عظام گفتہ است دیدم چہار کس از مشائخ کہ تصرف مے کنند در
قبور خود مانند تصرف ہائے ایشان در حیات نمود یا بیشتر شیخ معروف کرخیؒ شیخ عبدالقادر
جیلانیؒ و کس دیگر را از اولیاء و مقصودِ حصر نیست آنچه خود دیدہ و یافتہ است گفتہ و
سیدی احمد مرزوقؒ کہ از اعظم فقہاء و علماء و مشائخ دیارِ مغرب است گفت کہ روزے
شیخ ابوالعباس از من پرسید کہ امدادِ حقیقی قوی است یا امدادِ سمیت من گفتم کہ قوی مے
گویند کہ امدادِ حقیقی قوی است۔ و من می گویم کہ امدادِ سمیت قوی تر است۔ پس شیخ گفت
نعم زیرا کہ در بساطِ حقیقی است و در حضرتِ اوست و نقل درین معنی ازین طاقتِ بسیار
است کہ حصر و حصار کردہ شود و یافتہ نمے شود در کتاب و سنت و اقوالِ سلف صالح
کہ منافی و مخالف این باشد و رد کنند این روایہ تحقیق ثابت شدہ است بآیات و احادیث
کہ روح باقی است و اورا علم و شعور بہ زائران و احوالِ ایشان ثابت است و ارواح

کاملان را قریبے مکانتے در جنابِ حق ثابت است چنانکہ در حیات بود یا بیشتر از ان، و
اولیاء را کرامات و تصرف در اکوان حاصل است و آن نیست مگر ارواحِ ایشان را و ارواح
باقی است و تصرفِ حقیقی نیست مگر خدا عز و شانہ، و ہمہ قدرتِ اوست، و ایشان فانی
اند در جلالِ حق در حیات و بعد از ممات پس اگر دادہ شود مراد سے را چیزے بوساطتِ
یکے از دوستانِ حق و مکانتے کہ نزد حق دارد و در نباشد چنانکہ در حالتِ حیات بود و
نیست فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را جل جلالہ و علم نوالہ، و نیست چیزے کہ فرق
کنند میان ہر دو حالت و یافتہ نشدہ است دلیلے بر آن۔

ترجمہ: حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ زیارتِ قبور یعنی قبروں کی
زیارت کرنا مستحب ہے اور اس پر تمام محدثین، فقہاء، علماء، صلیحا کا اتفاق ہے کیونکہ اس
سے رقتِ قلب ہوتی ہے، موت یاد آتی ہے اور پڑھیوں کا بوسیدہ ہو جانا اور دنیا کا فنا
ہو جانا ثابت ہوتا ہے علاوہ ازیں زیارتِ قبور کے اور بھی فوائد ہیں نیز ان کے لیے

دعا بھی مانگی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ مدینہ کے قبرستان بقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے سوا کسی دوسری قبر سے بعض مدد مانگنا جائز نہیں سمجھتے۔ فقہا کا قول ہے کہ مردوں کی قبروں پر دعا اور استغفار کرنا اور ان کو نفع پہنچانا دعا سے اور استغفار سے اور تلاوت قرآن سے مشائخ صوفیہ اسرار سم اور بعض فقہارِ حرمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محقق و مقرر است یعنی ثابت ہو چکا ہے اور اہل کشف و مشائخ کبار فرماتے ہیں کہ اہل قبور کی ارواح سے بہت فیض اور فتوح حاصل ہوتے ہیں۔ اہل تصوف کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو یعنی جو مزارات سے فیوض حاصل کرتے ہیں اویسی کہتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار قبول دعا کے لیے تریاقِ مجرب یعنی آزمایا ہوا نسخہ ہے اور حجۃ اسلام امام محمد غزالی فرماتے ہیں کہ جن بزرگوں سے زندگی میں مدد مانگی جا سکتی ہے ان سے موت کے بعد بھی مدد مانگی جا سکتی ہے۔ مشائخ عظام میں ایک فرماتے ہیں کہ میں نے چار بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنی قبروں میں بیٹھے تصرف کر رہے ہیں یعنی لوگوں کے کام کر رہے ہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے یعنی کرامات دکھاتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ایک حضرت شیخ معروف کرخی ہیں۔ دوسرے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں اور دو اور بزرگ ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی بزرگ اپنی قبروں میں بیٹھے فیض نہیں دیتا یہ تو فقط وہی کچھ ہے جو اس بزرگ نے دیکھا یعنی ان چار بزرگوں کے تصرفات دیکھے۔ سیدی احمد مرزوق جو دیارِ مغرب کے اکابر مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس نے مجھ سے دریافت کیا کہ زندہ بزرگوں کی امداد زیادہ قوی ہے یا وہ جو اس جہان سے رحلت کر گئے ان کی امداد زیادہ قوی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندہ بزرگوں کی امداد زیادہ قوی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ جو اس جہاں سے جا چکے ہیں ان کی امداد قوی تر ہے۔ یہ سن کر شیخ ابوالعباس نے کہا کہ بیشک آپ درست کہتے ہیں اس کی وجہ

یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دستگاہ میں ہیں اور اس کے حضور میں ہیں۔ اس قسم کے اقوال بے شمار ہیں جن کا احاطہ اس کتاب میں نہیں ہو سکتا۔ نیز قرآن مجید اور حدیث میں اور بزرگان دین کے اقوال میں کسی جگہ پر اس چیز کی تردید نہیں آئی نہ اس کی مخالفت کی گئی ہے۔ اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ثابت ہو چکا ہے کہ مردوں کی رُوح فنا نہیں ہوتی بلکہ زندہ رہتی ہے اور اس کو زیارت کرنے والوں کا علم اور شعور ہوتا ہے۔ اس کے حالات کو بھی جانتے ہیں (یہ تو عام مردوں کا حال ہے) اور کاملین کی ارواح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا قرب اور رتبہ حاصل ہوتا ہے کہ جیسا کہ زندگی میں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اولیاء کرام کی ارواح کو کون و مکان میں تصرف اور کرامات میسر ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ متصرف حقیقی حق تعالیٰ ہیں اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی قدرت سے ہوتا ہے اور اولیاء کرام جلال حق میں فانی ہوتے ہیں اپنی زندگی بس بھی اور بعد از مرگ بھی۔ اس لیے اگر کسی شخص کو کسی بزرگ کی وساطت سے جو ولی اللہ ہے کوئی چیز ملتی ہے تو یہ بعید نہیں ہے جیسا کہ وہ زندگی میں تصرف و کرامات کرتے تھے اور حیات و ممات میں جو تصرفات اولیاء کرام سے صادر ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ہوتے ہیں اور دونوں حالتوں میں یعنی زندگی اور موت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اور اس قول کے خلاف کوئی دلیل نہیں ملی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زیارت قبور کے وقت کیا کروں اور کیا پڑھوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو: "اسلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المقتدین ومناذ المتأخوین والنشالہ بکم ملاحقون رحمت کرے اللہ تعالیٰ آگے پہلنے والوں پر یعنی جو مر گئے ہیں اور پیچھے رہنے والوں پر یعنی جو زندہ ہیں اور انشاء تعالیٰ ہم بھی آ کر تم سے ملیں گے" اس حدیث کو صحیح مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور یہ حدیث اس وقت کی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ مردوں اور عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما دفن تھے میں وہاں آیا جایا کرتی تھی بغیر چادر اور طے اس وجہ سے کہ میرے شوہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما دفن تھے لیکن جب حضرت عمر دہاں دفن ہوئے تو خدا کی قسم میں وہاں چادر اور طے بغیر داخل نہیں ہوتی تھی اس وجہ سے کہ مجھے حضرت عمرؓ سے شرم آتی تھی۔ (راہ احمد) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے،

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

”دریں حدیث دینیے واضح است بر حیات میت و علم وے و آنکہ واجب است احترام میت نزد زیارت وے خصوصاً صالحان و مراعات ادب بر قدر مراتب ایشان است چنانچہ در حیات ایشان زیرا کہ صالحان را مدد بلیغ است بر زیارت کنندگان خود را بر اندازہ ادب ایشان کذا فی شرح ای شیخ“

ترجمہ: اس حدیث میں واضح دلیل ہے اس بات کی کہ اہل قبور زندہ ہوتے ہیں اور ان کو آنے والوں کا علم ہوتا ہے اور وہ آداب و احترام زیارت کو بھی دیکھتے ہیں خصوصاً بزرگ اور اہل اللہ جن کا رحلت کے بعد بھی اسی قدر احترام واجب ہے جیسا کہ زندگی کی حالت میں تھا۔ اس وجہ سے اہل اللہ اپنے زیارت کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں ان کے ادب و احترام کے مطابق جیسا کہ اس حدیث میں پایا جاتا ہے۔

غیر مقلدین نے زیارت قبور کو کیوں حرام کہا ہے: غیر مقلدین کا یہ فتوے کہ زیارت قبور حرام ہے

در اصل ان کے امام ابن تیمیہ کا فتوے ہے امام موصوف کا انداز سخن اور استدلال کچھ عجیب سا ہے وہ کہتے ہیں کہ مزارات کی زیارت کے لیے اگر آدمی پہل جائے تو جائز ہے لیکن اونٹ پر سوار ہو کر جائے تو حرام ہے۔ معلوم نہیں اونٹ پر سوار ہونے میں کیا شراب ہے۔ انہوں نے یہ فتویٰ اس حدیث کی بنا پر دیا لا تشبذ الرجال الا للثلاثة المساجد تم سوائے تین مساجد کے سفر کے اونٹوں پر کجاوے نہ لگاؤ، ظاہر ہے کہ اس

حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مساجد یعنی حرم مکہ، مسجد نبوی اور مسجد
اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مسجد کے سفر کو منع فرمایا کیونکہ حرم مکہ میں اگر ایک رکعت نماز پڑھی جائے
تو ایک لاکھ رکعت کا ثواب ملتا ہے۔ مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا اور مسجد اقصیٰ میں پچیس
ہزار رکعت کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن دنیا کی باقی کسی مسجد میں فضیلت نہیں اس لیے ان کا
سفر بھی غیر ضروری ہے لیکن پھر بھی حرام نہیں ہے کیونکہ کسی عالیشان مسجد کے جا کر دیکھنے
میں کیا مضائقہ ہے لیکن امام موصوف نے تو کہا ہے کہ اب تک تو حدیث کے غلط
معنی لیے ہیں کیونکہ مطلق سفر مراد لیا جلتے تو پھر نہ آدمی کسی تجارت کے لیے اونٹوں پر
سوار ہو کر جاسکتا ہے نہ والدین کو یا اساتذہ کو ملنے کے لیے جاسکتا ہے نہ تحصیل علم کے لیے
سفر کر سکتا ہے۔ جب امام صاحب سے کہا گیا کہ اس حدیث میں تو اونٹ کا سفر کر کے
مزارات پر جانا حرام ہے۔ اگر کوئی پیدل جائے تو کیا فتوے ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی
پیدل جائے تو پھر جائز ہے۔ اس تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچارے اونٹوں پر سفر کرنا حرام ہے
نہ کہ مزارات پر جانا۔ جب ایک آدمی نے امام موصوف سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ایک تین مساجد کے علاوہ مسجد قبا کے لیے اونٹ پر سوار ہو کر جایا کرتے تھے تو امام صاحب
نے فرمایا کہ یہ بھی کوئی سفر ہے جس میں نہ پانی ساتھ لیا جائے نہ زادِ راہ۔ یک نشہ دوشہ
پیلے تو اونٹ کا سفر حرام تھا اب پانی اور زادِ راہ ساتھ لینا بھی حرام ہو گیا۔ کس قدر حیرت
کا مقام ہے کہ ایک امام وقت اور یہ استدلال چھوٹا مٹہ بڑی بات۔ سچ ہے کہ ہم چھوٹے
لوگ تو امام صاحب کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن ابن بطوطہ اور حضرت مولانا انور علی شاہ
کاشمیری نے جب امام ابن تمیہ کا استدلال دیکھا تو فوراً بول اٹھے کہ کان علمہ اکبر
من العقل (یعنی ان کا علم ان کے عقل سے زیادہ تھا) دانشمندیوں کا قول ہے کہ ایک
من علم رادہ من عقل باید (یعنی ایک من علم کے لیے دس من عقل درکار ہے) لیکن جب
یہاں معاملہ برعکس ہے دس من علم کے لیے ایک من عقل ہے۔ تو نتیجہ وہی نکلتا تھا جو
نکلا۔ یعنی امام موصوف پر ہمیشہ کفر کے فتوے لگتے رہے اور مسلمانوں کے درمیان خواہ مخواہ
افتراق و انتشار پیدا کرنے کے جرم میں حکومت وقت نے ان کو ہمیشہ قید و بند میں رکھا۔

لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور امام موصوف کے اس مضمحکہ خیز استدلال سے اُمت میں ایسی کشمکش اور انتشار پیدا ہوا جس میں ہم آجکل گرفتار ہیں اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے یہ خیال بھی فرمایا کہ جب حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے شمار احادیث میں قبروں پر جانے، سلام کرنے، مردوں کے لیے دعائے خیر مانگنے وغیرہ کی تاکید فرمائی تو صرف ایک لاشبہ الرجال والی حدیث سے باقی صحیح احادیث پر کیسے پانی پھیرا جاسکتا ہے اور پھر لاشبہ الرجال والی حدیث میں نہ مزارات پر جانے کی ممانعت ہے۔ نہ قبروں پر جانے کی بلکہ صرف تین مساجد کا ذکر ہے کہ سوائے ان تین مساجد کے باقی کسی مسجد میں فضیلت نہیں سب برابر ہیں اس لیے ان کی زیارت کے لیے وقت صرف کرنا بے کار ہے۔ لیکن پھر بھی یہ امتناعی حکم نہیں ہے بلکہ عام بات ہے کیونکہ تاریخی اہمیت کی مساجد یا عالی شان مساجد کو دیکھنے کے لیے ہر شخص کا جی چاہتا ہے اور اگر کوئی شخص جا کر دیکھ لے تو یہ کام حرام اور ناجائز نہ ہوگا۔ لیکن کمال ہے امام موصوف کی فراست کا کہ انہوں نے اس حدیث کو زیارت قبور کا امتناع سمجھا حالانکہ قبور کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ اگر اس سے عام سفر کی ممانعت سمجھی جائے تو پھر دنیا کے تمام سفر حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں۔

باقی اختلافی مسائل تو درکنار بعض ظاہرین حضرات
نذر، نیاز، فاتحہ پر اعتراض : نذر، نیاز اور فاتحہ کو بھی حرام سمجھتے ہیں اور اگر

کسی بزرگ یا رشتہ دار کو ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا تیار کیا جائے اور اس پر فاتحہ پڑھا جائے تو وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے اور اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ نہ کھانا جو پکایا گیا حرام تھا۔ اور نہ قرآن کا پڑھنا حرام ہے معلوم نہیں جب کھانا اور قرآن دونوں کو جمع کیا جائے تو کس منطلق سے یہ حرام ہو جاتا ہے کہ دوڑ پھینک دیا جاتا ہے حالانکہ احادیث میں کثرت سے شواہد ملتے ہیں کہ صحابہ کرام مردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے طعام تقسیم کرتے تھے اور قبروں پر جا کر ان کے لیے تلاوتِ قرآن بھی کرتے تھے۔ ائمہ مجتہدین میں سے بھی کسی نے اس چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ نیز قرآن حکیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

حق تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا حکم آیا ہے کہ مسلمانوں سے نذر قبول کر لیا کریں
کیونکہ اس سے مسلمانوں کا تزکیہ نفس ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فاتحہ و نذر نیاز جانتے ہیں: حضرات اپنے آپ
اگرچہ تمام الحدیث

کو امام احمد بن حنبلؒ کا مقلد کہتے ہیں لیکن ان کے مسلک پر نہیں چلتے۔ امام موصوف کا
مشرب تصوف تھا اور آپ بغداد کے بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ حضرت بشر حافیؒ
کے معتقد اور گرویدہ تھے۔ امام احمد کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا کہ حضور ساری دنیا
آپ کے سامنے جھکتی اور آپ ایک مست قلندر صوفی کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ آپ
نے جواب دیا کہ مجھے احکام خدا کا علم ہے اور ان کو مجھ سے زیادہ خدا کا علم ہے۔ دوسری
بات یہ ہے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر نکیؒ نے شہداء امدادیہ میں فرماتے ہیں۔

حنبلوں کے ہاں یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے فرقہ کے لوگوں کے ہاں
جمعرات کے دن کتاب احیاء العلوم کا تبرک ادرس ہوتا ہے اور جب درس ختم
ہوتا ہے تو تبرک ادرس تقسیم کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ طریق نذر و نیاز قدیم زمانہ سے
جاری ہے اس زمانہ میں لوگ انکار کرتے ہیں۔

اسماع موتی سے انکار: بعض حضرات یعنی وہی مٹھی بھر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں
کہ اہل قبور کوئی بات نہیں سن سکتے حالانکہ احادیث میں کرتے

سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب تم قبروں پر جا کر السلام علیکم یا اہل قبور کہتے
ہیں تو وہ و علیکم السلام کہتے ہیں اور جب تم ان کے لیے دعا مغفرت کرتے ہو تو وہ تمہارے
لیے دعا کرتے ہیں اور اگر تمہاری حالت اچھی ہے تو تمہارے والدین اور رشتہ دار جو
مرچکے ہیں خوش ہوتے ہیں اگر تمہاری حالت بُری ہے تو وہ مندوم ہوتے ہیں۔ اگر مردے
سن نہیں سکتے تو پھر سلام کا جواب سلام اور دعا کا جواب دعائیں کیسے دیتے ہیں۔ ایک
دفعہ ایک اہل حدیث راقم الحروف کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اسماع موتی کے متعلق جنتی
احادیث ہیں ان کا مطلب آپ لوگوں نے نہیں سمجھا۔ احادیث کا مطلب سمجھنے کے
لیے قرآن کو دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن حکیم میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِي رَايَ سَغِيْرٍ اَبَ مَرْدُوْنَ كُوْنَهِيْنَ سَنَا سَكْتَهِيْنَ، ميں نے کہا ذرا اس سے آگے بھی پڑھیں۔ انہوں نے پس و پیش کیا تو ميں نے اس آيت كو خود كمل كيا جو يه هے۔ اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِي وَاِذَا دَلَّوْهُ مَدْبَرِيْنَ رَايَ سَغِيْرٍ اَبَ مَرْدُوْنَ كُوْنَهِيْنَ سَنَا سَكْتَهِيْنَ كَيُوْنُكَ حَبَّ اَبَ اِنْ كُوْدَعُوْت دِيْتَهِيْ هُو تُوْدَه پَهِيْطَ پَهِيْر كَر چَلَه جَاتَه هِيْنَ)

ميں نے کہا اگر موتی سے مراد مردے ہیں تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے قبرستان میں جا کر مردوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور پھر وہ مردے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے تھے کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ خدا کے واسطے قرآن کے غلط معنی نکال کر لوگوں کو گمراہ نہ کرو اور امت میں تفرقہ نہ ڈالو۔ ميں نے کہا کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں موتی کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کافر لوگ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ اسی طرح جب قرآن مجید میں کافروں کو صُحْمٌ عُمِيٌّ بَلْمٌ کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ فی الواقع گونگے اندھے اور بہرے تھے بلکہ چونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں ان کو اندھے بہرے اور گونگے کہا گیا ہے اسی طرح کافروں کو مردہ بھی کہا گیا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے

خشتِ اول جو تہہ معماری کج تاثیر سے رود دیوار کج

جب ان لوگوں نے آیہ قرآن کے معنی ہی غلط سمجھے ہیں تو اس غلطی کی وجہ سے وہ ان تمام احادیث کو غلط کہتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردے تمہاری بات سنتے ہیں۔

یہ تو عام مردوں کا حال ہے لیکن وہ خاصانِ خدا اور اہل اللہ جو اس دنیاوی زندگی میں حدیث قدسی بی بصر و بی یسمع بی بیطش کے مطابق اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اللہ کے کانوں سے سنتے اور اللہ کے قدموں سے چلتے ہیں تو ان کے لیے تو بدرجہ اولیٰ اور بدرجہ اتم بعد مرگ لوگوں کی باتیں سننے کی توفیق ہونی چاہیے۔ جب عوام سن سکتے ہیں تو خواص کیوں نہیں سن سکتے۔

دوسری بات یہ ہے انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا جسم مر جاتا ہے۔ روح زندہ

رہتی ہے اس لیے جب اہل قبور سے کوئی بات کی جاتی ہے تو اس کی روح سن کر جواب دیتی ہے اور ہمارے لیے دعا کرتی ہے بلکہ ان کا تصرف اس قدر بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ آپ کے کاموں میں بھی ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں شہدا کو مردہ کہنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ جب شہدا زندہ ہیں تو صدیقین یعنی اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام بھی زندہ ہیں بلکہ بدرجہ اتم زندہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ان کے مراتب اس ترتیب سے بتائے گئے ہیں انبیاء و صدیقین و الشہداء و الصالحین۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مرتبہ شہداء سے زیادہ بلند ہے۔ جب شہید زندہ ہیں تو اولیاء کرام اور انبیاء ان سے بھی زیادہ زندہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوتُوْنَ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ اِلٰى دَارٍ يَعْنِيْ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ مَرْتَبَةً لَمْ يَمُوتُوْنَ۔ بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ موت کے وقت آدمی کا جسم مرجانا ہے لیکن روح زندہ رہتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اگر روح زندہ نہ ہو تو عذاب و ثواب قبر و غیرہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب عام مسلمانوں بلکہ کافروں کی روح بھی زندہ ہے تو پھر شہداء میں اور ان میں کیا فرق ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کو قرآن میں کیوں زندہ کہا ہے بعض ظاہرین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شہدا ایسے کام کر جاتے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہ جاتا ہے۔ یہ مفہوم بالکل غلط ہے کیونکہ کافر لوگ بھی ایسے کام کر جاتے ہیں جن سے ان کا نام زندہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ شہدار کی زندگی عام مردوں کی زندگی نہیں ہے۔ عام مرد سے تمہارے کاموں میں متصرف نہیں ہوتے لیکن شہدار کو یہ تصرف حاصل ہوتا ہے۔ ان معنوں کے سوا یہ آیت کسی اور معنی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی خواہ کوئی جتنا زور لگائے۔ اب جب شہدار کو یہ تصرف حاصل ہے

کہ ان سے یہ کرامات صادر ہو سکتی ہیں تو پھر صدیقین یعنی اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام

کو بدرجہ اتم یعنی ان سے بھی زیادہ تصرف کی طاقت ہونی چاہیے۔ یہ عام فہم بات ہے۔ اس کو معمولی عقل کے لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ لوگ قبروں پر جا کر مرادیں طلب کرتے ہیں۔ ایک واعظ ممبر پر کھڑے یہ کہہ رہے تھے کہ یہ جو لوگ

استمداد اور توسل : کہتے ہیں اسے داتا گنج بخش میری فلاں مراد پوری کر دے، فلاں مراد پوری کر دے۔ نہ کوئی داتا ہے نہ کوئی گنج بخش نہ کوئی حاجت روا ہے یہ سب شرک ہے۔ جب وعظ ختم ہوا تو اس احقر نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور آپ کے منہ سے تو یہ کلمات اچھے نہیں لگتے کیونکہ اس مسجد کی امامت کے لیے جتنے لوگ چندہ دیتے یا آپ کے پاس کھانا بھجیتے ہیں۔ قربانی کی کھالیں عطا کرتے ہیں یا صدقہ فطر عطا کرتے ہیں وہ سب کے سب آپ کے داتا اور حاجت روا ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ تو زندہ ہیں اور تم لوگ مردوں سے حاجت طلب کرتے ہو۔ میں نے کہا قرآن مجید میں غیر اللہ سے مراد طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے تو کیا آپ کے نزدیک زندہ لوگ غیر اللہ نہیں اللہ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اولیاء کرام کو قرآن اور حدیث زندہ بتاتی ہے تو آپ ان کو کس طرح مردہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر زندوں سے کچھ طلب کرنا شرک ہے تو جو لوگ آپ کو چندہ دیتے ہیں وہ بھی زندہ ہیں یہ بھی شرک ہونا چاہیے کیونکہ وہ غیر اللہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ جو شخص دے سکتا ہے اس سے لینا شرک نہیں ہے۔ میں نے کہا اول تو جو شخص دے سکتا اس سے لینا زیادہ شرک ہے کیونکہ جو نہیں دے سکتا اس سے طلب کرنا بے وقوفی ہوگی شرک نہ ہوگا۔ اگر آپ خدا کو چھوڑ کر کسی بندے سے حاجت روائی کرائیں تو یہ ضرور شرک ہونا چاہیے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک لوگوں سے حاجت طلب کرنا بھی شرک نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ ہے اور فاعل مجازی انسان ہے۔ جب کوئی افسر آپ کو ملازم رکھتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے میری روزی لگ گئی ہے لیکن روزی دینے والا تو وہ افسر ہے آپ اللہ کا شکر یہ اس لیے ادا کرتے ہیں کہ اصل دینے والا اللہ تعالیٰ اور مجازی دینے والا افسر ہے۔ البتہ

قرآن مجید میں جس غیر اللہ سے طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے، اُن سے مراد بت ہیں یا کاہن اور جادوگر ہیں جو شیطانی قوت سے لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ لیکن اولیاء کرام غیر اللہ میں شمار نہیں ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عزت سب میرے لیے ہے اور رسول اللہ کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء انبیاء اور مومنین کو اپنے زمرہ میں شامل کیا ہے اور جو چیزیں اللہ کے زمرے سے خارج ہیں وہ ہیں بت، شیطان، جادوگر اور کاہن اس لیے قرآن میں ان چیزوں سے امداد طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے لیکن خدا کے دوستوں سے امداد طلب کرنا تو گویا خدا سے امداد طلب کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ یعطی وَاَنَا قَاسِمٌ (عطا کرنے والا اللہ اور تقسیم کرنے والا میں ہوں)۔

یہ نظام الہی ہے اس لیے قدرت کے اس نظام میں معطل یعنی (عطا کرنے والے) سے طلب کیا جائے یا قاسم سے نظام قدرت میں دونوں امور جائز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام آنحضرتؐ سے مرادیں طلب کرتے تھے اور آنحضرتؐ ان کی مرادیں پوری فرمادیتے تھے۔ اب چونکہ اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اس لیے وہ بھی اپنے دائرہ میں ایک حد تک قاسم ہیں۔ اور قاسم سے طلب کرنا اس حدیث کے بمصداق نظام خداوندی کے عین مطابق ہے۔ خیر یہ تو مسئلے کی بات ہے کہ دوستانہ خدا سے حاجات طلب کرنا یعنی ان کو مجازی حاجت روا سمجھنا اور حق تعالیٰ کو حقیقی حاجت روا سمجھنا شریعت میں جائز ہے لیکن عام طور پر مزارات پر جانے والے اس حد تک بھی نہیں جاتے اور صاحب مزار سے مرادیں طلب کرنے کی بجائے وہ ان کو وسیلہ بنا لیتے ہیں اور ان کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے میری یہ دعا قبول کر دیجئے۔ مزارات پر جانے والے جانتے ہیں کہ مرد عورتیں سب آکر یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ پیرا ہم تیرے در کے سوالی ہیں اور تو ہمارے لیے خدا کے در کا سوالی بن۔ اب اس میں کون سی شرک کی بات ہے جس سے یہ حضرات بگڑ جاتے ہیں اور ہمیں جینے نہیں دیتے۔

اس سلسلے میں ہم علمائے دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی اکابر دیوبند کا فتویٰ : امداد اللہ مہاجر کی کتاب ہفت مسائل کے اقتباسات

پیش کرتے ہیں تاکہ آجکل کے دیوبندی حضرات کو معلوم ہو جائے کہ ان کے اکابر کا مسلک کیا تھا اور انہوں نے کیا سے کیا کر دیا ہے۔ ندائے غیر اللہ کے مضمون پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی فرماتے ہیں:

”اس میں تحقیق یہ ہے کہ ندائے مقاصد و اغراض مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی محض اظہار شوق کبھی تحسّر یعنی حسرت کا اظہار کبھی محبوب کو اپنی فریاد سنانا، کبھی ان کو پیام پہنچانا، سو اگر مخلوق غیب کو پکارنا محض شوق وصال اور حسرت فراق کے لیے ہے جیسے عاشق اپنے معشوق کا نام لیا کرتے ہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ مجنون کا قصہ مننوی میں مذکور ہے۔ ایسی مذاہب و اصحاب سے بکثرت روایات میں منقول ہیں اگر مخاطب کو اسماع یعنی سنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ باطن سے مخاطب کا مشاہدہ کر رہے تو بھی جائز ہے اور اگر مشاہدہ نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر ہو جائے گی اور وہ ذریعہ معتبر ہے تو بھی جائز ہے۔۔۔ اس اعتقاد سے اگر کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے تو کچھ مضائقہ نہیں۔۔۔ یہاں سے معلوم ہو گیا حکم وظیفہ یا شیخ عبدالقادر شنبلی اللہ کا لیکن اگر شیخ کو فاعل حقیقی سمجھے تو شرکی طرف لے جانے والی بات ہے۔ ہاں اگر وسیلہ اور ذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔ یہ ہے تحقیق اس مسئلہ میں۔“

یہاں ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ روح زندہ رہتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ یا عالم ارواح میں موجود رہتی ہے۔ عالم ارواح میں نہ زمین ہے نہ آسمان، نہ سورج نہ زمان، نہ مکان۔ یاد رہے کہ زمان اور مکان اس وقت وجود میں آتے جب زمین اور سورج پیدا ہوتے سورج

کی رفتار سے وقت (TIME) یعنی سال، ماہ، دن اور گھنٹے وجود میں آئے اور زمین کے پیدا ہونے کے ساتھ مکان (SPACE) وجود میں آیا۔ زمین اور آسمان پیدا ہونے سے پہلے نہ وقت تھا نہ زمان نہ مکان۔ بلکہ لامحدودیت (ETERNITY) تھی۔ اسی طرح کائنات کے فنا ہوجانے کے بعد بھی وقت، زمان و مکان ختم ہوجائیں گے اور لامحدودیت رہ جائے گی۔ چنانچہ جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح عالم ارواح میں موجود ہوتی جہاں نہ کوئی زمان ہے نہ مکان، بس لامحدودیت قائم ہے چونکہ روحیں مکان و زمان کی قید سے آزاد ہیں اس لیے وہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہوتی ہیں۔ روحوں کے لیے یہ کہنا کہ فلاں کی روح لاہور میں ہے یا اجیر میں ہے مدینہ میں ہے یا مکہ میں ہے صحیح نہیں ہے بلکہ جب روحوں کے لیے نہ وقت ہے نہ مکان تو ہر روح ہر جگہ موجود ہے۔ اس لیے یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ میں ہیں۔ تمہاری آواز کیسے سن سکتے ہیں یا تمہاری مجلس میں کیسے آسکتے ہیں۔ محض مضحکہ خیز ہے وہ گتے ہی کہاں تھے کہ آنے کا سوال پیدا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جلیل القدر پیغمبر ہیں معمولی آدمیوں کی روح بھی ہر جگہ موجود ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی مردے کو السلام علیکم کہتے ہو تو وہ جواب دیتا ہے لیکن تم اس کا جواب نہیں سن سکتے۔ اس بات کا مشاہدہ تو آجکل کے فن رابطہ ارواح سے بھی ہو سکتا ہے جو ٹیبل ٹپنگ (TABLE TAPPING) کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آپ چاہیں تو جس روح کو بلائیں وہ آپ کے پاس آسکتی ہے اور جو سوال کریں جواب دے سکتی ہے۔ راقم الحروف کے لٹکوں کو بھی یہ طریقہ آتا ہے اور اپنے رشتہ داروں کی ارواح کو بلا کر سوال و جواب کرتے ہیں لیکن سوال جواب بات چیت کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اور قسم کے اشارات سے ہوتا ہے۔ میز پر ایک بڑے کاغذ پر الف سے تک تمام حروف لکھ لیے جاتے ہیں اور کاغذ کے وسط میں کوئی چیز مثلاً سیاہی کی شیشی کے ڈھکنے کی طرح کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے اور جب ارواح کو سوال کیا جاتا ہے تو وہ چیز خود بخود حرکت میں آکر مختلف حروف کی طرف جاتی ہے اور الفاظ

بن جلتے ہیں اس حرکت کے محرک ارواح ہوتے ہیں اسی طرح حاضرات کا علم ہے جس کے ذریعے جنات کی روحوں کو بلا کر کام لیا جاتا ہے۔ اس سے ندبا بالغیب اور حاضر و ناظر کے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ نور اور بشر : اسی طرح مسئلہ نور اور بشر کو بھی کم فہم لوگوں نے نزاعی مسئلہ بنا دیا ہے حالانکہ معاملہ صاف ہے۔ ویسے تو ہر

انسان مجموعہ ہے روح اور جسم کا۔ جسم خاکی چیز ہے اور فانی ہے اور روح غیر فانی ہے کیونکہ بمصدق آیت کریمہ *فَنَفَخْتُ فِيهِ مِنَ السُّوْحٰی* یہ حق تعالیٰ کی روح کی صدائے بازگشت ہے۔ نیز یہ بھی امر مسلمہ ہے اور اجکل کی سائنس نے بھی اسے ثابت کر دیا ہے کہ اشیاء کا وجود مستقل وجود نہیں ہے بلکہ وہی اور اعتباری (RELATIVE) ہے نظریہ اضافیات (THEORY OF RELATIVITY) کے ماہر ڈاکٹر آئن سٹائن کی تحقیق یہ ہے کہ مادہ اور فضا یعنی خلا دونوں کا وجود ایک ہے۔ فلا ٹھوس شکل اختیار کر کے مادہ بن گئی ہے اور مادہ ابخار بن کر خلا بن گیا ہے۔ اس صورت میں مادہ اور خلا کی اصل ایک ہے اب خلا کو آپ نور کہیں، بخارات کہیں، فضا کہیں یا وحدت وجود کہیں سب جائز ہے۔ چونکہ عقلاء اور عرفاء کے نزدیک اشیاء کا وجود وہی، ظنی اور اعتباری ہے۔ لہذا جو کچھ موجود ہے نور ہی نور ہے یہ تو عام اشیاء اور عام موجودات کا حال ہے۔ اب حضرت انسان کو لیجئے۔ حضرت انسان تو اسٹروف المخلوقات ہے کیونکہ اس کے اندر روح اللہ موجود ہے۔ اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ *نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَدْيِ* میں انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہوں، اب جو چیز آپ سے قریب تر ہے وہ شہ رگ ہے اس سے زیادہ اقرب یعنی قریب تر کیا ہو سکتا ہے وہ ہے ذات باری تعالیٰ۔ یہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ انسان کا وجود کا عدم ہے اور جو کچھ ہے روح ہی روح ہے۔ یہ تو عام انسان کی پوزیشن ہے۔ لیکن وہ حضرات جو اپنے وجود اور جسم کو مجاہدات کی بھٹی میں جلا کر خاکستر کر چکے ہیں اور

سزا پارو ح بن کر ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا حاصل کر چکے ہیں اور حدیثِ قدسیٰ جس
 یسمع اور ہی میصر اور اندہ یمنظر بنور اللہ کے مطابق ذات و صفاتِ حق
 میں گم ہو چکے ہیں وہ تو عام اشیاءِ عالم اور عام انسانوں سے زیادہ نور ہیں بلکہ نور "علی نور"
 ہیں۔ یہ ہے حالتِ اولیاءِ کرام کی۔ اب آپ اس ذاتِ بابرکات کی طرف آئیں جو بصدق
 لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ تجلیِ اول، تعینِ اول اور
 نورِ اول ہیں جس سے ساری کائنات وجود میں آئی ہے اور بصدق حدیثِ اول ما
 خلق اللہ نوری و خلق کل شیءٍ من نوری واللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے
 میرا نور پیدا فرمایا اور پھر میرے نور سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا، ساری کائنات
 اور تمام موجودات کا منبع و مصدر ہیں ان کے روح کی کیا کیفیت ہوگی جب اولیاءِ کرام
 بھی کہتے چلے آتے ہیں کہ اشیائے عالم کا وجود ظنی، وہی اور اعتباری ہے اور جب
 سائنس کی تحقیقات بھی یہی ہے تو اشیائے عالم کا وجود خارج میں حقیقی نہیں ہے لیکن
 ہمیں اسی طرح نظر آیا ہے۔ یہ حال عام اشیاء کا ہے اس سے اوپر آدمی کا مرتبہ جس میں
 روح ربانی جلوہ گر ہے اس سے اوپر اولیاءِ کرام کا مرتبہ ہے۔ جو جسم کی پچی کچی راکھ کو بھی معذم
 کر چکے ہیں۔ ان سب کے اوپر انبیاء کا مرتبہ ہے اور سب سے اوپر اللہ کے نزدیک
 حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے جو بدرجہ اتم جسم کی قیود کو ختم کر چکے
 ہیں حتیٰ کہ سایہ بھی نہیں تھا اور نور ہی نور رہ گئے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر
 کہا گیا ہے وہاں وحی کا امتیاز بھی لگا دیا گیا۔ مثلاً فرمانِ ربی ہے قُلْ اَنَا بَشَرٌ
 مِّثْلُکُمْ یوحٰی اٰتٰی یعنی میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں لیکن وہ انسان جس پر
 وحی نازل ہوتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں عام بشر اور وہ بشر جس پر وحی نازل ہو
 دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا کہ ایک حیوان اور انسان میں ہے۔ شبلی کا قول ہے لیکن
 ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ فرق ہے۔ یوں سمجھ لینا چاہیے کہ ہر انسان
 حیوان ہے یعنی جاندار ہے لہذا اگر کوئی شخص آپ کو کہے کہ آپ حیوان ہیں تو ایک

محافظ سے وہ سچ کہہ رہا ہے لیکن وہ آپ کی بے ادبی بھی کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو عقل کی امتیازی خصوصیت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ آدمی اس کو ترک کر رہا ہے۔ اسی طرح عام انسان اور ایک نبی یا رسول میں جو وحی الہی کا امتیاز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس کو بھول کر کوئی شخص ایک نبی کو بشر کہہ دے تو وہ بھی اسی قدر گستاخی کا مرتکب ہوگا جیسا کہ ایک انسان کو حیوان کہنے والا بلکہ اس سے بھی زیادہ گستاخ ہوگا کیونکہ حیوان اور انسان کے درمیان صرف عقل کا فرق ہے لیکن عام بشر اور وہ بشر جس کو وحی الہی کا شرف حاصل ہے اس میں جو فرق ہے وہ وحی کا فرق ہے اور عقل سے وحی کا مرتبہ اور فضیلت کئی درجے زیادہ ہے۔ اس لیے وہ حضرات جن پر وحی ہوتی ہے بشریت کی حد سے اسی طرح بلند و بالاتر ہو جاتے ہیں جس طرح کہ ایک انسان عقل کی بدولت جانوروں سے بلند اور بالاتر اور ایک بالکل علیحدہ جنس بن جاتا ہے اسی طرح نبی بھی وحی کی بدولت بشری جنس سے نکل کر بالکل علیحدہ جنس بن جاتا ہے۔ جس پر سوائے نور کے اور کوئی اسم صادق نہیں آتا۔ کیونکہ وہ بشری قبور اور بشری تقاضا جات سے ارفع و اعلیٰ پہنچ کر سراپا نور بلکہ نورِ علیٰ نور بن جاتا ہے اور ذاتِ حق میں گم ہو کر فرد بن جاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اور کرتا ہے اس حدیثِ قدسی کے مطابق اللہ کی صفات سے کرتا ہے اور کہتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تجلی اول اور تعین اول اور نور اول ہیں اور سارا جہان آپ کے نور سے پیدا ہوا ہے اس لیے درحقیقت آپ ساری کائنات کا منبع و مصدر ہیں اور صرف مجازی طور پر ابن آدم ہیں حقیقت میں آپ ابولآدم ہیں اور بشریت سے بے حد اوپر ہیں۔ حقیقت محمدیہ کے تجلی اول اور تعین اول ہونے کا علم انبیاءِ سابق کو بھی ہوا تھا۔ اس لیے یونانی فلسفہ میں حقیقتِ محمدیہ یا تعین اول کا نام لوگاس (LOGOS) آیا ہے۔ جس کا مطلب ہے رُوح یا نور یا نفسِ رحمانی اور بیللیسوس جو بہت بڑا عارف اور فلسفی تھا۔ اس کے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا نام نوز (NOUS) ہے جو دراصل نور ہے۔ جب اگلی اُمتوں کے اکابرین

فلاسف اور عارفین بھی آنحضرت کو نور اول اور منبع دمصدر موجودات قرار دے رہے ہیں تو معلوم نہیں ہمارے چند مسطحی بھر مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ بشر بشر کی رٹ لگا رہے ہیں۔ عارف باہمی نے سنا بشر کو کس خوبی سے سمجھا ہے فرماتے ہیں:

نہ بشر خائمت اے دوست نہ حور نہ پری
 اور پانی و قنات حدیث گل و آب
 این ہمہ بر تو حجاب است تو چیزے دیگری
 محض لطفی و بہانست لباس بشری
 اے دوست نہ میں تجھے بشر کہتا ہوں اور نہ حور اور نہ پری۔ یہ سب تجھ پر حجاب ہے۔ تو اور چیز ہے۔ تو پاک نور ہے۔ اور یہ تیرے مسطحی اور پانی ہونے کی بات ایک افسانہ ہے۔ تو محض لطف ہے اور یہ تیرا بشریت کا لباس ایک بہانہ ہے۔

بعض لوگوں کو اعتراض کرنے کی ایسی عادت ہو گئی ہے کہ ایسی چیزوں پر بھی اعتراض

خالقا ہی نظام پر اعتراض:

کر بیٹھتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اسلام اور امت کے لوگوں کو بے حد فائدہ ہوا ہے ان میں سے ایک چیز خالقا ہی نظام ہے جس نے اسلامی ممالک میں ایسی عدیم المثال ہستیاں پیدا کیں کہ جنہوں نے اپنے نور ہدایت سے سارے جہاں کو منور کر دیا اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کو کفر و گمراہی سے نکال کر اسلام کی آغوش میں لاکر کھڑا کر دیا خالقا ہی نظام پر یہ لوگ یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ اس میں توکل اور قناعت کی تعلیمات سے مسلمانوں کے اندر حمود پیدا ہو گیا اور ترقی نہ کر سکے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین حقیقت اسلام سے واقف ہیں نہ تاریخ اسلام سے کیونکہ توکل اور قناعت وہ اوصاف حمیدہ ہیں کہ جن کی قرآن مجید اور حدیث نبوی میں تاکید آئی ہے اور ان ہی صفات حسنہ سے متصف ہو کر مسلمانوں نے حرص و ہوس اور نفس پرستی جیسی بہیمانہ صفات سے پاک ہو کر فرشتوں سے بھی اوپر مقام پیدا کیا اور دنیا بھر میں ایسے مقبول ہوئے کہ مختلف ممالک کے لوگ مسلم فاتحین کو دعوت دے کر اپنے ملکوں میں بلاتے تھے اور ظالم بادشاہوں سے نجات حاصل کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ معترضین نے توکل اور قناعت کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ اور غیب سے

رزق کے منتظر رہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے کوئی کام اس کی منشا و امداد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آدمی خواہ کتنا زور لگائے جب تک اللہ کو منظور نہیں ہو گا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسلام نے توکل کی تعلیم اس لیے دی ہے کہ اپنی مادی اور روحانی ترقی کے لیے خوب محنت کرو لیکن جہاں تک نتائج کا تعلق ہے ان کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی کی امداد طلب کرو۔ اسی طرح قناعت کا مطلب یہ نہیں کہ تم روکھی سوکھی پر اکتفا کرو اور ہاتھ پاؤں ہلانا بند کر دو بلکہ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ خوب کماؤ اور ترقی کرو لیکن اپنی ذات پر کم سے کم صرف کرو اور باقی جو کچھ بچ رہے اُسے قوم کے مسخ افراد میں تقسیم کر دو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے توکل اور قناعت جیسی صفات حسنہ کو اپنا کر نفسانیت کا قلع قمع کیا اور اپنی بے لوثی اور ایثار کی بدولت دنیا پر چھا گئے۔ اس میں شک نہیں کہ خالق ہوں میں قیام کے دوران جس طرح معلمین یعنی مشائخ عظام کو شدید مصروفیت کی وجہ سے رزق کمانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ متعلمین اور سالکین کو بھی ان خالق ہوں میں عارضی قیام کے دوران دیگر مشاغل کو ترک کر کے ہمدن اور ہمد وقت اپنی دینی تعلیم اور روحانی تربیت میں منہمک رہنے کی ضرورت تھی اور یہ چیز کس فن اور کس پیشہ میں نہیں ہے۔ کیا آج کل کے ترقی اور تمدن کے زمانے میں تعلیم کے دوران طالب علموں کو بورڈنگ ہاؤس کے تنگ و تاریک کمروں میں نہیں رہنا پڑا اور دیگر تمام مشاغل کو ترک کر کے تعلیم اور صرف تعلیم کو پورا وقت نہیں دیا جاتا۔ اس کے بعد فنون یعنی ڈاکٹری، انجینئرنگ اور وکالت وغیرہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے کیا ان کو ہمدن اور ہمد وقت اپنے فن کے حصول میں مصروف نہیں ہوتا پڑتا لیکن جب تعلیم و تربیت سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے تو شادی بھی کی جاتی ہے بیاہ بھی کیا جاتا ہے، ملازمت کی جاتی ہے۔ مکان بنائے جاتے ہیں اور زندگی کی تمام سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے بعینہ اسی طرح جب سالکین یعنی طالبان راہِ خدا مشائخ عظام کے زیر نگرانی روحانی تعلیم و تربیت ختم کر کے قرب اور معرفتِ الہی کے بلند مراتب پر پہنچ جاتے تھے تو ان کو خلافت دی جاتی تھی اور مختلف

علاقوں میں بھیج کر ان کو ہدایت خلق کے لیے مامور کیا جاتا تھا۔ ان خالقوں میں بلاشبہ معلم حضرات نہ خود کوئی اور کام کر سکتے تھے نہ طالبانِ راہِ خدا کو تعلیم و تربیت کے دوران رزق کمانے دیتے تھے بلکہ توکل اور قناعت کی تلقین کرتے تھے تاکہ دنیاوی جاہ و جلال کی بجائے وہ درویشی کو شیوہ بنائیں اور آگے چل کر اسی بے لوثی اور بے غرضی سے اپنی اپنی خالقوں میں محض توکل علی اللہ پر طالبانِ راہِ خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوں جس طرح ان کے مشائخ ہوئے تھے۔

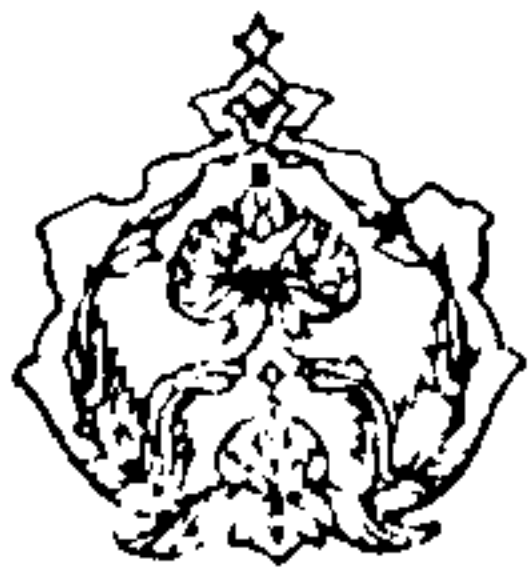
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خالقوں کے

مشائخ عظام کیوں رزق کمانے پر ہمیرتے تھے؟

معلم حضرات یعنی مشائخ عظام کیوں روزی کمانے سے گریز کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کام اختیار کر لیا تھا جسے اہم ترین، بلند ترین اور شریف ترین مشغلہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انہوں نے ہدایت خلق اور اصلاح امت جیسی اہم ترین اور بلند ترین ذمہ داری اپنے سروں پر لے لی تھی اور یہ وہ کام تھا جو پورا وقت پوری ہمت اور پوری توجہ کا محتاج تھا۔ اگر مشائخ عظام خالق خدا کی تعلیم و تربیت کے ساتھ روزی کمانے میں بھی مصروف ہوتے تو وہ اپنے منصب میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ اس واسطے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست قربانی دے کر اپنی ضروریات کو بالائے طاق رکھا اور فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر کے اصلاح امت کا اہم فریضہ انجام دیا بعینہ اسی طرح مشائخ عظام نے فقر و فاقہ کو ناز و نعمت پر ترجیح دی اپنے آپ کو بال بچوں کو بھوکوں مارا، مخالفین کی طعن و تشنیع برداشت کی لیکن ہدایت خلق کے کام کو نہ چھوڑا اگر معترضین کے دل میں ذرا بھر انصاف ہو تو ان کو الٹا مشائخ عظام کی ان قربانیوں اور کاوشوں کو سراہنا چاہیے کہ جب باقی لوگ دونوں ہاتھوں سے دولت جمع کرنے میں مشغول ہوتے تھے تو یہ خالصانِ خدا جنگلی پھلوں، سوکھے ٹکڑوں پر گزارہ کر کے نبوت کی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور سالکانِ راہِ خدا کی روحانی تربیت میں ہمتن اور ہمہ وقت مصروف ہوتے تھے۔ چنانچہ

یہاں کی عظیم الشان قربانی تھی نہ کہ کاہلی اور بے کاری کہ املاک اور کوٹھیاں بنانے کی بجائے انہوں نے لوگوں کے کردار بلند کرنے، اصلاح نفس کرنے اور ان کو خدا رسید کرنے کے لیے زندگیاں وقف کر دی تھیں اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا ہے کہ یہاں دنیا سے دون کے طالبوں کی کمائی ہوئی دنیا سے ان کو فتنہ و فساد میں مبتلا کیا اور آپس میں لڑ مکر انہوں نے امت محمدیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ ان درویشوں اور فقر و فاقہ پر قناعت کر کے عوام کی اصلاح کرنے والوں نے اسلام کی جڑیں لوگوں کے دلوں میں اس قدر مضبوط کر دیں کہ آج تک اسلام قائم و دائم ہے۔

آج کل جب کہ حکومت کے پاس تیز سے تیز ذرائع آمد و رفت موجود ہیں اور کافی فوج اور پولیس بھی ہے لیکن لوگوں کے اعمال کیوں خراب ہیں اور لوگ قانون شکنی پر کیوں آمادہ ہیں اس لیے کہ ان کے قلوب کی اصلاح نہیں کی جا رہی۔ اس کے برعکس جب قرون اولیٰ میں مشائخ عظام کا خالق ہی نظام زوروں پر تھا اور چتے چتے پر اولیاء کرام کے مرکز قائم تھے تو معاشرہ کی اس طرح اصلاح ہوتی تھی کہ ہر شخص خوفِ خدا اور ایثار و محبت کے جذبات میں آکر حکومت وقت کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ لیکن آج کل معاشرہ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ لوگوں کو قانون شکنی اور حکم عدولی میں مزہ آتا ہے لہذا اس دور میں بھی لوگوں کے قلوب کی اصلاح کے لیے خالق ہی نظام کی سخت ضرورت ہے اور جہاں جہاں اپنے محدود انداز میں امت کے بھی خواہ اس کام میں مشغول ہیں۔ ان پر عین و تشنیع کی بجائے ان کے ہاتھ بٹانے کی ضرورت ہے۔



بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں پختہ قبر اور مقبرہ بنانا جائز نہیں۔ اس کا

پختہ مزارات اور مقبرہ پر اعتراض

ایک جواب تو یہ ہے کہ جہاں حدیث میں پختہ قبر بنانے کی ممانعت آئی ہے، وہاں پختہ مکان بنانے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ اب جو حضرات پختہ مزارات پر اعتراض کرتے ہیں، پہلے ان کو اپنے عالیشان مکانات کی طرف دیکھنا چاہیے۔ جس مصلحت سے پختہ مکانات بنائے جاتے ہیں اسی مصلحت سے پختہ قبور اور مقبرے بنائے جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پختہ مزارات یا مقبرہ جات اصحابِ قبور کے لیے نہیں، بلکہ زائرین کی سہولت اور آرام کے لیے تعمیر کیے جاتے ہیں، تاکہ سردی، گرمی، آندھی، بارش وغیرہ سے محفوظ رہیں۔

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث میں خواتین کے لیے زیارتِ قحبہ کی ممانعت آئی

خواتین کے مزارات پر جانے پر اعتراض

ہے۔ بات یہ ہے کہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں دونوں کو زیارتِ قبور سے منع فرما دیا تھا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ نے دونوں کو اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ اس کتاب کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو اپنے بھائی کی قبر پر جانے کے آدابِ تعلیم فرمائے تھے۔ اس کے بعد عورتیں ہمیشہ قبور پر جاتی رہی ہیں۔

بعض حضرات مزارات پر پھول اور چادر چڑھانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں اس کی

مزار پر پھول اور چادر چڑھانے پر اعتراض

ممانعت نہیں ہے۔ اگر کوئی اتنا ہی حدیث ہو تو ان حضرات سے درخواست ہے کہ مطلع فرمائیں دراصل پھول اور چادر محبت کی علامات ہیں۔ ہمیں اولیاءِ کرام سے محبت اس لیے ہے کہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ ولی کے معنی دوست کے ہیں۔ اولیاءِ اس کی جمع ہے اور قرآنِ عظیم ہی

میں ان حضرات کو اولیاء اللہ کا خطاب ملا ہے۔ ہمارے گھر کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا هم یخزفون** (اللہ کے دوستوں کیلئے نہ خوف ہے نہ غم) بعض لوگ کہتے ہیں کہ مزارات پر پھول اور غلاف چڑھانا فضول خرچی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جہاں حضرت عشق خیمہ زن ہوتا ہے وہاں انسان سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ معترض حضرات پہلے اپنے گھروں کی طرف نظر کریں کہ بیوی بچوں کے لیے کس قدر اسراف سے کام لیتے ہیں اور کتنے قیمتی زیورات اور قیمتی لباس تیار کرتے ہیں۔ مزار کا غلاف ان زیورات اور قیمتی ملبوسات کا عشرِ عشر بھی نہیں ہوتا۔

مزارات پر بوسہ دینے پر اعتراض بعض حضرات مزارات پر بوسہ دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں، حالانکہ سجدہ کرنا منع ہے، بوسہ دینے کی کہاں ممانعت آتی ہے۔ اگر غیر اللہ کو بوسہ دینا منع ہوتا تو حجرِ اسود، کعبہ اور غلافِ کعبہ اور بیوی بچوں کو بوسہ دینا منع ہوتا۔ کیونکہ یہ بھی غیر اللہ ہیں۔ **مزارات کے سامنے سجدہ کرنا۔** اہل مزارات کے آگے سجدہ کرنا گناہِ عظیم بلکہ کفر اور مشرک ہے۔

اس کی صریحاً قرآن حکیم اور احادیث میں ممانعت آتی ہے۔ لیکن ہم اگر مزارات پر جاتے ہیں ہم نے تو کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو مزارات کو سجدہ کرتا ہو، البتہ جھک کر چوکھٹ اور قبر کو چومتے ضرور ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، غیر اللہ کو چومنا کہاں منع ہے۔ آثار سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ چوما کرتے تھے۔ حضرت ابویوب انصاری نے بھی چوما ہے۔ نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام فرطِ محبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر جایا کرتے تھے اور چومتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہ فرمایا اور نہ مشرک کہا۔

اولیاء کرام سے بے ادبی خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے اولیاء کی امانت کرتا ہے میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں، کس قدر سخت وعید ہے۔ لیکن آج کل بے ادب لوگ ذرا بھر پرواہ نہیں کرتے اور اولیاء اللہ کے خلاف زہر لگاتے رہتے ہیں۔ عقل اور ادب کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا دوست ہے اس سے محبت کرنی چاہیے نہ کہ دشمنی، بغض و عداوت، بلکہ جو لوگ اللہ کے دشمنوں سے محبت کرتے ہیں ان سے بھی محبت کرنی چاہیے!

سماعِ صوفیہ پر اعتراض

صوفیاء کرام اور مشائخ عظام پر سب سے زیادہ اعتراضات سماع کے بارے میں کیے جاتے ہیں اس لیے ہم کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ اس مضمون پر بحث کریں گے تاکہ حق حق ہو جائے اور باطل باطل۔ اس مضمون میں پہلے ہم حقیقتِ سماع بیان کریں گے اس کے بعد سماع کے متعلق آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی بیان کریں گے اور ان کے متعلق مفسرینِ محدثین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال بیان کریں گے اور آخر میں حضرت مشائخِ چشت بلکہ مشائخِ قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے وہ واقعات درج کریں گے جن میں ان حضرات کا سماع سننا ثابت ہوتا ہے۔

حقیقتِ سماع : ہم سب انسان ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمام انسانوں کے دل میں محبت کے جذبات موجود ہیں۔ لیکن یہ جذبات بعض لوگوں کے دل میں بہت زیادہ ہونے ہیں بعض میں کم۔ جن لوگوں میں محبت کی کمی ہوتی ہے ان کی سب خدمت کرتے ہیں اور ان کو مردہ دل، مٹی کی دیوار، سنگدل وغیرہ القاب دیتے جاتے ہیں۔ یہ محبت صرف انسان کے دل میں نہیں ہے بلکہ جانور بھی اس سے بہرور ہیں اور اب توسائنس کی نئی ایجادات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ محبت نباتات اور جمادات میں بھی کارفرما ہے جسے کششِ ثقل (GRAVITY) اور کائنات کے مختلف ذرات مثل الیکٹرانس، پروٹرانس اور نیوٹرانس کے آپس کے ملاپ کشش اور جذب کے ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ ذرات کائنات کی ہر چیز میں موجود ہیں اور ان ہی وجہ سے کائنات کی ہر چیز میں حرکت پائی جاتی ہے اور دنیا کا پروگرام چل رہا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں جذب و محبت اس لیے کارفرما

ہے کہ خالق کائنات نے کائنات کو پیدا ہی اس غرض سے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذٰلِكَ تَرَا مُخْفِيًا فَاحْبَبْتَ اَنْ اُعْرَفَ فَمَخَلَقْتَ الْخَلْقَ (میں حسن و جمال اور کمالات کا ایک مخفی خزانہ تھا مجھے اس بات کا عشق ہوا کہ میں پہچانا جاؤں یعنی میرے حسن و جمال و کمالات کو پہچان کر لوگ مجھ سے محبت کریں، اس عشق و مستی کا ایک بار پھر انا دہ اس وقت ہوا جب حق تعالیٰ نے رُوحوں سے خطاب فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا تمہارا رب نہیں ہوں)، اس کے جواب میں رُوحوں نے جواب دیا قَالُوا بَلٰی (بے شک تو ہمارا رب ہے) یہ کہتے ہی مسلمانوں کی رُوحیں مست و سرشار ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئیں۔

نیز حق تعالیٰ نے کلام پاک میں عشق و محبت کو آئین مذہب

آئین محبت پر قرآن عظیم کی مزید شہادت:

قرار دیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہوتا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا شَدَّ حَبَالَهُمْ (جو لوگ ایماندار ہیں ان کے دل میں حق تعالیٰ کے لیے شدید محبت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت نہیں ہے وہ ایماندار بھی نہیں ہے۔ ایمان ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو واللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے)، اس آیت میں نہ صرف عاشقی کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ معشوق و محبوب رب العالین بننے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے وہ طریقہ کیا۔ ہے اتباع رسول ہے اتباع دو قسم کی ہوتی ہے۔ اتباع ظاہری یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اعمال کا اتباع کرنا اور اتباع باطنی یعنی آپ کے باطنی مراتب مثل قرب و معرفت اور عشق و محبت الہی کی تمنا کرنا۔ صرف ظاہری اتباع پر اکتفا کرنا نصف سے زیادہ اسلام کو چھوڑ دینا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

احادیث میں عشق و محبت کی تاکید: الا لا ايمان له من لا محبة له۔

اچھی طرح سن لو کہ جس کے دل میں محبت نہیں ہے وہ ایماندار نہیں ہے، بلکہ ایمان ہے۔ یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ دہرائے۔ نیز حدیث قدسی میں آیا ہے جسے امام بخاری و مسلم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا بندہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور نوافل یعنی زائد عبادت و ریاضت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے (بی یُبْصِرُ) میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے (بی یَسْمَعُ) میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے (بی یَبْطِشُ) میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے (بی یَمْشِی) اور میں اس کی زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے بات کرتا ہے (بی یَتَلَقَّ) اور میں اس سے محبت کرتا ہوں اور مجھ سے جو کچھ طلب کرتا ہے دیتا ہوں۔ اس حدیث پاک میں بھی نہ صرف عشق و محبت الہی کی تاکید وارد ہوئی ہے بلکہ محبوب بنتے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونے اور اس کی ذات میں فنا ہونے کا طریقہ بتایا ہے۔ یعنی ریاضت و مجاہد کرنا اور عشق الہی میں کوشاں رہنا۔

اب سماع صوفیہ کی حقیقت یہ ہے کہ کلام پاک میں احادیث میں اور دوسرے لوگوں کے اقوال و اشعار میں جو محبوب حقیقی کی مدح و ثنا بیان کی گئی اس کے سننے کا اہتمام کرنا اور آتش عشق الہی کے شعلوں کو اس قدر بھڑکانا کہ غیر اللہ کا وجود جس پر راکھ ہو جائے حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے۔

سرد سامان وجودم شرر عشق بسوخت
زیر خاکستر دل سوز نہانم باقی است

امیر خسرو فرماتے ہیں۔

روزیکہ کہ ذرہ ذرہ شود استخوان من
یک صاحب فرماتے ہیں۔

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد
اب زاہدان خشک سماع اور شعرو سخن سے اس لیے منع کرتے ہیں کہ اس سے

شہوانی جذبات اُبھرتے ہیں ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا شہوانی جذبات کھانا کھانے سے نہیں اُبھرتے اور کیا آپ نے کھانا کھانا بند کر دیا ہے۔ ہرگز نہیں، کھانا کھایا جاتا ہے اور شہوانی جذبات اُبھرتے رہتے ہیں لیکن ان جذبات کی صحیح طور پر پرورش کی جاتی ہے۔ یعنی شادی بیاہ کے ذریعے مشروع طریقے پر ان جذبات کو پورا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں عورت کے وجود سے بھی شہوانی جذبات اُبھرتے رہتے ہیں لیکن کون عظیمند ہے جو ان جذبات کو بند کرنے کی خاطر عورت کے وجود کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کرتا ہے بعینہ سماع سن کر دل میں عشق و محبت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ لہذا جس طرح غذا سے پیدا شدہ شہوانی جذبات کو صحیح طور پر پورا کیا جاسکتا ہے اسی طرح سماع کے جذبات کا بھی صحیح استعمال کیا جاسکتا ہے یعنی حق تعالیٰ کے عشق و محبت اور قرب و معرفت میں ترقی کی جاسکتی ہے جو اسلام کی غرض و غایت۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو غذا سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ خالص شہوت کے جذبات ہوتے ہیں اور ان کو غیر محرم کی بجائے محرم یعنی اپنی بیوی کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے لیکن غذا کا کھانا ہرگز بند نہیں کیا جاتا لیکن سماع سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ خالص شہوت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ وہ حق تعالیٰ کے عشق و محبت کے جذبات بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن غذا سے پیدا شدہ جذبات عشق و محبت الہی سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ لہذا زاہدان خشک اگر جذبات کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو وہی جذبات ختم کریں جن سے خالص شہوت پیدا ہوتی ہے اور کھانا چھوڑ دیں۔ ان جذبات کو کیوں بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں عشق مجازی کے علاوہ عشق حقیقی بھی وارد وافر ہوتا ہے چنانچہ شریعت نے نہ کھانا بند کرنے کا حکم دیا ہے نہ سماع سننے سے منع کیا ہے بلکہ ان دونوں چیزوں کے غلط استعمال سے منع کیا ہے۔

اگرچہ سماع بالمزاج یعنی

باجوں کے ساتھ سماع

سماع سے عام طور پر کیوں پرہیز کیا جاتا ہے :

سننے کے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی میں بے شمار ملتے ہیں لیکن پھر بھی بعض صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین اور بعض مشائخ عظام نے سماع

سے پرہیز کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں بجا طور پر اس لہو و لعب اور بے ہودہ کھیل تماشے اور غیر مشروع اشعار سننے کی ممانعت آئی ہے۔ جو اُس زمانے میں بھی اور آج کل ہمارے زمانے میں بھی ہر شخص کے نزدیک بے ہودہ اور لغو ہیں مثلاً فلمی گانے اور سنیما میں فلمی کھیل تماشے جس میں نامحرم عورتوں سے عشق و مستی کی داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ سماع کی ممانعت میں بعض احادیث ایسی بھی آئی ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف اور ظنی ہیں لیکن چونکہ ان ضعیف اور ظنی احادیث کے صحیح ہونے کا خفیہ سا بھی امکان موجود ہوتا ہے اس لیے بعض صلحاً نے جو فرمان نبوی کی بجا آوری میں کمر بستہ رہتے تھے۔ کمال احتیاط کے جذبہ میں آ کر ان ضعیف اور ظنی احادیث کو بھی آنکھوں پر رکھا اور سماع ترک کر دیا۔ یہ احادیث تو کیا سنت نبوی کے پروانوں تھے تو ایسا کمال کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم کھانے کی ہدایت فرمائی تو انہوں نے کئی کئی روز کے مسلسل روزے یعنی صوم دوام (بغیر سحری و افطار شروع کر دیئے) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر جسم کے بالوں میں سے ایک بال بھی خشک رہ جائے تو غسل صحیح نہیں ہوتا اور جنابت دور نہیں ہوتی تو حضرت علیؑ نے سارا سر منڈوا دیا حالانکہ سر نہ منڈوانے کے باوجود بھی سر کے بالوں کو ترک کیا جاسکتا تھا۔ اسی طرح جب حضرت رسالتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اوپر اپنی آواز کو نہ جانے دو) تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کمال احتیاط سے منہ میں کنکریاں رکھ کر بات کرتے تھے۔ حالانکہ کنکریوں کے بغیر بھی اپنی آواز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے نیچے رکھ سکتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت بایزید بسطامیؒ کو احادیث سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرپوزہ کس طرح کاٹ کر تناول فرمایا تو آپ نے خرپوزہ کھانا ہی بند کر دیا اس وجہ سے کہہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور طریقہ سے خرپوزہ کھالوں اور خلاف سنت کا ترکیب ہو جاؤں۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک جگہ پر بیٹھ کر قضا کا حاجت

فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ ہمیں ہی اس مقام سے گزرتے تھے تو اسی جگہ پر پھوٹی ڈیر
بیٹھ جاتے تھے حالانکہ ان کو قضائے حاجت کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ محض سنت پر
عمل کرنے کا شوق، دامنیگیر تھا۔

اسی وجہ سے بعض سنیوں نے ان منعیدت اور ظنی احادیث پر بھی عمل کیا جو سماع کی
عمرت ہیں، آئی ہیں اگرچہ ماہرین ذہن یعنی محدثین حضرات کے نزدیک وہ احادیث
قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں جو لہو الحدیث کی آیت کریمہ وارد ہوئی
ہے اس میں ایک کافر نضرب عارث کی ان لغویات سننے سے منع کیا گیا جن کا وہ اپنے
گھر پر اس لیے اہتمام کیا کرتا تھا تاکہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائیں۔
ہوایہ تھا کہ اس نے ایران سے ایک گانے والی عورت منگوائی تھی اور رات بھر اس
کے گانے کا انتظام کرتا تھا اور رستم و اسفندیار کے قصے کہانیاں بیان کرتا رہتا تھا۔
حالانکہ رستم و اسفندیار کے قصے سننا شرع میں منع نہیں ہے لیکن چونکہ اس شخص کا
مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ان دلچسپ مشاغل میں مشغول رکھا جائے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے باز رکھا جائے اس لیے قرآن عظیم میں بجا طور پر نضرب عارث
کی صحبت اور ان کے گھر پر گانا سننے کی ممانعت آگئی۔ لیکن سماع صوفیہ اس کے بالکل
برعکس ہے۔ صوفیائے کرام اس واسطے مجالس سماع منعقد نہیں کرتے کہ لوگوں کو اسلام
سے منحرف کیا جائے بلکہ اس لیے کہ خدا اور رسول خدا کی محبت دلوں میں تازہ ہو۔

اب ہم پہلے وہ احادیث بیان کریں گے جن میں سماع کی ممانعت آئی ہے۔
اس کے بعد ان احادیث کے متعلق محدثین حضرات کی رائے پیش کریں گے۔ پھر ہم وہ آیات
اور احادیث بیان کریں گے جن میں سماع سننے کی تاکید اور جواز ثابت ہے۔

سب سے پہلے یہ بات واضح
آیات و احادیث در ممانعت سماع : کرنے کی ضرورت ہے کہ جن احادیث

میں سماع کی ممانعت آئی ہے وہاں سماع کے لیے عربی زبان کا لفظ "غنا" استعمال کیا
گیا ہے اور "غنا" عربی زبان میں اس گانے کو کہتے ہیں جو مغنیہ عورت یعنی پیشہ ور عورتیں

گاتی ہیں۔ اور بے پردہ اپنے حسن و جمال کی زیب و زینت دکھاتی پھرتی ہیں۔ ان کا گانا بلاشبہ حرام ہے لیکن اس بنا پر سماع صوفیاء کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔

ممانعت سماع کی آیات :
ممانعت سماع میں پہلی آیت جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے وہی لہو الحدیث والی آیت ہے

جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ دوسری آیت جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ہے۔ الشعراء یبغون الفاون (شعر شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے،

لیکن یہ آیت پیش کرنے والے عام طور پر یہ دیکھنا بھول جاتے ہیں کہ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے آگے یہ آتا ہے کہ الا الذین امنوا و عمل الصالحات (یعنی وہ شعراء اس زمرہ میں نہیں آتے جو ایماندار یعنی مومن ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی ان آیات جاہلیت کے شعراء کی مذمت آتی ہے۔ جو خلاف شرع کلام کہتے تھے۔ اگر شعر گوئی کی مطلقاً مذمت مقصود ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی حضرت حسان بن ثابت اور دیگر شعراء کا کلام کیوں سننے۔

ممانعت سماع کی احادیث :
ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو لڑکیاں دف بجاکر گانا گارہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سن رہے تھے لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا رسول اللہ کے گھر میں شیطانی مزار اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر انہیں چھوڑ دو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے آج ہماری بھی عید ہے بعض لوگ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے گانے بجانے کو شیطانی کام قرار دیا۔ اس لیے حرام ہے لیکن وہ یہ غور نہیں فرماتے ہیں کہ شارع اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں یا رسول اللہ ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود گانا سن رہے ہیں اور باجے کے ساتھ سن رہے ہیں اور پھر حضرت ابوبکر صدیق کو منع بھی فرما رہے ہیں کہ ان کو مت چھڑو، تو اور کون ہے جو گانے کو حرام کہے۔ منکرین سماع ابوامامہ کی روایت کردہ حدیث بھی پیش

کتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو گانے میں اپنی آواز کو لہجہ کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ دو شیطان مسلط کر دیتا ہے ایک ایک کندھے پر اور دوسرا دوسرے کندھے پر۔ اول تو اس حدیث کو محدثین حضرات نے قبول ہی نہیں کیا کیونکہ فن حدیث کے مطابق اس کی اسناد متصل نہیں ہیں جیسا کہ شیخ عبدالرحیم عراقیؒ اور مجد الدین نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم میں فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پہلی حدیث سے اس کا تعارض ہوتا ہے حالانکہ ابوامامہ کے مقابلے میں حضرت عائشہ جنہوں نے پہلی حدیث بیان فرمائی ہے زیادہ ثقہ راوی ہیں تیسری بات یہ ہے کہ ابوامامہ کی حدیث میں آواز کو حد سے زیادہ بلند کرنے کی مذمت آتی ہے نہ کہ گانے کی۔ اگر گانے کی مذمت ہوتی تو بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا گانا سننا ثابت ہے۔ بلکہ اس حدیث سے بھی گانے کی اجازت لیکن زیادہ بلند آواز سے گانے کی مذمت ثابت ہے۔

ایک اور حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے شیطان نے نوح کیا اور گایا ہے اس حدیث میں بھی نوح کرنے اور ریاکاری اور مکرو فریب سے گلے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اس گلے کی جس میں خدا اور اس کے رسولؐ کی تعریف کی جلتے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ باجے کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور ایک صحابی کو جو ساتھ تھے فرمایا کہ جب آواز ختم ہو جائے تو مجھے بتانا۔ اول تو اس حدیث کو محدثین حضرات نے تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی محدثین حضرات نے اس کا متفقہ طور پر انکار کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کی صحت کا احتمال بھی کر لیا جائے تو اٹالیہ ظاہر ہوتا ہے کہ باجے کا سننا حرام نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ سنتے رہو اور جب بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ اگر اس کا سننا مطلق حرام ہوتا تو نشانِ نبوت کے لیے یہ کب گوارا تھا کہ خود تو پرہیز کریں اور دوسروں کے لیے جائز

قرار دیں۔ البتہ کانوں میں انگلیاں دینے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی آرہی ہوگی یا آپ پر کوئی خاص حالت طاری ہو جسے آپ منقطع نہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات مجھ پر یہ حالت طاری ہوتی ہے کہ جو شخص میرے سامنے یا اللہ کہتا ہے تو جی میں آتا ہے کہ اس کے سر پر ڈنڈا ماروں اور بعض اوقات یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے منہ میں شکر دے دوں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ راستے میں میں ایسی حالت میں مست ہو کر چلتا ہوں کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھ پر السلام علیکم کوئی نہ کہے کیونکہ اس کا جواب بھی میں نہیں دے سکتا۔

بخاری مشرف میں ایک روایت ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایسی جماعت ہوگی جو عورتوں، ریشم کے کپڑوں، شراب، معازف یعنی باجوں حلال سمجھے گی۔ اس حدیث کے ایک راوی صدقہ بن خالد ہیں۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ صدقہ بن خالد میں اتصال نہیں۔ یہ بخاری کی تعلیقات میں سے ہے جو حجت اور دلیل نہیں ہے۔ علامہ یحییٰ بن معین جو فن رجال کے امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صدقہ بن خالد روایت میں مضبوط نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں عورتوں سے بھی پرہیز لازم آیا ہے لیکن اس سے تمام عورتوں سے پرہیز ضروری نہیں۔ اپنی بیوی یا لونڈی سے پرہیز کیسے ہو سکتا۔ اسی طرح معارف سے بھی پرہیز آیا ہے۔ یعنی وہ بلبے جو لہو و لعب کے طور پر بجائے جائیں اور ان میں غیر شرع امور یعنی شراب نوشی اور فحاشی شامل ہو۔ اگر بالعموم باجوں کی ممانعت آتی تو پھر شادی بیاہ اور جنگ جہاد اور خوشی کے موقعوں پر احادیث میں ان کی اجازت کیوں آتی۔ ظاہر ہے کہ سماع صوفیہ میں نہ شراب کے ساتھ گانا ہوتا ہے نہ فحاشی کے ساتھ۔

منکرین سماع حضرت ابن مسعود کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ غنادل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو آگاتا ہے۔ اس حدیث میں بھی لفظ غنا سے مراد وہی ناجائز گانا ہے جو مغنیہ یا زبڈیوں سے سنا جاتے اگر مرد بھی ایسا فحش گانا گائے تب بھی ناجائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ ایک صحابی کا قول ہے جو فحش گانوں کے متعلق ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غنا حرام ہے اور اس کے ساتھ لذت حاصل کرنا کفر ہے اس پر بیٹھنا فسق ہے۔ شیخ الحدیث علامہ احمد سعید کاظمی مقالات کاظمی میں فرماتے ہیں کہ اولاً تو یہ حدیث کسی صحیح سند سے حضور اکرم ﷺ تک مرفوع نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اگر اس سے مطلق غنا کو حرام ثابت کیا جائے تو یہ حدیث دوسری احادیث صحیحہ مرفوعہ کے معارض ہوگی جن میں صراحتاً جواز غنا پر لائے پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جن میں غنا کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے متعلق علامہ موصوف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ اس روایت کو دیکھ کر طبیعت تسلیم نہیں کرتی کہ افصح العرب والجم کی حدیث ہو کیونکہ اس میں گانے میں لذت حاصل کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے اور اس میں بیٹھنے والے کو فاسق کہا گیا ہے۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ کفر کے بعد ایمان کے درجے میں اگر فاسق کیسے کہلاتا ہے پس یہ روایت نہ روایت درست ہے نہ در آیت اس لیے اس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گستاخی اور سوراہی کے مترادف ہوگا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو دو چیزوں سے منع کیا ایک نوحہ کی آواز سے ایک غنا کی آواز سے۔ اس حدیث کے متعلق علامہ احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں کہ اس روایت کا کسی حدیث کی کتاب میں نام و نشان تک نہیں ہے۔ اگر فرض محال یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں ماضی کا صیغہ ہے یعنی میں نے تم کو دو چیزوں سے منع کیا تھا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا اور وہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس لیے ممکن ہے معترض کی یہ حدیث اسی قبیل سے ہو۔

اب ہم وہ آیات و احادیث پیش کریں گے جن سے سماع کا جواز ثابت ہے۔
آیات جواز سماع : قرآن مجید کے ساتویں پارے کے شروع میں اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں۔ وَاِذَا سَمِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَيْهِ الرَّسُولِ رَجِبَ مُسْلِمَانٌ لَّوْكَ الْقُرْآنَ كِي آيَاتِ
سُنَّتِهِ هِيَ تَوَانُ كِي اَنكھوں ميں آنسو اُڑاتے ہيں اس وجہ سے کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے
ہيں اور اس کا مشاہدہ کرتے ہيں۔

يہ تو قرآن مجيد كى آيات سننے كا اثر ہے کہ مومنين كى آنكھوں ميں آنسوؤں كے
طوفان برپا ہو جاتے ہيں اب ظاہر ہے کہ كلامِ پاك ميں حق تعالىٰ كى مدح و ثنا واڑھوئى
عشقيه كلامِ قرآنِ پاك ميں بہت كم پايا جاتا ہے ليكن مجالسِ سماع ميں شعراءِ كرام كى عشقيه
كلامِ پيش كيا جاتا ہے تو عشاقِ تڑپ تڑپ كر جان دے ديتے ہيں۔

ايك اور آيت يہ ہے فَلْيَسْرُوعِبَادِى الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ الْفَوَلَ فَيَتَّبِعُوْنَ
اِحْسَنَهُ (آپ ميرے ان بندوں كو بشارت دے دے ديں جو قول كو سنتے ہيں اور اس كى عمد
پيروى كرتے ہيں)

حضرت شيخ فخر الدين زرادىؒ اپنے رسالہ سماع ميں لکھتے ہيں: کہ اس آيت ميں
لفظ "قول" تعميم و استخراق كا مقتضى ہے۔۔۔ لہذا ثابت ہوا کہ قول سے مراد جملہ قول
ہے جو كلامِ بارى تعالىٰ اور كلامِ مخلوق دونوں كو عام ہے۔

قرآنِ عظيم كے بعد دوسرى چيز جس
پر ايمان كا دار و مدار ہے۔ حدیثِ

جوازِ سماعِ احاديثِ نبویؐ كى رو سے:

نبویؐ ہے۔ احاديث ميں كثر سے سماع كى صلت (جائز ہونا) كا ثبوت موجود ہے۔
نيز بعض احاديث ميں اس كى مذمت بهي آئى ہے ليكن محدثين كے نزديك يہ احاديث
بزرگ و در موضوع (جعلی) ہيں۔ اس كى تفصيل آئذہ اوراق ميں آ رہى ہے۔ اس وقت
قارئین كے سامنے وہ احاديث نقل كى جاتى ہيں جو صحاح ستہ ميں درج ہيں اور جن كے
صحیح ہونے ميں كسى مذہبى فرقہ كے لوگوں كو اعتراض نہيں۔

(۱) صحیح بخارى ميں ربيع بنت معوذ بن عقراء سے روايت ہے کہ جب ميرى شادي
ہوئى تو آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ اس وقت چند لڑكياں دف بجا كر
گارہى تھيں جب ايک لڑكى نے يہ مصرعہ گايا کہ وَفِيْنَا نَبِيٌّ اِمَامٌ مَّانِيٌّ نَبِيٌّ رَهْمَانِيٌّ

درمیان ایک نبی ہے جو کل کی باتیں بتاتا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مت کہو اور جو گیت تم پہلے گا رہی تھیں وہی گاتی رہو۔ اب غور کا مقام ہے کہ اگر قرآن شریف کی مذکورہ آیت میں لہو الحدیث سے مراد ہر قسم کا گانا ہوتا تو آپ اس شادی کی مجلس میں گانا کیوں سنتے رہتے۔ نیز آپ کے دف کے ساتھ گانا سننے سے سماع با مزامیر بھی جائز ہو جاتا ہے کیونکہ دف بھی تو آلاتِ غنائیہ سے ایک آلہ ہے چنانچہ یہ حدیث سماع با مزامیر کی کھلی دلیل ہے۔

(۲) صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصار کی شادی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ کوئی کھیل تماشا نہیں تھا۔ کیونکہ انصار لوگ کھیل تماشے سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن اس حدیث میں تو کھیل تماشا بھی جائز ہوا جس کی بعض علماء نے آیت لہو الحدیث کی رو سے غلط مذمت کی ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ کس وجہ سے شادی بیاہ کے موقعوں پر گانے بجانے کو برا کہتے ہیں۔ جب شادی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیل تماشا کے طور پر گانا جائز رکھا تو پھر کسی عالم کی کیا مجال ہے کہ اولیاء کرام اور ان کے مریدین کی ان مجالس سماع کو خلاف شرع قرار دے جو بطور خاص ذکرِ حبیب اور عشقِ حبیب میں منعقد کی جاتی ہیں نہ کہ بطور کھیل تماشا،

(۳) صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی ایک اور کتاب ابن ماجہ ہے جو صحاح ستہ (چھ مستند کتابیں) میں شامل ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کو انصار میں بیاہ دیا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ ان کے ساتھ کوئی گانے والا بھی تھا یا نہیں۔ کیوں نہ تم نے ایک گانے والا شخص ساتھ کر دیا۔ اس صحیح حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ لہو الحدیث سے عام گانا مراد نہیں بلکہ کافر نصر بن حارث کا اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ جیسی حرکات مراد ہیں۔

(۴) صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے زیر پرورش ایک

لڑکی تھی جس کو میں نے انصار میں بیاہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی گانے والا کیوں نہ ساتھ بھجیجا۔ انصار لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

(۱۵) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دنوں میں میرے پاس دو لڑکیاں کچھ گارہی تھیں اور دف بخاری تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور لڑکیوں کو ڈانٹنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر منہ سے ہٹا کر فرمایا: ابو بکر ان کو کچھ نہ کہو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے جس کی وہ خوشی مناتے ہیں۔ آج ہماری بھی عید ہے یہ سماع بالمرزا میر نہیں تو اور کیا ہے۔

(۱۶) حدیث کی کتب ترمذی، مسند امام احمد، سنن نسائی اور ابن ماجہ میں حاطب جمہمی سے مسلسل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال اور حرام کے درمیان یہ فرق ہے کہ جائز اور شرعی نکاح میں دف بجائے جاتے ہیں اور گیت گائے جاتے ہیں۔ اگر گانے کے ساتھ باجے بجانا حرام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں باجوں کو کیوں جائز فرماتے۔

(۱۷) اسی مضمون کی ایک اور مستند حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت جابرؓ اور حضرت ربیع بنت معوذ سے منقول ہے۔

(۱۸) جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو۔ عقد نکاح مسجد میں ہوا کرے اور دف بجایا جائے اس حدیث پاک کی رو سے تو دف یعنی باجوں کا مسجد میں بجانا بھی جائز ہوا۔ لیکن مولوی صاحبان نہیں مانتے۔

(۱۹) حضرت نوات بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی ساتھ تھے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے گانے کی فرمائش کی۔ ابو عبیدہؓ گانے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اب بس کرو۔ ہم نے گانے گاتے صبح کر دی ہے۔

(۱۰) ایک رات حضرت عمرؓ کا گزرا ایک خیمہ پر ہوا جس کے اندر کوئی شخص گارہا تھا۔

علی محمد صلوٰۃ الابرار صلی علیہ المصطفون الاخیر

قد کنت فواما ابکار الاسحار یالیت شعری والمنا یا اطوار

یہ سن کر حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہوا اور باواز بلند روئے مکرر فرمائش کی اور مکرر

گریہ فرمایا اس کے بعد فرمایا کہ ابیات میں عمر کا نام بھی شامل کر لو اور یہ کہو۔

وعترنا عفرلہ یا غفار

(۱۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ حبشی لوگ مسجد نبوی میں گارہے تھے اور ناپاچ رہے

تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اوپر اٹھا کر یہ تماشا دکھایا۔ اس

حدیث کی رو سے بھی مسجد میں گانا، باجا بجانا اور ناچنا جائز ہوا۔

(۱۲) ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ

جا رہے تھے راستے میں بانسری کی آواز سنائی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں

میں انگلیاں دے دیں اور حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ جب آواز بند ہو مجھے بتانا۔

اس حدیث سے عام لوگ بانسری کی آواز کو ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن اولیاء کرام اسی حدیث

سے جواز سماع بالمزامیر نکالتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر مزامیر (بانسری) کا سماع حرام

ہوتا تو ایک نبی کی شان کے شایان شان نہیں تھا کہ خود تو کانوں میں انگلی دے دیتے

اور ایک صحابی کو فعل حرام کا مرتکب ہونے دیتے۔ امام غزالی اور دیگر اولیائے کرام نے

کانوں میں انگلیاں دینے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر کوئی وحی نازل ہو رہی ہوگی یا کوئی خاص حالت طاری ہوگی جس میں بانسری کی

آواز کو خلل انداز ہونا پسند نہ فرمایا۔

(۱۳) بعض احادیث میں سارنگی کی ممانعت آئی ہے اس سے یار لوگوں نے جملات

سماع اور بعض نے صرف سارنگی کو حرام قرار دے دیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ سے

جب کسی نے یہ مسئلہ دریافت فرمایا، تو آپ نے جواب دیا کہ نہ سماع حرام ہے نہ مزامیر

حرام ہیں بلکہ جب سماع اور مزامیر کے ساتھ کوئی غیر شرع عوارض شامل ہو جاتے ہیں

تو یہ فعل حرام ہو جاتا ہے مثلاً زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ شراب کی محافل میں سارنگی بجا یا کرتے تھے۔ جب شراب حرام ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارنگی کا بجانا بھی منع کر دیا تاکہ شراب کی یاد تازہ نہ ہو۔ لیکن ہمارے ملکوں میں شراب کی مجالس میں کون سا سارنگی بجاتا ہے۔ ہمارے لیے سارنگی اور شراب میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

جن احادیث سے بعض فقہانے سماع کو حرام

حرمتِ سماع والی احادیث کے متعلق محدثین کی رائے :

قرار دیا ہے۔ ان کے متعلق (۱) امام نوویؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ تمام روایات بے زیاد ہیں۔ (۲) امام سخاویؒ اپنی کتاب مقاصد حسنة میں فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے فقہا سماع کو حرام کہتے ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی۔ (۳) امام ابن حجر عسقلانیؒ شارح حدیث بخاری اپنی کتاب فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ سماع کے حرام ہونے میں جو احادیث ^{محدثین} نے بیان کی ہیں وہ محض گپیں ہیں۔ اگر اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہوتی تو ضرور مجتہدین عظام اس کو اپنا دستور العمل بناتے اس سے ظاہر ہے کہ حرمتِ سماع کے بارے میں نہ کوئی آیت قرآن ہے نہ کوئی مستند حدیث ہے۔ یہ کسی ان پڑھ کا قول نہیں ہے بلکہ امام نوویؒ، امام سخاویؒ اور امام ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جلیل القدر محدثین کے اقوال ہیں معترضین کو ذرا ہوش سے کام لیتا چاہیے۔

محدثین کے علاوہ

حرمتِ سماع کی احادیث کے متعلق ائمہ مجتہدین کی رائے :

ائمہ ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ان حدیث کو معتبر نہیں مانا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ احادیث بعض متأخرین نے بیان کی ہیں جن کو صحیح و سقیم میں تمیز کا ملکہ نہیں تھا۔ ان احادیث کی تردید میں ابن عربی مالکی نے لکھا ہے کہ حرمتِ سماع کے بارے میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے اس بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب کی سب موضوع (جعلی) ہیں۔ ابن طاہر کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علمائے شافعیہ کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی احادیث صرف منکرین کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں

حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں ایک دن میں نے شعر سن کر
حضرت علقمہؓ کا سماع : اس زور سے تالی بجائی کہ انگلی سے خون نکل آیا

استاذ الامر والمحدثین حضرت امام ابراہیم بن سعد اور سماع :
 امام شافعیؒ اور امام بخاری جیسے حلیل القدر

علماء کے استاذ امام ابراہیم بن سعدؒ اپنے شاگردوں کو محفوظ اور ان کے قلوب کو نرم
 کرنے کے لیے حدیث سنانے سے پہلے سماع سنایا کرتے تھے اور ان کے سماع میں
 دف بجایا جاتا ہے۔ یہ سماع بامزامیر پر کھلی شہادت ہے۔ امام بخاری اور امام شافعی کے
 استاد سے زیادہ کس کی شہادت درکار ہے۔

مفسر المحدثین حضرت امام شعبہؒ کا سماع سننا مزامیر کے ساتھ :
 حضرت ابوطالب مکیؒ اپنی کتاب

قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام شعبہؒ نے جو بڑے محدث تھے۔ منہال کے گھر پر
 تبنور کے ساتھ گانا سنا۔

صحابہ کرام کا سماع :
 مادردی حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمر بن عاصؓ سے

حکایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن
 جعفر طیار (حضرت علیؓ کے بھتیجے) کے ساتھ عود پر گانا سنا۔ عود ایک آلہ سماع ہے۔ یہ
 بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنی لوندیوں سے تار والے باجے کے
 ساتھ گانا سنتے تھے تو آپ کے چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ بھی ساتھ ہوتے تھے ایک
 دفعہ جب کسی جنگ کے بعد گانے والی عورتیں قید ہو کر آئیں تو امیر المؤمنین نے حضرت
 عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے حوالہ کیا کیونکہ ان کو گانا بہت پسند تھا۔

ابن نحرش کے صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ کا سماع بامزامیر :
 ابوالفرح صفہانی روایت کرتے

ہیں کہ مشہور صحابی حسان بن ثابت شاعر مزامیر کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ ابوالعاص مبرد نے
 بھی حضرت حسان بن ثابتؓ کے متعلق یہی روایت بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا سماع اور وجد : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے امت کے

مساکین کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی تو آپ نے فرط مسرت میں آ کر گانے والے بلا لیا۔ اس نے گانا سنایا جس سے آپ پر وجد طاری ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے چادر گر گئی۔ آپ نے اس چادر کے ٹکڑے کیے اور حاضرین میں تقسیم کر دیئے۔ اس پر امیر معاویہ نے کہا۔ ما احسن لعُبُك يا رسول الله (یا رسول اللہ! آپ کا لہو و لعب کیا ہی اچھا تھا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاویہ جو شخص ذکر محبوب سن کر وجد و حرکت میں نہیں آتا وہ صاحب کرامت نہیں۔

دیگر صحابہ جنہوں نے سماع سنا : شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری اپنی کتاب مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں

کہ جن صحابہ کرام نے سماع سنا ہے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عاص اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری کی تحقیق ہے۔

حضرت عمر کا غنا پر سکوت : ایک دفعہ حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں جا رہے تھے کہ کانوں میں مزامیر کی آواز سنائی دی۔ فرمایا، یہ کیا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ختنہ کی تقریب ہے۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور منع نہ فرمایا۔ اس قسم کی مثالیں دیکھ کر فقہانے لکھا ہے کہ عید النکاح ختنہ وغیرہ خوشی کے موقعوں پر سرود جائز ہے۔ اچھا اب جب مسلمانوں کو اپنے تہوار اور شادی بیاہ اور خوشی منانے کے لیے سرود جائز ہے تو جو خاصان خدا عشق و محبت الہی میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا ان کو دل کی آگ ٹھنڈا کرنے اور خدا اور رسول کے عشق میں نعرے مارنے اور ذوق و شوق کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو شادی بیاہ ختنہ

دغیرہ کی خوشی سے بھی بڑھ کر خوشی کا مقام ہے۔ یہاں عشق الہی کا جوش و خروش سوز و گداز اور ولولہ کار فرما ہوتا ہے اور عشاق محبوب حقیقی پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں نہ کہ شادی و خنہ کی خوشی منا رہے ہوتے ہیں۔ کس قدر غضب ہے ظلم ہے اور اندھیر ہے کہ عشق مولا میں آہ بھرنے اور گریہ و زاری کی بھی یہ لوگ اجازت نہیں دیتے سنگدلی اور کج فہمی نہیں اور کیا ہے۔

دلائل قرآن حدیث عمل صحابہ کرام
مختلف سلاسل کے مشائخ عظام اور سماع : ائمہ مجتہدین و محدثین کے بعد اب

ہم صرف سلسلہ چشتیہ کے نہیں بلکہ دیگر تمام روحانی سلاسل کے مشائخ عظام کا سماع کے متعلق موقف بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین حضرات یہ کہتے سے باز آجائیں کہ صرف مشائخ چشتیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ باقی سب کے نزدیک حرام ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری لاہوری اور سماع : حضرت سید علی ہجویری داتا گنج

بخش لاہوری قدس سرہ کے تبحر علمی پابندی شریعت اور باطنی کمالات سے کون واقف نہیں۔ آپ بھی سماع سنتے تھے۔ نیز آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حقیقت سماع، جواز سماع اور آداب سماع پر گیارہ مستقل باب بندھے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سنتا چاہتا ہے۔ وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی آواز سننے۔ نیز روایات میں آیا ہے کہ بہشت میں بھی اہل بہشت کے لیے سماع ہوگا اور اس طرح ہوگا کہ ہر درخت سے مختلف نغمات اور مختلف سرود جاری ہوں گے جس سے سننے والوں پر محویت طاری ہو جائے گی۔ ابراہیم خواصؑ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ غلہ اٹھاتے وقت دو اونٹوں کا بوجھ ایک اونٹ پر لادا گیا۔ اور حدی خوان کی آواز سے مست ہو کر اونٹ جلدی منزل مقصود پر پہنچ گیا لیکن جلتے ہی مر گیا۔ ایک دفعہ ایک آدمی اونٹوں کو پانی پلاتے

وقت حدی گار ہاتھا۔ حدی کی آواز سے اونٹ اس قدر مست ہونے کہ پانی پینا ترک کر دیا۔ حالانکہ وہ تین دن کے پیاسے تھے۔ عراق میں لوگ ہرن پکڑنے کے لیے ایک خاص قسم کا گیت گاتے ہیں جسے سن کر ہرن اس قدر مست اور بے خود ہو جاتا ہے کہ لوگ جا کر پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی لوگ گیت گاکر ہرن پکڑتے ہیں۔ یہ بات تو عام ہے کہ جب چھوٹے بچے روتے ہیں تو ماں ان کو ٹھوکرے میں ڈال کر لوری دیتی ہے۔ جس سے ان کو لذت محسوس ہوتی ہے اور سو جاتے ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج صاحبؒ مزید لکھتے ہیں:

جو شخص خوش آواز سن کر کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافع ہے یا بے حس ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے خوش آواز دی تھی۔ جب آپ نعمات لاپتے تھے تو جنگلی جانور پرندے انسان سب جمع ہو جاتے تھے۔ جو لوگ ایک دفعہ نعمات سن لیتے تھے ایک ماہ تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بچے رونا اور رورہ پینا بند کر دیتے تھے۔ جب مجلس برخواست ہوتی تھی تو کئی آدمی مردہ پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں سات سو غور تہیں مردہ پانی گیتیں اور دو ہزار پرندے مردہ نکلے۔ کتاب مذکورہ میں حضرت داتا صاحبؒ نے سماع کے متعلق اولیاء کرام کے بشمار اقوال نقل کیے ہیں جو طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کیے جاتے مختصر یہ کہ:

”سماع علامت ہجورنی ہے اور اس میں مشاہدہ محال ہے لیکن بعض حضرات نے سماع کو علامت حضوری اور وصال تصور کیا ہے۔ کیونکہ سماع میں سالک دوست میں مستغرق ہو جاتا ہے اور جب تک محویت کامل نہ ہو محبت کامل نہیں ہوتی۔“

کتاب مذکورہ میں حضرت داتا صاحبؒ نے آداب سماع بیان فرماتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) جب تک شوق زیادہ نہ ہو سماع نہ سُنئے (۲) سماع کو عادت نہ بنائے اور

کافی وقفوں کے بعد سننے تاکہ سماع کی تعظیم دل سے نہ جاتی رہے (۳) محفل سماع میں کسی بزرگ کا ہونا ضروری ہے۔ (۴) مجلس سماع میں عوام کا داخلہ نہ ہو (۵) قول بااذ ہوں (۶) دل تمام اشغال سے خالی ہوں اور طبیعت جمع ہو (۷) تکلف نہ ہو (۸) جب تک کیفیت طاری نہ ہو بناوٹی طور پر کیفیت نہیں لانی چاہیے (۹) جب کیفیت پیدا ہو اُسے تکلف سے روکنا نہیں چاہیے (۱۰) طبیعت قابو میں رکھنی چاہیے۔ اگر قابو سے نکل جائے تو معذور ہے۔ (۱۱) قوالوں کو نہ ٹوکے نہ فرمائش کرے (۱۲) جب کسی پر حال طاری ہو تو تکلف سے خود حال میں نہ آئے بلکہ ضبط اور استقلال سے کام لے (۱۳) سلطان وقت (واردات سماع) کی قدر کرے تاکہ برکات حاصل ہوں اور میں علی بن عثمان الجلابی یہ پسند کرتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع سے پرہیز لازم ہے تاکہ ان کی طبیعت پراگندہ نہ ہو۔

حضرت امام غزالی اور سماع : جواز سماع، برکات سماع اور آداب سماع

پر اپنی کتاب احیاء العلوم میں مفصل بحث کی ہے اس کے علاوہ آپ نے سماع پر ایک علیحدہ رسالہ بھی لکھا ہے حقیقت سماع کے متعلق آپ فرماتے ہیں :-

”اے عزیز! اس بات کو جان اور اس حال کو پہچان کہ آدمی کے دل میں حق تعالیٰ کا ایک بھید پوشیدہ ہے جیسے آگ، لوہے اور پتھر کے درمیان ہے جس طرح لوہا پتھر پر مارنے سے وہ آگ نکلتی ہے اور صحرا میں لگ جاتی ہے اسی طرح اچھی اور موزوں آواز سننے سے آدمی کے دل کو جنبش ہوتی ہے اور بے اختیار اس کے دل میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے جس سے اُسے عالم علوی اور عالم ملکوت کے ساتھ ایک مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ عالم علوی کیا ہے۔ عالم حسن و جمال ہے۔“

امام غزالی رحلت و حرمت سماع کے متعلق فرماتے ہیں :

”اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سماع حرام ہے یا حلال جس عالم نے حرام کہا ہے وہ فقط اہل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس پر یہ بات منکشف ہی نہیں ہوتی کہ خدا کی محبت اس کے دل میں نزول کرتی ہے۔ جواز سماع کے متعلق امام غزالی نے وہ تمام

احادیث نقل کی ہیں جو پہلے اس کتاب میں درج ہو چکی ہیں اس کے علاوہ آپ نے لکھا ہے کہ :

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے لوگوں نے آپ کا استقبال کیا اور دف بجایا کر خوشی میں یہ گایا ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثِيَابِ الْوَدَاعِ وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَى اللَّهُ دَاعِ

(طلوع ہوئے ہم پر چودہویں کے چاند (آنحضرت) اور شکر واجب ہوا اور قبول ہوئی

(ہماری دعا)

اسی طرح عید کے دن خوشی کرنا اور سماع سننا بھی درست ہے۔

امام غزالیؒ نے سماع کے لیے جو شرائط مقرر کی

ہیں حسب ذیل میں :

شَرَايَطُ السَّمَاعِ :

(۱) عورت یا مرد (بے ریش لڑکا) سے سماع نہ سنے (۲) سرود کے ساتھ رباب و جنگ

بربط اور نائے عراقی نہ ہو کیونکہ ان کی ممانعت آتی ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شراب نوشوں

کی عادت ہے اور یہ چیزیں شراب کی یاد دلاتی ہیں۔ لیکن طبل شاہین اور دف اگرچہ

اس میں جلاہل (جھانچھ) بھی ہوں جائز ہیں۔ کیونکہ ان کا بجانا شراب خوروں کی عادت

نہیں۔ بلکہ دف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بجایا گیا ہے۔ شاہین کے حلال

ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ سنتے

رہو جب آواز بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کانوں میں

انگلی دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر اس وقت کوئی بہت بزرگ حال طاری

ہو جو شاہین کی آواز سے موقوف ہو جائے (۳) سماع میں کلام فحش اور غیر شرع نہ ہو۔

(۴) سننے والے ہم مشرب اور اہل اللہ ہوں (۵) سماع ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں عوام

کا گزرنہ ہو (۶) وقت ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں کوئی شرعی مجبوری نہ ہو مثلاً نماز کا

وقت نہ ہو بلکہ ہر طرف سے رخ ہو کر اطمینان سے سماع سننے اور

ممتوجہ الی اللہ ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سماع میں تین مقام ہیں پہلا مقام فہم ہے یعنی کلام کا سمجھنا، دوسرا مقام وجد ہے۔
مقاماتِ سماع : یعنی حال کا طاری ہونا، تیسرا مقام حرکت ہے یعنی رقص کرنا۔

امام غزالیؒ رقص کو مباح کہتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حبشیوں کا رقص دیکھا اور ذوق کے
بعض صحابہ کا رقص :

ساتھ گانا سنا۔ نیز امام موصوف فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے تو حضرت علیؑ نے خوشی میں آکر رقص کیا اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسینؑ سے فرمایا کہ صورت اور سیرت میں تم میری طرح ہو تو انہوں نے بھی خوشی میں آکر رقص کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارث سے فرمایا تو میرا مولا (غلام) اور بھائی ہے تو انہوں نے خوشی میں آکر رقص کیا۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قادریہ سلسلہ میں
حضرت غوث الاعظم اور سماع : سماع ناجائز ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ

سلسلہ عالیہ قادریہ کے سرور حضرت غوث الاعظم قدس سرہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ قادری بزرگوں کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت غوث الثقلینؒ نے خود بھی سماع سنا ہے اور اپنے سلسلہ کے لوگوں کے لیے اپنی مشہور و معروف کتاب غنیۃ الطالبین میں آدابِ سماع پر ایک مستقل باب تحریر فرمایا ہے۔ اگر آپ کے نزدیک سماع حرام ہوتا تو آپ آدابِ سماع کیوں تحریر فرماتے کتاب مذکور میں آپ لکھتے ہیں کہ :

”فقیہ کو چاہیے کہ گانا سننے کے لیے اپنے آپ کو عمداً آمادہ نہ کرے۔ اگر مجلس سماع پر گزر ہو تو ادب سے بیٹھے اور اپنے دل کو پروردگاری یاد میں مشغول کرے۔ اور دل کو غفلت اور فراموشی (ذکر اللہ کو بھولنا) سے محفوظ رکھے۔ جب مشائخ مجلس سماع میں موجود ہوں تو ہر فقیہ کو حتی الامکان سکون سے شیخ کا ادب ملحوظ رکھنا

چاہیے۔ اگر اس پر حال کا غلبہ ہو تو باندازہ غلبہ وہ حرکت کر سکتا ہے۔ لیکن حال فرد ہونے پر سکون سے بیٹھے اور شیخ کا ادب لازم رکھے اور فقیر کو لازم ہے کہ کلام کی فرمائش نہ کرے۔ اگر کسی فقیر پر وجد طاری ہو اور وہ قص کرے تو سب فقیر اس کی موافقت میں کھڑے ہو جائیں جس شخص کا حال بناوٹی ہو اس کی چشم پوشی کرنی چاہیے۔ اگر اس کو آگاہ کرنا ضروری سمجھے تو قوت قلب سے (یعنی باطنی توجہ سے) اس کو آگاہ کرے نہ کہ زبان سے۔ اس کے بعد حضرت غوث الاعظم نے اس فرقہ کے آداب بیان فرماتے ہیں جو حالت وجد میں فقراء قوالوں کی طرف پھینکتے ہیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری
کا شمار سلسلہ عالیہ قادریہ کے حلیل القدر

حضرت غوث الاعظم کا خود سماع سننا:

مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنی کتاب تحفہ قادریہ میں لکھتے ہیں:

حضرت شیخ عمر بزاز، شیخ علی، شیخ بقار، شیخ ابوسعید فتاویٰ اور دیگر مشائخ اکٹھے ہو کر بقصد نیارت حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں آنے اور حضرت غوث الثقلین نے قوالوں کو بلا کر سماع کی فرمائش کی۔ سماع سنتے ہی حضرت غوث الاعظم جوش میں آگئے اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ مشائخ مذکور بھی شیخ کی تعلیم میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت غوث الاعظم وجد کی حالت میں ہوا میں اڑ کر نظروں سے گم ہو گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو اس مدرسہ میں پایا جو آپ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس وقت علمائے آپ سے سوال کیا کہ سماع میں حالت ذوق پیدا ہو، اور تلاوت قرآن میں نہ ہو اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ حالت دو چیزوں سے ہوتی ہے ایک سخن خوش، دیگر ذکر عشق، اگر خوش الحان اور صاحب دل قاری معنی سمجھ کر سورۃ یوسف پڑھے تو سامعین کو ذوق ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں پند و نصائح اور قصص پڑھنے سے خوف طاری ہوتا ہے۔

اس کے بعد کتاب مذکور میں حضرت شاہ ابوالمعالی فرماتے ہیں کہ:

”میں نے حضرت امام عبداللہ یافعی قدس سرہ کی تصانیف میں دیکھا ہے کہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے پوتے شیخ جمال اللہ اس وقت زندہ تھے۔ میں نے علمائے بغداد سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اپنے دادا کے ہم شکل ہیں۔ ان کا نام شیخ عبدالرزاق بھی ہے۔ ہم نے اکثر ان کو بسطام کے جنگل میں اور کبھی کبھی بسطام کے شہر میں دیکھا ہے۔ ہم نے ان کی عمر دریافت کی تو فرمایا کہ انسان کامل کی حیات و ممات یکساں ہے معلوم نہیں کس قدر باقی ہے۔ البتہ ایک دفعہ میرے جد امجد سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے بوقت سماع حالتِ جد میں فرطِ عنایت میں مجھ کو بغلیگر کر کے فرمایا تھا کہ اے جمال اللہ مہتر عیسیٰ علیہ السلام کو میرا سلام کہنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور سماع : عام طور پر یہ بھی مشہور ہے کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں

سماع ممنوع ہے۔ حالانکہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے سربراہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ نے اپنی معرکہ الآرا کتاب عوارف المعارف میں سماع، آداب سماع اور جواز سماع پر چار مستقل باب باندھے ہیں تفصیل کے خواہاں حضرات اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں کتاب مذکور سے چندان اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ قطب کون تھے اور کون مہتمم قیام پذیر تھے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اوچی کو ایک فرقہ خلافت حضرت امام عبداللہ یافعیؒ سے بھی ملا تھا۔ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کو "چراغ دہلی" کا خطاب حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا دیا ہوا ہے۔ آپ نے مخدوم جہانیاں سے فرمایا کہ اس وقت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نہیں۔ چنانچہ جب حضرت مخدوم جہانیاں حج سے واپس آئے تو دہلی جا کر سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ امام عبداللہ یافعیؒ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ تاریخ امام عبداللہ یافعیؒ نقیصہ کی مشہور کتاب ہے۔

حضرت شیخ کا قرآن اخذ جواز سماع : عوارف المعارف کے بانیوں

باب میں آپ نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات نقل کی ہیں جن میں سماع کی تعریف اور تاکید آئی ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ آیۃ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (پس خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو قول سنتے ہیں اور اس میں جو چیز احسن ہے اس کی پیروی کرتے ہیں) اسی آیت میں آگے لکھا ہے کہ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ (وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہِ راست دکھایا ہے) نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آیۃ وَاذْأَسْمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَبَّ وَهَ لَوْ كُنَّا إِلَّا رِجَالًا لَّكَانَ يُرَىٰ مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَرَأَىٰ مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَرَأَىٰ مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ (لوگ اس چیز کو سنتے ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تو ان کی آنکھوں میں آنسو ابل پڑتے ہیں۔

”ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تَقَشُّعُ رُفَيْهِ جَلُودِ الدِّينِ يَخْشُونَ رَبَّهُمْ (حق تعالیٰ کے ڈر سے ان کی کھال کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں) حضرت شیخ نے جواز سماع میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گشت کے دوران جب ایک آیت قرآن سنی تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پس سماع اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچتا ہے۔ آیات قرآن کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے وہ احادیث نبویؐ نقل کی ہیں جن سے سماع ثابت ہے۔

احادیث نبویؐ کی روش سے حضرت شیخ شہاب الدینؒ کا اخذ جواز سماع : بارے

اس میں آپ نے وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جو پہلے اس کتاب میں درج ہو چکی ہیں۔ اگر سلسلہ سہروردیہ میں سماع حرام ہوتا تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ قرآن و حدیث سے اس کا جواز کیوں نکالتے۔

عوارف المعارف کے تالیف میں باب
وجہ حال حضرت شیخ کی نظر میں : میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

قدس سرہ نے سماع کے وجد و حال کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:
 "نعمات سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ میلان فطرتی ہے۔ اس وجہ سے
 سماع سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔۔۔ شیخ ابو بکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کا
 سماع طبیعت کی مطابقت سے ہے۔ مریدوں کا سماع خوف ورجا سے ہے اولیاء کا
 سماع نعمتوں کے دیکھنے سے ہے۔ عارفین کا سماع مشاہدہ ہے اور اہل حقیقت کا
 سماع کشف و عیاں ہے۔"

شیخ الشیوخ کے ہاں آداب سماع : کتاب مذکور کے پچیسویں باب میں حضرت
 شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے آداب سماع
 بیان فرمائے ہیں جو تقریباً وہی ہیں جو امام غزالیؒ نے بیان فرمائے ہیں اس لیے اعادہ کی
 ضرورت نہیں۔

ائمہ اربعہ اور سماع : حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادریؒ اپنی کتاب مدارج
 النبوة میں لکھتے ہیں کہ:

امام ابو حنیفہ اور سماع : امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری سے سماع کے متعلق سوال
 کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ "سماع نہ گناہ کبیرہ ہے نہ
 گناہ صغیرہ۔ بلکہ جائز ہے۔" اور یہ بھی نقل ہے امام ابو حنیفہؒ کا ایک پڑوسی تھا جو ہر روز گایا
 کرتا تھا اور امام صاحب اس کا گانا سنا کرتے تھے۔ ایک رات امام نے اس کی آواز
 نہ سنی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ قید ہو گیا ہے۔ یہ سن کر امام صاحب خود قید خانہ
 کے حاکم امیر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی۔ حاکم نے
 اس کا نام دریافت کیا تو امام صاحب نے فرمایا اس کا نام عمر ہے۔ حاکم نے حکم دیا کہ
 عمر نامی جتنے قیدی ہیں سب آزاد کر دیئے جائیں۔ جب عمر رہا ہو گیا تو امام صاحب
 نے اُسے فرمایا کہ جس طرح پہلے گاتے تھے اب بھی گایا کرو۔

علامہ نابلسیؒ اور سماع : علامہ عبد الغنی نابلسیؒ جو مشہور حنفی بزرگ اور علامہ
 شامیؒ کے استاد ہیں لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے

امام ابوحنیفہ کا سماع سننا ثابت ہے۔ اس لیے اگر آپ کے نزدیک گانا جائز نہ ہوتا تو آپ عمر قوال کی سفارش نہ کرتے اور نہ اُسے گانے کی فرمائش کرتے بلکہ منع کرتے۔

علامہ ملا علی قاری حنفی اپنے ”رسالہ سماع“ میں فرماتے ہیں کہ ”امام یوسف دہلوی نے امام اعظم

کے شاگرد جب ہارون الرشید کی مجلس سماع میں جاتے تھے تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ جب لوگ آپ سے جواز سماع کے بارے میں سوال کرتے تو آپ امام ابوحنیفہ کا وہی قصہ بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر سماع حرام ہوتا تو ہمارے امام اپنا وقت گانے میں کیوں ضائع کرتے۔“

علامہ شامی حنفی اپنی کتاب علی در المختار میں لکھتے ہیں کہ: اس سے ثابت ہوا کہ ”آلہ لہو“ بذاتہ حرام

نہیں بلکہ جب اس سے لہو کا قصد کیا جائے تو بجز قصد حرام ہے خواہ یہ قصد سماع کی طرف سے ہو خواہ گانے والے کی طرف سے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اسی آلہ کو لعینہ بجانا کبھی حلال ہوتا ہے کبھی حرام ہوتا ہے۔ نیت کے اختلاف کی وجہ سے۔ اس میں سادات صوفیہ کرام کے لیے دلیل ہے۔ جن کے مقاصد سماع اس جلیل القدر ہیں کہ جن کو وہی خود بخوبی جان سکتے ہیں۔ پس معترض کو اعتراض میں دلیری اور جلد بازی نہیں کرنی چاہیے تاکہ ان کی برکت سے محروم نہ رہے کیونکہ وہی خالص انجیر اور نیک بندگانِ خدا ہیں۔ خدا ان کی وساطت سے ہمیں امداد کرے اور ہم پر ان کی دعائیں اور برکات نازل کرے۔“

امام مالک سے پوچھا گیا کہ سماع کے متعلق اہل علم کا کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہ ”میرے علاقے میں

(آپ ہمیشہ مدینہ منورہ میں رہے) اہل علم اس کا انکار نہیں کرنے بلکہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کو برا سمجھنے والے عام لوگ یا تو جاہل ہیں یا عراق کے باشندے ہیں جن کی طبائع سخت ہیں۔ ابن حمدان نے اپنی کتاب تذکرہ اور علامہ ابوالفرح نے اپنی کتاب

آفانی میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے سامنے ایک آدمی گانا گوازا تو آپ نے اس کے کلام کی تصحیح فرمائی۔ علامہ عیسیٰ بن عبدالرحیم رسالہ سماع میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے گانا سنا اور خود بھی گایا۔

امام شافعیؒ کا سماع سنتنا: امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ: امام شافعی کے مذہب میں راگ ہرگز حرام نہیں۔ علامہ

یونس بن عبدالعلی کہتے ہیں کہ امام شافعی سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ راگ کو مباح اور جائز خیال کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ علمائے عرب سے ایسا کون ہے جو راگ کو مکروہ سمجھے امام احمد غزالی بوارق السماع میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے ایک گانے والی عورت سے راگ سنا اور جب سن چکے تو اپنے ساتھی علامہ یونس بن عبدالعلی سے کہا کہ کیا تم راگ سن کر خوش ہوئے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس پر امام موصوف نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو تمہاری جس صحیح نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ اور سماع: امام احمدؒ اپنی مشہور کتاب مسند امام احمد میں روایت کرتے ہیں کہ حبشی لوگ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجا رہے تھے تاچ رہے تھے اور یہ گارہے تھے۔ رسول محمدؐ عبد صالح

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو تو انہوں نے کہا۔ رسول محمدؐ عبد صالح

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ناچنا، دف بجانا، گانا اور ناچ دیکھنا جائز

ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی صالحہؒ کے پاس گانا سنا اور شرح مقنع میں امام احمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے قوال کو گاتے سنا اور انکار نہ کیا اس پر آپ کی بیٹی صالحہؒ نے کہا کہ آپ تو اس کو برا سمجھتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگ برائی کی آمیزش سے سنتے ہیں۔ ختم ہوا شیخ عبدالحق کی کتاب مدارج النبوة کا اقتباس۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور سماع: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادریؒ
اپنے رسالہ نکات میں تحریر فرماتے ہیں:

نکتہ: جاہل کیست (جاہل کون ہے) جو اب جاہل آنکہ سماع مطلق را بحر حال اور
ہر وقت از ہر کس اندک و بیش حرام داند و فاسق آنکہ مطلق آن را حلال داند (جاہل وہ ہے
جو مطلق سماع کو ہر حال میں ہر وقت میں اور ہر شخص کے لیے خواہ کم ہو یا زیادہ حرام سمجھے
اور فاسق وہ ہے جو مطلق سماع کو حلال سمجھے (یعنی بلا شرائط) اس کا مطلب یہ ہے
کہ نہ ہر قسم کا سماع حلال ہے نہ ہر قسم کا سماع حرام ہے بلکہ حرام چیزوں کی آمیزش سے
حرام ہو جاتا ہے اور حرام چیزوں کو خارج کرنے سے عدل ہو جاتا ہے۔

امام یوسف اور امام محمدؒ کا سماع: لطائف اشرفی و محفوظات حضرت شیخ
اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ جو غوث

وقت تھے، میں لکھا ہے کہ امام یوسف سے مسئلہ سماع کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ
نے فرمایا کہ جائز ہے۔ امام محمدؒ بھی سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔ فتاویٰ تبتار خانہ میں ان
دونوں حضرات سے جواز سماع ثابت ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور سماع: مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی اپنے
فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

قول فیصل اس بات میں جو احادیث پر مبنی ہے یہی ہے کہ نفس سماع عموماً
ممنوع نہیں۔ بلکہ اس کی حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجہ عارض ہوتی ہے۔

فتاویٰ خیرہ میں لکھا ہے کہ:

فتاویٰ خیرہ اور سماع: جو شخص سماع حلال کو حرام کہے وہ گمراہی میں
پڑ گیا اور عقوبت و نکال کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ سماع حرام نہیں۔

اہل حدیث کے امام قاضی محمد بن علی شوکانی مینی اور سماع: اہل حدیثوں
کے امام حضرت

قاضی محمد بن علی شوکانی مینی نے سماع پر ایک مدلل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے۔

ابطال دعویٰ اجماع۔ اس رسالہ میں آپ نے احادیث نبوی سے ثابت کیا ہے۔ سماع جائز ہے آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "امام ابو حنیفہ" اور امام احمد بن حنبل سے کوئی بات راگ کے حرام ہونے میں نہیں آئی بلکہ دونوں نے راگ سننا ثابت کیا ہے۔ امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

عبداللہ بن جعفر ابن ابوطالب سماع سنتے تھے اور اپنی خوش الحان لوندیوں سے تار دالے ساز کے ساتھ امیر المومنین حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں گانا سنا کرتے تھے۔ قاضی شریح، سعید ابن مسیب، عطاء بن رباح اور امام زہری اور امام شعبی سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت امام ابراہیم بن
استاذ العلماء والمحدثین امام ابراہیم بن سعد مدنی اور سماع: سعد مدنی امام شافعی

اور امام بخاری۔ امام احمد اور امام شعبہ کے استاد ہیں۔ اور بڑے بلند پایہ محدث ہیں۔ کتاب میزان الاعتدال جلد اول۔ مدارج جلد اول اور حیار العلوم جلد چہارم میں لکھا ہے کہ:
استاذ الامم حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنی عود (یعنی باجا) کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ جب آپ بغداد تشریف لائے تو ہارون الرشید سے کہا کہ عود منگواؤ۔ ہارون نے کہا کہ کیا خوشبودار لکڑی مطلوب ہے۔ انہوں نے فرمایا نہیں عود طرب۔ ہارون الرشید نے باجا منگوا یا اور حضرت ابراہیم بن سعد نے اس کے ساتھ گانا گایا۔ اس پر ہارون الرشید نے دریافت کیا کہ کیا مدینہ میں اس کا کوئی منکر ہے آپ نے فرمایا کہ جس دل پر خدا نے مہر لگادی ہو وہی منکر ہوگا۔

امام محمد غزالی کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی نے
امام احمد غزالی اور سماع: جن کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے سماع پر ایک

رسالہ لکھا ہے کہ جس میں ثابت کیا کہ احادیث کی رو سے سماع حلال ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سماع فعل رسول ہے اور فعل رسول کو حرام کہنے والا بالاجتماع کافر ہے۔

حضرت شیخ البیرونی
شیخ البیرونی حضرت ضیاء الدین ابو الخبیب سمرقندی اور سماع: ابو الخبیب سمرقندی

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے چچا اور مشائخ متقدمین میں سے ہیں آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ نے ایک مدت تک بغداد میں آپ کی صحبت میں رہ کر فیوض حاصل کیے بھرت شیخ ضیاء الدین ابوالخیرؒ نے اپنی مشہور کتاب "آداب المریدین" میں سماع پر ایک مستقل باب لکھا ہے اور آداب سماع بیان فرمائے ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ کا سماع و رقص: کتاب مرآة الامرار

میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی قدس سرہ نے بھی سماع سنا ہے۔ ایک دفع جب عبداللہ رومی قوال نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ مجھ سے حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ نے بھی قوالی سنی تھی آپ کو سنانے آیا ہوں تو آپ نے فرمایا اگر میرے شیخ نے سماع سنا ہے تو میں بھی سنتا ہوں اس کے بعد عبداللہ رومی نے یہ غزل گائی ہے۔

عاشقاں کہ شراب ناب خورد از پہلوئے خود کباب خورد
(عاشق لوگ جب شراب عشق پیتے ہیں تو اپنے پہلو سے کباب (خوختہ دل) کھاتے ہیں) تو اس پر آپ کو وجد آگیا اور چراغ بجھا کر آپ نے رقص فرمایا۔ صبح کے وقت آپ کے قوال کو خلعت کے علاوہ بیس روپے نقد عطا فرمائے۔

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردی اور سماع: حضرت شیخ حمید الدین ناگوری

سہروردی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ فی الہند تھے۔ آپ کا شمار جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیاراؤسی قدس سرہ کے دوست تھے اور دونوں حضرات مل کر خوب مجالس سماع گرم کیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے کوشش تمام کے ساتھ سماع کو تربیت دی اور آجکل جو باقاعدہ سماع ہم سنتے ہیں آپ کا مرتب شدہ ہے جب مولانا احمد جام کی غزل ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہرزماں از غیب جان دیگر است
 پر حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کا وصال ہوا تو حضرت قاضی حمید الدین گوری
 شریکِ محفل تھے۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقی سہروردیؒ :
 حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی
 کے مرید اور داماد حضرت شیخ فخر الدین

عراقیؒ بھی اہلِ سماع تھے۔ جب آپ نے ملتان میں رہ کر غزلیں لکھیں اور وہ غزلیں
 قوالوں نے شہر میں مانا شروع کیا تو مخالفین نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خدمت
 میں شکایت کی لیکن آپ نے درگزر فرمایا:

حضرت شیخ سعدی شیرازی
 جو حضرت شیخ شہاب الدین

سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں سماع کے دلدادہ تھے۔ آپ کے یہ اشعار آپ کے ذوق
 سماع پر دلالت کرتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران و مست کہ غرق است ازاں مے زنداؤ دست
 نہ بینی شتر را بر حدائے عرب کہ چو نش برقص اندر آرد طرب
 (اونٹ حدی کی آواز سے مست ہو جاتا ہے اور خوشی اور وجد میں آتا ہے)

سماع کے متعلق آپ کے صریح الفاظ ملاحظہ ہوں۔
 سماع اے برادرِ بگویم کہ چہیست
 مگر مستمع را بدانم کہ کیست
 گر از برج معنی بود طیر او
 فرشتہ مند و ماند از سیر او
 جہاں پر سماع است مستی و شور
 ولیکن چہ بیند در آئینہ کور
 بہ بزم داند آشفته سامان نہ زیر
 با آواز مرغی بنالد فقیر

حضرت مخدوم جہانیاں
 جہاں گشت قدس سرہ

حضرت مخدوم جہانیاں اوجی سہروردیؒ :
 بڑے عالم و فاضل اور جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے اہلِ سماع

ہونے کا تاہم اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ چشتیہ سلسلے میں حضرت شیخ نصیر الدین چرت و پوری
قدس سرہ کے خلیفہ تھے جو اہتمام کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ نعمت اللہ سہروردی
ملتان فرماتے ہیں کہ:

حضرت شاہ نعمت اللہ سہروردی ملتان اور سماع:

عارف کامل کے لیے سماع فرض ہے اور سچے طالبانِ خدا کے لیے سماع مفید اور
سنت مشائخ ہے۔ غافلین کے لیے جو اذکار و اشغالِ الہی پر مداومت نہیں کرتے سماع
بدعت اور مضر ہے۔

قادری بزرگان حضرت میاں میر لاہوری حضرت ملا شاہ بدشتی شاہ ابوالمعالی کا سماع

داراشکوہ اپنی کتاب سکینہ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت میاں میر لاہوری اور آپ کے
دونوں خلفاء یعنی حضرت ملا شاہ بدشتی اور حضرت شاہ ابوالمعالی قادری سماع کے بچد
مشاق تھے اور ان کے ہاں مجالس سماع بڑے ذوق و شوق سے منعقد ہوا کرتی تھیں۔



مشائخ نقشبندیہ اور سماع

مشائخ قادریہ اور سہروردیہ سے جوازِ سماع ثابت کرنے کے بعد اب ہم حضراتِ مشائخ نقشبندیہ کے ذوقِ سماع کو بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین یہ نہ کہنے کے قابل رہیں کہ صرف مشائخ چشتیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے باقی کسی نے نہیں دیا۔

خواجہ بزرگ حضرت
حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور سماع : خواجہ بہاؤ الدین

نقشبندیہ جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرور ہیں سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”من نہ ایں کار میکنم نہ انکار مے کنم“ (یعنی نہ میں سماع سنتا ہوں نہ اسے حرام کہتا ہوں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ منکرِ سماع نہیں ہیں۔ آپ کے سماع نہ سننے کی وجہ یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا تعلق چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جو نہایت خاموش طبیعت تھے۔ اس سلسلے میں ذکرِ جہری کی بجائے ذکرِ خفی مروج ہے اور خاموشی میں ان کے مراتب طے ہوتے ہیں۔ مرزا مظہر جانجاناں دہلویؒ سے کسی نے پوچھا کہ نسبتِ چشتیہ اور نسبتِ نقشبندیہ میں کیا فرق ہے تو آپ نے جواب دیا کہ نسبتِ چشتیہ کا نشہ شراب کا سا ہے اور نسبتِ نقشبندیہ کا نشہ افیون کی پنک کی طرح ہے کہ اس سلسلے میں جوش و خروش کی بجائے خاموشی سے مراتب طے ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا سلسلہ
حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی اور سماع : عالیہ نقشبندیہ کے اکابر مشائخ

میں سے ہیں اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے خلیفہ اعظم ہیں آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ نے آپ کو برخِ کالقب عطا فرمایا

تھا۔ یاد رہے کہ بُرخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں ایک بزرگ تھے جو سبب الدعوات تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے دعا منگوایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اویس قرنیؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا بُرخ فرمایا تھا۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ فرماتے ہیں کہ:

”حق تعالیٰ عاشق کے دل میں ایک مسترت رکھی ہے اور ایک گوہر امانت پیدا کیا ہے کہ آواز دلکش اس گوہر کو ہلا دیتی ہے اور آدمی کے دل میں وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ اس کو وجد کہتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر اس کو مکاشفہ ہو اور راگ کے الفاظ اس کی زبان سے نکلیں تو یہ ایک احوال لطیف ہوتا ہے۔ اس کو نقد وجد کہتے ہیں۔ وجد میں اس کا دل ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے آگ میں چاندی اور وہ تمام کدورتیں جاتی رہتی ہیں جو بہت ریاضتوں سے بھی دور نہیں ہوتیں۔“

حضرت مولانا عبدالرحمن جامی نقشبندی اور سماع:

اکابر مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے

آپ سماع کے بڑے شائق تھے اور اکثر مجالس سماع منعقد کیا کرتے تھے۔ مثنوی یوسف وزلیجا لکھتے وقت جو آپ کی حالت ہوتی تھی بیان سے باہر ہے آپ خود فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر ایسا حال طاری ہوتا تھا کہ جس میں سماع کے سوا میری کوئی چیز معاون ثابت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے ذوق سماع کا انداز آپ کے اشعار ذیل سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

منع سماع و نغمہ و نغمہ فقیہ
بیچارہ پئے نہ بردہ بہ سرِ لخت فیہ
مے وہ بانگ نے کہ ندارم پس سرِ عشق
پروائے ریش محتسب و سبت فقیہ
واعظ لطن بادہ پر تہاں زباں کشاد
یارب توئی پناہ من از شرّاں سفیہ
جامی حریم کوئے مغاں کعبہ صفاست
طوبی بساکنہ و بشری لزانہ

حضرت مولانا خواجگی اور مولانا ہبیدی نقشبندی کا سماع:

حضرت مولانا خواجگی اور مولانا ہبیدی

جن کا شمار اکابر مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے اور جو حضرت خواجہ عبید اللہ اصرار کے خلیفہ مولانا محمد قاضی کے تالیف ہیں۔ اپنے بعض مریدین کو ذکر چہری اور سماع سننے کا حکم دیتے تھے اور بعض کو قص و سرود کا حکم دے دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ :

ہمارے خواجگان (نقشبندیہ) کا طریقہ صحو و سکر، سکون و اضطراب اور چہرہ و خفاہ متبدی و متوسط کے مناسب حال اخفاہ ہے اور منتہی کے مناسب حال اظہار ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نقشبندی قدس سرہ
بڑے پابند شریعت تھے۔ مولوی نعیم الدین

اپنی کتاب معمولاتِ مظهریہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ خواجہ ابوالہاشمؒ کسی جو آپ کے خلیفہ اور جامع مقامات امام ربانی ہیں سماع سنتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تجھے ان سے کیا کام۔ وہ مرتبہ کمال پر پہنچ چکے ہیں۔ میرے ساتھ بھی ان کو اختلاف جائز ہے۔ جب میں ان کے حال سے تعرض نہیں کرتا تو کسی اور کی کیا مجال کہ ان کے حال پر معترض ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
اپنی کتاب الفاس العارفين میں فرماتے

ہیں کہ سلسلہ ابوالعلائی کے بانی مہمانی سماع سنتے تھے۔ کتاب مذکور میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ :

آپ کا سلسلہ دو طریقوں سے حضرت خواجہ عبید اللہ اصرار نقشبندیؒ سے جاملتا ہے آپ کی بیعت سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے خالو خواجہ کئیؒ کے ساتھ تھی جو حضرت خواجہ عبید اللہ اصرارؒ کے فرزند و خلیفہ تھے۔ ملا عمر جنہوں نے شرح ملا پر حاشیہ لکھا ہے بھی ابوالعلائی تھے اور امیر ابوالعلی کے خلیفہ خواجہ ولی محمدؒ کے مرید تھے۔۔۔ امیر ابوالعلی بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔ کبھی آپ کا سماع منز امیر کے ساتھ ہوتا تھا کبھی بغیر منز امیر۔

شاہ ولی اللہ صاحب کتاب مذکور میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ : ملا لطف اللہ

اپنی کتاب جامع مقامات ابوالعلیٰ میں لکھتے ہیں کہ: حضرت امیر کے حاضرین پر ہمیشہ بے اختیار وجد طاری رہتا تھا یوں نہیں کہ ان کی محفل میں کوئی خلاف شرع ازکباب کرے اور مرزا میر یا سرود کی آواز پر رقص کرے۔ آپ مرزا میر کو بھی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کے اس فرمان کے مطابق کبھی کبھی سن لیتے تھے کہ "من نہ انکار ینم نہ ایں کار ینم" یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم نقشبندی نے حضرت شاہ ابوالعلیٰ سے بھی فرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ شاہ عبد الرحیم صاحب نے بھی انفاس العارفین میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امیر ابوالعلیٰ سماع سنتے تھے۔ نیز ارجکھل بھی اس سلسلہ عالیہ کے جتنے مشائخ اور مریدین ہیں سب اہل سماع ہیں اور مرزا میر کے ساتھ سماع سنتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔ لاہور میں احقر اقم الحروف نے بارہا ان کی مجالس میں شمولیت کی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی اور سماع : پانی پتی حضرت مرزا مظہر

جانان جانان دہلوی نقشبندی کے خلیفہ اور تفسیر منظری اور ارشاد الطالبین کے مصنف ہیں۔ آپ نے سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے مسئلہ السماع۔ اس رسالہ میں آپ نے نہایت فاضلانہ طریق پر سماع کی حلت اور حرمت میں جو احادیث ہیں۔ ان پر بحث کی ہے اور محدثین حضرات کے حوالہ جات دے کر ثابت کیا ہے کہ حرمت سماع کی تمام تراحدیث موضوع یا ضعیف ہیں۔ آپ نے اس رسالہ میں امام غزالی کا وہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

راگ کی حرمت (حرام ہونا) پر جو احادیث آئی ہیں وہ اس گانے کے متعلق ہیں جو شہوت اور عشق بازی سے دل کی شیطانی مرادیں پوری کرتا ہے لیکن وہ گانا جو خدا تعالیٰ کی محبت میں ہو وہ محبوب ہے اور عبادت ہے اور وہ گانا جو نہ شیطان کی مراد پوری کرے نہ خدا کی محبت میں وہ مباح ہے۔ جیسے شادی کے موقعوں پر گانا سننا جس سے خوشی بڑھتی ہے اور وہ گانا بھی مباح ہے جو عید کے دن یا

نکاح کے موقع پر گایا جائے اور کسی بچھڑے ہوئے عزیز کی آمد پر اور ولیمہ کی دعوت پر، اور نچے کی پیدائش پر اور عقیقہ اور ختنہ کے دن اور حفظ قرآن کی آمین کے دن وغیرہ وغیرہ پر گایا جائے۔ اس قول کو اکثر علمائے حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت قاضی ثنار اللہ پانی پتی نقشبندی "حنفی کتابوں یعنی خزائنہ، کافنی اور امتناع" کے حوالہ جات پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ خوشی کے موقعوں پر گانا بجانا مباح ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت میں سماع سننا عبادت ہے۔ کتاب امتناع کی عبادت حسب میل ہے؛ راگ سننے سے رقت قلب اور خشوع اور وصال الہی کے شوق کا جوش اور اس

کے قہر و عذاب کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس کام کا نتیجہ یہ ہو وہ ایک عبادت ہے۔
حضرت شیخ شہاب الدین کا ایک قول قاضی ثنار اللہ کی زبانی: حضرت شیخ شہاب الدین

سہروردی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"السمع یستجب من اللہ الکریم:-

(سماع خداوند کریم کی رحمت لاتا ہے)

اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ:

اگر یہ کہا جائے کہ سماع اہل کلمتے مباح ہے اور نا اہل کے لیے گناہ اور یہ کہ اہل

کے درویش اس کے اہل نہیں تو یہ کہنا غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ لا یزال امتی امة قاتمة بامر اللہ لا یضرہم من خذلہم

ولا من خالفہم (میری امت میں برابر ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو خدا کے

حکم پر قائم ہوگی اور اس کی کوئی مخالف نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ نیز فرمایا: مثل

امتی کمثل المطر لا یدری اولہا خیر او اخرہا (میری امت کی مثال بارش

کی سی ہے جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر، برادرین اہل وجد

تین قسم کے ہیں۔ ایک تو اہل کمال ہیں جن کے باطن میں عشق الہی ان کو بے اختیار

دیتا ہے۔ یہ جماعت خدائی جماعت ہے۔ ان کا انکار خرابی دین کا موجب ہے۔

حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ من عادى لى وليا بارئى بالمحاربة (بخاری و مسلم، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے) دوسری جماعت وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حالات پیدا کرنے کے لیے راگ سنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے واردات حاصل کریں یہ بھی محمود ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ربا کے طور پر وہد کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو اہل کمال سمجھیں۔ یہ لوگ فاسق اور بدعتی ہیں۔۔۔۔۔ لیکن ہر شخص کے ساتھ بدعتی جائز نہیں کیونکہ بدعتی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہان بعض الظن اشم (بعض بدعتی گناہ ہے) کیونکہ بدعتی کی وجہ سے آدمی خود فاسق بن جاتا ہے۔ دوسرا فاسق ہو یا نہ ہو۔

ہر کہ اجامہ پارسا بینی پارسادان و نیک مرد افکار



ہرگز نمیرود آنکہ دشمن زندہ شد بعشق

ثبت است جب سیرۂ علم دوہام

خواجگانِ چشتیہ کا سماع

قرآن و حدیث، ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مشائخ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے اقوال و عمل سے جواز سماع ثابت کرنے کے بعد اب ہم مشائخِ چشت اہل بہشت کے سماع کا ذکر کرتے ہیں اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مشائخِ چشتیہ کی نسبت شدید عشقیہ نسبت ہے جو اصل اسلام اور اصل ایمان ہے بصدق قولہ تعالیٰ وَالَّذِينَ آمَنُوا شَدَّ حَبْطُ اللَّهِ (جو ایمان دار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے)

حضرت خواجہ حسن بصریؒ: وجہ کے فیض یافتہ ہی آپ ہیں نہ صرف سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شیخ الشیوخ ہیں بلکہ سلسلہ عالیہ قادریہ اور سہروردیہ کے بھی شیخ الشیوخ ہیں آپ سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وجد ایک بھید ہے جو دل میں آتا ہے اور اسے محرک کر دیتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ سماع جو حق سے سننا ہے۔ حق رسیدہ ہو جاتا ہے اور جو نفس سے سننا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابواسحاق شامیؒ: سنتے تھے اور علمائے وقت میں سے کسی کو آپ پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی جو شخص ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا تھا مریض آتا تو مرض سے خواہ کتنا خطرناک کیوں نہ ہو شفا ہو جاتی اہل دنیا کو اجازت نہ تھی لیکن کوئی اہل دنیا شریک مجلس ہوتا تو تارک الدنیا ہو کر اٹھتا تھا جب آپ مجلس سماع میں قص کرتے تو تمام حاضرین پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور درود یوار

قص کرتے نظر آتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت نے حاضر ہو کر بارش کی درخواست کی تو آپ نے محفل سماع منعقد کی۔ فوراً موسلا دھار بارش شروع ہو گئی دوسرے دن بادشاہ شکر یہ ادا کرنے کی خاطر آیا تو آپ نے رو دیا اور فرمایا۔ نامعلوم مجھ سے کون سی خطا سبزد ہوئی ہے کہ بادشاہ میرے پاس بار بار آرہا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ شرمندہ ہوا اور روتا ہوا گھر چلا گیا جب آپ کے ہاں مجلس سماع ہوتی تو آپ کے حکم سے تمام یارانِ مجلس اور قوال تین دن طے کا روزہ رکھتے تھے اور قوالوں کو پہلے تو بہ کرائی جاتی ہیں۔

آپ جس وقت سماع میں ہوتے تو جس شخص پر آپ کی نظر پڑ جاتی تھی صاحبِ کرامت ہو جاتا کسی مرض

پر نظر پڑ جاتی تو فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ سماع میں آپ کے جبین مبارک سے ایک نور کی شمع نکلتی تھی جو آسمان تک نظر آتی تھی۔ یہ دیکھ کر تمام اہل شہر کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت شیخ سماع سن رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ جو فتح باب (باطن دروازوں کا کھلنا، سماع میں حاصل ہوتا ہے کسی دوسرے شغل میں حاصل نہیں ہوتا سو برس کی ریاضت شاقہ سے بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ آپ کی مجلس میں حضرت خواجہ سری سقطیؒ اکثر شرکت فرمایا کرتے تھے یاد رہے کہ حضرت سری سقطیؒ سید الطائف حضرت جنید بغدادیؒ سے اس سے جس قدر بے شمار سلاسل وجود میں آئے ہیں کسی کو سماع سے انکار نہیں۔ سلسلہ قادریہ و سہروردیہ بھی حضرت جنیدؒ کے فیض یافتہ ہیں۔

سماع میں آپ کے جبین مبارک سے نور تابان نکل کر آسمان تک پہنچ جاتا تھا اور خلقت معائنہ کرتی

تھی۔ آپ کی مجلس سماع میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی جو حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے اکثر شریک ہوتے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ جو چیز میں نے سماع میں پانی۔ سو سال کی عبادت میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی آپ کی مجلس میں بھی دنیا داروں کو شرکت کی اجازت نہ تھی جو دنیا دار شریک ہوتا مجذوب ہو جاتا تھا فاسق فاجر میں بھی آپ کی مجلس میں

شریک ہو کر صاحب نسبت ہو جاتے تھے اور مرضِ صحت یاب ہو جاتے۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودودی حشر: آپ ایک دن مجلسِ سماع میں بیٹھے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے بعد میں ایک

بندگ نے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو فرمایا کہ اجازت لے کر جواب دوں گا۔ دوسرے دن جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ایک مقام ہے جسے نورِ اسود (سیاہ نور) کہتے ہیں کوئی سالک اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر بذریعہ سماع۔ جب صاحبِ سماع اس مرتبہ پہنچتا ہے تو لوگوں کی نظروں سے گم ہو جاتا ہے مثل اس ستارہ کے جو آفتاب کی روشنی میں گم ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی: حضرت خواجہ عثمانی ہارونی سماع کا از حد شوق رکھتے تھے اور بکثرت سنتے تھے جب بعض علمائے ظواہر نے

بادشاہ وقت سے شکایت کی تو بادشاہ نے آپ کو سماع سے منع کر دیا لیکن آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ سماع اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ حالتِ سماع میں بندہ اور خدا کے درمیان پردے اٹھ جاتے ہیں سماع ہرگز ہرگز بند نہیں ہوگا۔ کس میں قدرت ہے کہ مجھے سماع سے روکے۔ میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ قیامت تک میرے مرید اور فرزند سماع سنتے رہیں اور کسی کو اہل سماع پر ظفر حاصل نہ ہوگا۔ آپ سات سات دن تک مسلسل سماع سنتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت کے حکم سے مجلسِ مناظرہ منعقد ہوئی لیکن آپ کی کراہت سے تمام مخالف علماء کی زبانیں بند ہو گئیں اور ان کا سارا علم سلب ہو کر رہ گیا اور احمی محض بن گئے لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور معافی مانگی تو ان کا علم لوٹ آیا اور بخت و مباحثہ سے تائب ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین ہشتی جمیری: خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین حسن بخاری جمیری قدس سرہ

بکثرت سماع سنتے تھے اور علماء و فقہائے وقت میں سے کسی کو آپ کے سماع پر انکار نہ تھا۔ اکثر علمائے متبحر اور مشائخ کبار آپ کی مجلسِ سماع میں حاضر ہوئے اور آپ کے

فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

آپ کے سماع کا یہ عالم تھا کہ سماع میں
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار دوی : جان دے دی آپ کے ایک دوست

نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ قوالوں نے مولانا احمد جام کی غزل گائی جب اس شعر پر پہنچے
کشتگانِ فخر سلیم را، ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو آپ پر وجد طاری ہو گیا اور چار دن رات آپ مسلسل رقص کرتے رہے اس سے سارے
شہر دہلی میں تہلکہ مچ گیا۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ باہر آکر نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر
مخور رقص ہو جاتے جب قوال پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ جاں بحق ہو جاتے تھے۔ جب دوسرا
مصرعہ پڑھتے تو پھر سے زندہ ہو جاتے تھے اور رقص کرنے لگتے آخر آپ نے قوالوں کو اشارہ
کر دیا کہ دوسرا مصرعہ نہ پڑھنا۔ اس طرح آپ نے رقص کرتے ہوئے جان جان آفرین کے
سیر کردی آپ کی اس حالت کو احقر راقم الحروف نے منقبت میں یوں بیان کیا ہے کہ
زیغ لافنا فی اللہ زالا اللہ بقا باللہ۔ چہ خوش خوش جاں بجاں پرور سپرد آن مرد رحمانے
حضرت خواجہ غلام فریدؒ اشارت فریدی میں فرماتے ہیں کہ وصال سے دو پہلے حضرت
خواجہ قطبؒ بار بار یہ شعر پڑھ کر مت ہو جاتے تھے۔ آخر محفل سماع میں چار دن رات رقص
کر کے جان دے دی۔ لقب آپ کا شہیدِ محبت ہے۔

آپ بھی بڑے ذوق و شوق سے
سماع سنتے تھے اور اکثر یہ رباعی

حضرت شیخ فرالدین مسعود گنج شکرؒ

آپ کا در زبان تھی کہ

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی
خاکے شوم و وزیر پائے تو زیم
بہر تو میرم و ز برائے تو زیم
ایک مرتبہ سماع کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ!
یکے بسوخت و خاکستر شد و دیگر ہنوز در اختلاف است آپ نے اپنے وصال سے چند
روز پہلے حضرت محبوب الہیؒ سے فرمایا کہ میں نے دین کے متعلق جو خواہش کی۔ مجھے

بخشی گئی۔ بعد میں لہیمان ہوا کہ حالت سماع میں موت کیوں نہ طلب کی۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب اشارت فریدی ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ شکر گنج کا لقب حرقی محبت ہے۔ یعنی محبت میں جلا ہوا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ
کو جس قدر سماع کا شوق تھا بیان سے باہر

المشائخ حضرت محبوب الہی :
سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی :

ہے حالت سماع میں آپ پر بجا کا غلبہ رہتا تھا۔ گو آپ کی مجلس میں مزامیر اور تصفیق (تالی بجانا) منع تھا تاہم علماء ظواہر نے تعلق بادشاہ کے زمانے میں سماع کے متعلق آپ نے مناظرہ کیا اور شکست کھائی۔ جب آپ نے سماع کے جواز میں احادیث نبوی پیش کیں تو علماء نے کہا کہ آپ امام ابوحنیفہ کا قول پیش کریں۔ یہ سن کر آپ خشکیس ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں پر خدا کا غضب تو نہیں آنے والا۔ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کرتا ہوں اور تم امام ابوحنیفہ کا قول طلب کرتے ہو۔

مولانا فخر الدین زراوی نے جو آپ کے اعظم خلفاء میں سے تھے اور صاحب سیر الاولیاء۔ سید محمد کرمانی کے استاذ تھے، اباحت سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”اصل الاصول“ ہے۔ اس رسالہ میں سماع پر فاعلانہ بحث کر کے سماع کا جواز ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کا سماع بلا مزامیر تھا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مزامیر حرام ہیں، کیونکہ مزامیر کا ثبوت احادیث نبوی میں موجود ہے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ شان بقا باللہ کی بدولت آپ پر عبدیت اور عجز و انکسار کا غلبہ تھا اور احتیاط کا پہلو مد نظر رکھتے تھے۔ نیز چونکہ آپ کا مقام محبوبیت تھا۔ آپ کی طبیعت از حد نازک تھی اور شاید مزامیر کی آواز کو طبع مبارک برداشت نہ کرتی تھی۔ لیکن آپ کے خلفاء اکثر مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی : مشائخ چشتیہ صابریہ بھی سماع میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ حضرت شاہ

عبدالقدوس گنگوہی صابریہ طریقہ کے موجودہ سماع کے راس و رئیس ہیں۔ آپ بڑی شان

کے صاحب علم، عمل، ذوق و علاوت وجد و سماع تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جو نقشبندی تھے اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں کہ،
حضرت پناہ عالمین، شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ باوجود کمال علم ظاہری و باطنی میں رفعت شان
رکھنے کے سماع بامزایہ میں افراط رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیف۔ شرح المعارف۔ میں سماع
کی اباحت پر طویل بحث آئی ہے۔

ہمارے ملک میں بریلوی اور دیوبندی بحث و مباحثہ کی
وجہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ علمائے بریلوی تصوف کے حامی
علماء دیوبند و سماع :
اور دیوبندی مخالف ہیں اس لیے ہم یہاں علماء دیوبند کا جواز سماع کے متعلق فتویٰ پیش
کرتے ہیں تاکہ بقول عارف رومیؒ

خوشتر آن باشد که ستر دلیراں
گفتہ آید در حدیث دیگر اں

حجت تمام ہو جائے۔

علماء دیوبند کے سردار پیر و مرشد حاجی امداد اللہ ہاجر مکیؒ نے۔ فیصد مفت مسائل
کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے مجالس میلاد عرس و سماع، ندائے غیر اللہ
جماعت ثانیہ وغیرہ مسائل کا جواز نکالا ہے۔ سماع کے متعلق آپ کا فیصلہ جو دراصل علماء
دیوبند کا فیصلہ ہے یہ ہے۔

”رہا سماع کا مسئلہ یہ بحث از بس طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے
سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جواز مجتمع ہوں
اور عوارض مانع مرتفع ہوں تو جائز، ورنہ ناجائز، کما فیصلہ، الامام غزالیؒ اور سماع بالآلات
(باجوں سمیت) میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویل میں کی ہیں اور
نظارہ فقہیہ پیش کیے ہیں۔۔۔۔“

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنے رسالہ سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے مگر آداب
سماع کا ہونا سب کے نزدیک ضروری ہے۔

۔۔۔ مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیرو مرشد کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں
اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ مولود پڑھا جاتا ہے۔ اور پھر باحضر تقسیم کیا جاتا ہے۔۔۔

کتاب — خم خانہ باطن — میں مولانا
مقناوی صاحب بھی یہ لکھتے ہیں کہ:

مولانا مقناوی کا سماع سننا اور سنوانا:

”ایک دفعہ میں نے بھی ایک طالب علم کا علاج سماع سے کیا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم
کانپور میں ایک طالب علم پر شورشِ باطنی کا غلبہ ہوا۔ کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا۔ میں نے
اس کے لیے سماع تجویز کیا۔ میرے ایک طے دلے صاحب سماع تھے۔ میں نے ان سے
کہا ہم لوگ تو مولوی ہیں اپنے ہاں سماع کا انتظام نہیں کر سکتے۔ تم اپنے ہاں لے جاؤ۔
اور سماع سنوالاؤ۔ امید ہے کہ ان کو سکون ہو جاوے گا۔ وہ بہت خوش ہوتے اور خوشی
خوشی ان کو اپنے ہاں لے گئے، ان کی جماعت نے بھی اس کو اپنے لیے فخر سمجھا کہ ہم سے
مولویوں نے رجوع کیا۔ مگر جب وہاں ڈھولکی اور ستار کا انتظام ہوا تو وہ طالب علم بہت
بگڑا۔ اور ان کو دھمکایا کہ تم مجھے بدعت کا آلہ کار بنانا چاہتے ہو۔ یاد رکھنا سب ڈھولکی اور
ستار توڑ دوں گا۔ خبردار جو میرے سامنے بدعت کا ارتکاب کیا وہ لوگ بہت گھبرائے
اور اس کو واپس کر دیا۔ میں خوش ہوا کہ الحمد للہ ان کی حالت سنت کے مطابق ہے، پھر
میں نے ایک خوش الحان طالب علم سے کہا کہ ان کو کوئی غزل تنہائی میں سنا دو۔ اس طالب علم
نشست میرے سامنے ہی تھی۔ اس نے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل سنائی۔

ازہجر تو دل کباب تاکے جاں در طلبت خراب تاکے
در مصحف روئے او نظر کن خسرو غزل و کتاب تاکے

میرے کانوں میں بھی آواز آرہی تھی۔ جب تک غزل سنائی جاتی رہی ان پر
حال کا غلبہ رہا۔ بار بار جوش میں کھڑے ہو جاتے اور تاکے تاکے پکارتے۔ پھر سکون
ہو گیا۔ تو یہ دراصل دوا ہے اور اس کو طبیب ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس مریض کو اس دوا کی
ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کی اجازت کے کوئی سماع سننے تو غلطی میں مبتلا ہو گا۔
اس کے بعد لکھا کہ۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں بعض
 ذاکرین پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ وہ

ذاکرین تالیاں بجانے لگتے تھے اور تالیاں بجانا بھی سماع کے قریب قریب ہے کیونکہ
 ہوا میں داخل ہے۔ مگر حضرت نے کوئی ٹیکر نہیں فرمائی۔ مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی
 حضرت کے یہاں بہت کھلے ہوئے تھے اور حضرت ان سے بہت محبت کرتے تھے انہوں
 نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت اب تو آپ کے ہاں تالیاں بجنے لگی ہیں۔ حضرت نے ان
 کو ڈانٹ دیا کہ تم کیا جانو خاموش رہو! لہ

اس کے بعد کتاب مذکور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ:

”غرض مزامیر کے ساتھ سماع کو قریب قریب سب صوفیہ نے حرام کہا ہے۔ البتہ بعض
 نے اس کی اجازت بھی دی ہے۔ لہ اور علامہ شامی نے (مشہور حنفی بزرگ ہیں جو علوم
 ظاہری و باطنی سے مزین تھے) ان پر سے اعتراض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ فقہانے تین
 وقتوں میں اس طرح اجازت دی ہے جس طرح امار کے یہاں تین مختلف اوقات
 میں نوبت بجاتی ہے اور یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس میں نفعات ثلثہ کی تذکیر ہے۔
 علامہ شامی لکھتے ہیں کہ تذکیر نفعات کے لیے طبل کے لیے اجازت ہے تو جو حضرت
 صوفیہ اس قسم کے مصالح سے آلات کی اجازت دیتے ہیں تو ان پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہیے۔“

لہ اس ظاہر ہے کہ مولانا تھانوی کے نزدیک سماع حلال ہے اور اجازت شیخ کی ضرورت ہے
 لہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ مولانا تھانوی صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سماع کو
 جائز سمجھتے تھے نہ کہ حرام لہ جس مسئلہ پر بعض علماء کا اختلاف ہو تو عام لوگوں کو اجازت ہے کہ
 وہ جس عالم کا فتویٰ چاہیں قبول کریں، اختلافي مسائل میں کسی ایک
 فتویٰ کے فتویٰ پر عمل کرنا جائز ہے اور فقہاء کے نزدیک اس کا کوئی
 مواخذہ نہیں ہے۔ جب علماء کی ایک جماعت سماع بالمزامیر کو جائز قرار
 دیتی ہے تو عوام کے لیے یہ فتویٰ کافی ہے۔

اس وجہ سے مولانا قاری عبدالرحمن صاحب اپنی پتی "ملاہ شامی" کے معتقد نہ تھے مگر حضرت مولانا گنگوہی ان کے معتد تھے اور علامہ شامی کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ بات یہ ہے کہ قاری عبدالرحمن صاحب میں غالب علمی بزرگی تھی اور مولانا گنگوہی میں علمی اور باطنی دونوں بزرگیاں تھیں۔ جو شخص ایسا ہوگا وہ علامہ شامی کا معتقد ہوگا۔ کیونکہ علامہ شامی صرف علمی بزرگ ہی نہ تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے۔

کتاب مذکور میں آگے چل کر مولانا اشرف
مولانا تھانوی کا ایک برسماع سننا: علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ مجھے ریل میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی (یہ آپ کے پربھائی تھے) کا قوال فرزند علی مل گیا۔ اس وقت وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ کہنے لگا میرا دل چاہتا ہے کہ حضور کو کچھ سناؤں۔ چونکہ وہ بوڑھا تھا۔ مزامیر وغیرہ ساتھ نہ تھے۔ صرف سماع ہی سماع تھا۔ اور قوال بھی تھا کس کا؟ مولانا کا۔ میں نے اجازت دے دی۔ اس نے ایک غزل سنائی۔ گوریل چل رہی تھی اور اس کی گھر گھر کی آواز کانوں کو پریشان کر رہی تھی۔ مگر اس کی آواز غالب تھی اور یہ معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ ریل چل رہی ہے یا گھڑی ہے۔ ایک غزل کے بعد میں نے آگے اجازت نہ دی۔"

حضرت مولانا محمد حسین
مولانا محمد حسین الہ آبادی یوبندی کا صا برسماع ہونا: الہ آبادی حضرت حاجی

امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ لیکن سماع خوب سنتے تھے اور مزامیر کے ساتھ سنتے تھے۔ مولانا اشرف علی صاحب اپنے رسالہ "خم خانہ باطن" میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ کہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے۔ جو مولانا روم کے سلسلہ میں تھے۔ ان کو گانے بجانے میں کمال حاصل تھا۔ انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ میں نے "نئے" بجانے میں جو کمال حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ برکت کے واسطے حضرت کے سامنے اسے پیش کر دوں۔ اب اگر حضرت بالکل انکار فرماتے ہیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے

اور اہل سماع صوفیہ پر انکار لازم آتا ہے اور سنتے ہیں تو اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو کس طرح سنبھالا۔ فرمایا جانی مجھے تو اس فن سے ذرا بھی مناسبت نہیں۔ ایسے شخص کو سنا کر اپنے فن کی کیوں بے قدری کراتے ہو۔ کسی قدر دان کو سنائیے جو اس فن سے واقف ہو۔ اور کمال کی داد دے سکے۔ ہاں ہمارے مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی جو حضرت حاجی صاحبؒ کے مرید و خلیفہ تھے، ہوتے تو وہ آپ کے کمال قدر کرتے۔

حضرت شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ دیوبندی ہونے کے باوجود بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔ اور آپ کا وصال بھی عرس اجیر شریف کے موقع پر حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اس غزل پر ہوا۔

آستیں بر رخ کشیدہ ہیمو مکار آمدی
با خودی در خود تماشا سوتے بازار آمدی

شرائط و ادب سماع: جو از سماع کے بعد اب شرائط سماع کا بیان ضروری ہے۔ چونکہ سماع میں مصرت کا پہلو بھی موجود ہے۔ اس لیے اولیاً کرام نے ہر کس و ناکس کو سماع سنتے کی اجازت نہیں دے رکھی۔ بلکہ انہوں نے مجالس سماع کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں جن سے نااہل لوگوں کا داخلہ بند ہو جاتا ہے۔ اور صرف خواص باقی رہ جاتے ہیں۔ امام غزالی نے ——— احیاء العلوم ——— میں اور دیگر مشائخ نے سماع کے لیے مین شرائط قائم فرمائی ہیں۔ مکان۔ زمان۔ اخوان

۱۔ اس سے ظاہر ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور ان کے مریدین اہل سماع صوفیہ پر انکار یا اعتراض نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کو حق بجانب سمجھتے تھے۔

۲۔ اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آنے کے یہ معنی نہیں کہ آپ حرام سمجھ کر سماع نہیں سنتے تھے۔ بلکہ عام فقہاء کی طرح بعض مصلحتوں کے تحت عوام کو سماع سے منع کرتے تھے۔ اگر ناجائز سمجھتے تو پھر صاحب سماع صوفیہ پر انکار سے کیوں پرہیز کرتے۔

شرط مکان :

مکان، جہاں مجلس سماع منعقد ہو رہی ہو۔ ایسا ہونا چاہیے کہ وہاں عوام اور نااہلوں کا گزر نہ ہو۔ پرسکون مقام ہو۔ غیر شرعی امور کا دخل نہ ہو۔

سماع سننے کے لیے ایسا وقت مقرر کیا جائے۔ کہ جس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو۔ مثلاً نماز کا وقت نہ ہو۔ ایسا وقت ہو کہ جب ہر طرف سے فراغت اور سکون میسر ہو۔ اور کسی قسم کی مداخلت کا امکان نہ ہو۔

اخوان : مجلس سماع میں ایسے لوگ بلائے جو اہل سماع ہوں، محرم راز ہوں۔ اہل حق ہوں۔ فاسق فاجر اور منکر سماع نہ ہوں اور کلام مجاز کو حقیقت پر محمول کرنے والے ہوں۔ حق تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کلام سننا اور اپنی یہ پیاس بجھانا چاہتے ہوں۔

آداب سماع : مجلس سماع کے لیے بزرگان نے جو آداب سماع مقرر فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مجلس سماع میں با وضو رہنا چاہیے۔

۲۔ غیر شرعی امور سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً شراب نوشی نہ ہو۔ مرد اور عورتیں یکجا نہ ہوں۔

خلاف شرع اور بے ہودہ کلام نہ گایا جائے۔ ننگے سر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ باادب یعنی دوزانوں یا مرعبہ بیٹھنا چاہیے پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ گاؤ تکیہ لگا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ توجہ الی اللہ سب سے بڑی شرط ہے۔ یعنی ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونا چاہیے

ادھر ادھر دیکھنے اور منہسی مذاق سے پرہیز لازم ہے۔ دوران سماع میں سگریٹ، بیٹری، پانی شربت، چائے، پان منع ہے البتہ درمیان میں وقفہ دے کر چائے پانی پی سکتے ہیں۔

۳۔ محفل سماع میں چھوٹے بچے یا مرد نہ ہوں۔ حتیٰ کہ قوالوں میں بھی امر نہ ہو۔

۴۔ قوالوں کو جو نذرانے پیش کیے جائیں۔ میر مجلس کے ذریعے پیش کیے جائیں براہ راست قوالوں کو کوئی چیز دینا یا ان کی طرف پھینکنا منع ہے۔

۵۔ مجالس سماع میں کلام کی فرمائش منع ہے۔ بلکہ یہ کام میر مجلس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے

۶۔ دوران سماع قوالوں کی غلطی پکڑنا یعنی ان کے الفاظ صحیح کرنا منع ہے۔ ہاں اگر

کوئی بیجا کلام ہو تو میری مجلس اس کی تصحیح کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔
۷۔ سماع میں اگر کسی شخص پر وجد طاری ہو جائے اور وہ کھڑا ہو جائے تو اس کی تعظیم کیلئے
تمام اہل مجلس کو کھڑا ہونا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی مسخرہ کھڑا ہو جائے تو اسے اچھے
طریقے سے مجلس سے باہر لے جانا چاہیے۔

۸۔ حتیٰ الوسع تواجید اور رقص اور ہا ہوسے پر ہنر کرنا لازم ہے اور مغلوب الحال ہونے کی بجائے
غالب الحال رہنا چاہیے۔ کیونکہ تواجید سے ایک تو فیضان بند ہو جاتا ہے۔ دوسرے
باقی لوگ جو وہاں موجود ہوں ان کے حال میں خلل واقع ہوتا ہے۔ ضبط و استقلال سے
فیضان میں اضافہ ہوتا ہے اور تواجید سے نقصان ہوتا ہے۔ تواجید کا مطلب یہ ہے کہ
فیضان بڑاشت نہیں ہو سکا جو ایک روپیے پی کر مست ہو جائے اسے مزید کون دیگا۔
۹۔ اگر کسی کو حال آجائے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے نہ اس کا مذاق اڑانا چاہیے بلکہ
خاموشی اور ادب کے ساتھ رہنا چاہیے۔ تصنع اور عمدہ حال پیدا کرنے سے پرہیز لازم ہے۔

۱۰۔ اگر تجدید وضو کی ضرورت پیش آئے تو محفل سے باہر چلا جائے اور تجدید کرے۔

۱۱۔ سبکل چونکہ ان تمام آداب و شرائط کی پابندی مشکل ہوتی ہے اس لیے اگر علماء کرام ان
غلطیوں پر اعتراض کریں تو ان کو برحق سمجھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے
نہ کہ ان پر جوابی حملے کیے جائیں۔

ترتیب سماع: چونکہ نماز کی طرح سماع بھی سلوک الی اللہ کا خلاصہ ہے۔ سماع میں جس
قسم کا کلام گایا جاتا ہے۔ سالکین پر ان ہی واردات کا نزول ہوتا ہے۔
اس لیے مشائخ عظام نے کلام کی ایسی ترتیب مقرر کی ہے کہ جس سے سلوک الی اللہ کی ابتدائی
منازل شروع ہو کر آخری منازل تک رسائی ہو جائے۔ چنانچہ سماع تبرک کے طور پر نعت
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع کیا جاتا ہے۔ نعت کے بعد عشقیہ کلام آتا ہے تاکہ سامعین
کے قلوب میں آتش عشق کے شعلے بلند ہوں اور پرواز میں مدد ملے۔ چونکہ سیر عروجی میں پرواز
کی پہلی منزل فنا فی اللہ ہے۔ عشقیہ کلام کی متعدد غزلیات کے بعد جب زمین تیار ہو جائے
تو توحید یا فنا نیت کا کلام گایا جائے جس سے سالکین مراقب ہو کر مراقبہ فنا میں چلے جاتے

ہیں۔ فنا کے بعد چونکہ فنا الفنا کا مقام ہے۔ اس کے بعد قوال ایسا کلام شروع کریں جس سے
لا تعین اور احدیت کی طرف رجوع ہو۔ فنا الفنا کے بعد عبودیت یا بقا باللہ کا مقام ہے جس
کا خاصہ عجز و انکسار اور تسلیم و رضا ہے۔ یہاں پہنچ کر تسلیم و رضا اور نیستی اور عجز و انکسار کا کلام
گایا جائے تاکہ سالکین مراقبہ ذات بحت اور لا تعین سے نکل کر عبودیت اور دونی میں آئیں۔
اور حق تعالیٰ کی الوہیت کے سامنے اپنی نیستی اور عجز کا اقرار کریں۔

دوران سماع میں اس بات کا خیال نہایت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا ترتیب کو بحال
رکھا جائے اور اگر فنا کا کلام ہو رہا ہے تو مضمون بدل کر نہ عشقیہ کلام کی طرف جائیں نہ نعت و
منقبت مشائخ شروع کریں ورنہ انقباض طاری ہو جائے گا۔ اسی طرح آخر میں بقا، عبودیت
نیستی اور تسلیم و رضا کے کلام کے بعد پھر فنا یا نعتیہ کلام شروع نہ کرے بلکہ سالکین کو اپنے منازل
مراحل سلوک میں رہنے دیا جائے۔ نیز اگر کسی کلام پر کسی شخص پر وجد طاری ہو گیا ہے تو تنگ
آکر کلام بند نہیں کرنا چاہیے بلکہ جاری رہنے دیا جائے ورنہ یکایک بندش سے اس کی موت
واقع ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر مجلس کا وقت ختم ہو رہا ہو تو اس شخص کو قوالوں کے ساتھ علیحدہ چھوڑ کر
درمیان میں حلقہ قائم کیا جاسکتا ہے تاکہ دیگر رمومات مجلس پوری کی جاسکیں۔ ہاں جب یہ معلوم ہو
جائے کہ وجد کرنے والے کی تسکین ہو چکی ہے اور وہ تھک چکا ہے تو قوالوں کو وہ کلام چھوڑنے
اور آگے بڑھنے کا اشارہ کرنا چاہیے۔

مجلس سماع میں مشائخ عظام کی منقبت کا وقت شروع میں یا نعت
منقبت اولیاء: کے بعد ہے۔ جب کسی ولی اللہ کی منقبت ہو رہی ہو تو سالکین کو اس

بزرگ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس سے اس ولی اللہ کی طرف سے سالکین
پر فیضان جاری ہو جاتا ہے۔ لیکن قوالوں کو چاہیے کہ سب کو خوش کرنے کی خاطر مختلف اولیاء
گرام کا نام لے کر منقبت مخلوط نہ کریں۔ ورنہ فیضان میں تھلل واقع ہوگا۔ منقبت اولیاء کے وقت
سامعین کو مودب ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ اور غیر ضروری حرکات سے پرہیز کرنا چاہیے ورنہ دوسری
طرف سے نپٹگی ہوگی۔ مودب اور متوجہ ہو کر بیٹھنے سے فیضان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

باب نمبر ۵

اوراد، وظائف، اذکار، اشغال و مراقبات

اب ہم ان اذکار و مشاغل و غیرہ کی قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں جن پر عمل کر کے غوثِ قطب ابدال وجود میں آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ :

حق تعالیٰ تک رسائی کا دار و مدار حق تعالیٰ کی عنایت اور لطف و

کرم پر ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فضل ربی :

لیکن یہ راستہ انسان کے اپنے قدموں سے طے ہوتا ہے جس طرح ہر کام میں محنت کر کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اس کام میں بھی یہی کرنا پڑتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیخ کامل کا ہاتھ ضروری ہے۔

عارفِ رومی فرماتے ہیں۔

بیچ مرد خود بخود شیخے نشد

بیچ آہن خود بخود تیغے نشد

شیخ کامل کی توجہ :

نہ کوئی لوہا خود بخود تلوار بن سکتا ہے نہ کوئی آدمی خود بخود درجہ کمال کو پہنچ سکتا ہے۔

بلکہ شیخ کامل کے قدموں کی خاک بنتا پڑتا ہے۔ جیسا کہ عارفِ رومی نے فرمایا ہے ۔

قال را بگذار در مردِ حال شو

پیش مرد کاٹے پامال شو

زبانی جمع خرچ ترک کر داور حال کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور حال کیسے حاصل ہوتا ہے۔ مردِ کامل کے پاؤں کی خاک بننے سے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام استاد اور رہبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ سب سے اہم اور سب سے اعلیٰ کام اس قاعدہ کلیہ سے کیوں مستثنیٰ ہو! جب کہ باقی علوم و فنون اور پیشہ جات میں دیکھی دکھائی چیزوں سے تعلق ہوتا ہے لیکن اس کو چہ میں ہمارا نصب العین وہ ہوتا ہے جو نہ آنکھوں سے دیکھا جاسکے اور نہ کانوں سے سنا جاسکے، نہ ہاتھوں سے کپڑا جاسکے۔

شیخ کامل کا ہاتھ پکڑنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی بیماری تشخیص کر کے مناسب دوائی تجویز کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ شیخ کامل اپنی طرف سے بھی کچھ دیتے ہیں۔ علمائے ظواہر کے طریقہ ہدایت اور کامیابین کے طریقہ ہدایت میں یہی فرق ہے کہ جہاں علمائے ظواہر ہر بیمار کو ایک ہی دوائی پلا دیتے ہیں، شیخ کامل مریض کے مطابق دوائی دیتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ علمائے ظواہر بھوکے اور پیاسے کے سامنے شربت اور پلاؤن کے محاسن پر مہین کو صرف لیکچر پلاتے ہیں۔ جس سے شربت کی خوبیوں سے تو پیاسا بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی پیاس نہیں بجھتی، ان کی خدمت میں پیاسا جاتا ہے اور پیاسا واپس آتا ہے۔ لیکن شیخ کامل پیاسے کے حلق میں شربت ڈال کر اسے اچھی طرح سیراب کر دیتے ہیں۔ لہذا ان اذکار و مشاغل کو پڑھ کر خود بخود ان پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ شیخ کامل کے زیر ہدایت ان پر عمل کرنا چاہیے۔

کیا ہر شخص ولی اللہ بن سکتا ہے؟ ایک دفعہ فوج کے ایک بہت بڑے افسر نے راقم الحروف سے پوچھا کہ کیا ہر شخص ولی اللہ

بن سکتا ہے؟ ہم نے کہا، ہاں، بن سکتا ہے کیونکہ۔

ولایت کی کئی قسمیں ہیں۔ ولایت عام، ولایت خاص اور ولایت
 اخص اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتے ہیں:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا

”اللہ تعالیٰ مومنین کا دوست ہے۔“

اس لحاظ سے ہر مومن مسلمان ولایت کے کسی نہ کسی درجے پر فائز ہوتا ہے۔ کیونکہ ولایت تعلق باللہ کا نام ہے اور یہ تعلق جس قدر مضبوط ہوگا ولایت اسی قدر اعلیٰ وارفع ہوگی۔

فرض کرو بہت سے لوگ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی ٹمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایتھارڈ کی بلند ترین چوٹی پر پہنچنا تو کسی قسمت والے کو نصیب ہوگا۔ لیکن باقی لوگ کسی نہ کسی بلندی پر تو ضرور پہنچ جائیں گے۔ کوئی ایک میل کی بلندی تک پہنچے گا۔ کوئی دو میل پر، کوئی تین میل پر، غرضیکہ سطح زمین سے تو ہر شخص اوپر ہوگا اور یہی ولایت کے مقامات ہیں۔ جو ہر شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق طے کرتا ہے جب سالک مقام فنا فی اللہ تک پہنچ جاتا ہے تو اسے ولایت خاص نصیب ہوتی ہے۔ اس کے بعد تمام بزرگ اپنی استعداد کے مطابق مراتب طے کرتے رہتے ہیں اور یہ ترقی تمام عمر جاری رہتی ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس لیے پرواز کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ بلکہ موت کے بعد قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں بھی پرواز جاری رہتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف پرواز یا ترقی ہر نیک کام کرنے سے ہوتی ہے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں یا کوئی اور نیکی کا کام کرتے ہیں تو قرب کے مراتب میں ترقی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اس کی رفتار اس قدر کم ہوتی ہے کہ آدمی کو ترقی محسوس نہیں ہوتی اس لیے مزید ریاضت و مجاہدہ اور اذکار و مشاغل کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ قلب پر جو زنگ جمع ہو جاتی ہے دھل کر صاف ہو جائے اور روح میں قوت پر پرواز پیدا ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان اذکار و مشاغل کی ضرورت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت اس قدر تیز تھی کہ صحابہ کرام کے کئی منازل آپ کی صورت دیکھ کر طے ہو جاتے تھے۔ آپ سے ہم کلام ہونے اور ہاتھ ملانے سے بھی کئی مراتب طے ہو جاتے تھے۔ لیکن جوں جوں زمانہ نبوی سے بعد ہوتا گیا۔ قلوب پر زنگ جمع ہوتا گیا اس لیے مشائخ عظام کو کئی قسم کے اذکار و مشاغل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، پکڑتا ہے، چلتا ہے۔

اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ قربِ الہی حاصل کرنے کے لیے زائد عبادت کی ضرورت ہے، نوافل کا مطلب صرف نمازِ نفل پڑھنا نہیں ہے۔ بلکہ نقلی روزے بھی ہوتے ہیں۔ نقلی اذکار بھی ہوتے ہیں۔

ذکر اللہ کی اہمیت | قرآن مجید اور حدیث پاک میں ذکر اللہ کی بہت فضیلت آئی ہے اور جا بجا کثرتِ ذکر کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے،

ذکرِ الہی میں مشغول رہنے والوں کی حق تعالیٰ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے:

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (جو اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور سوتے ہوئے۔)

اس سے بڑھ کر ذکر اللہ کی کیا تاکید ہو سکتی ہے۔ ہر حالت میں ذکر جاری رہے۔ خواہ انسان کھڑا ہے، بیٹھا ہے یا لیٹا ہوا ہے۔ اس ذکر سے نماز مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات کے شروع میں نماز کی علیحدہ تاکید وارد ہوئی ہے۔

اس سے بڑھ کر ذکر اللہ کی اور تاکید ملاحظہ ہو۔ فرمان ہوتا ہے:

وَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (ایسے مردانِ خدا بھی میں جو) ہر لحظہ اور ہر لمحہ نماز میں مشغول ہیں۔ اس سے بھی مراد نماز نہیں۔ کیونکہ نماز زندگی کے ہر لمحہ میں ادا نہیں ہو سکتی۔ اس صلوةِ دائمی سے مراد ذکر اللہ ہے۔ کیونکہ ایک اور روایت میں حق تعالیٰ نے نماز کی غرض و غایت ذکرِ الہی مٹھرایا۔ فرمایا:

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (نماز قائم کرو میرے ذکر کی خاطر)

اس سے ظاہر ہے کہ نماز مقصود بالذات نہیں۔ ذکر مقصود ہے اور نماز اس کا ذریعہ ہے۔ دراصل ذکر بھی مقصود بالذات نہیں ہے۔ بلکہ مذکور (جس کا ذکر کیا جاتے یعنی خود حق تعالیٰ) مقصود بالذات ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ (تیری آخری منزل خود حق تعالیٰ ہے)

جو علم روحانیت کی اصطلاح میں فنا فی اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ذکر کو اس قدر کیوں اہمیت دی ہے کہ جلتے پھرتے

اٹھتے بیٹھتے، سوتے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس بہت شریر ہے اور وہ بہت مشکل سے سخر ہوتا ہے اور جب تک نفس کا زور نہ توڑا جائے، سرکش گھوڑے کی طرح سوار کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے۔ کیونکہ انسان مرکب ہے رُوح اور جسم کا۔ رُوح بمنزلہ سوار ہے اور نفس بمنزلہ سواری یعنی گھوڑا وغیرہ۔ اگر گھوڑا سر زور ہو تو سوار کی خیر نہیں۔ لیکن اسلام میں گھوڑے کی بھی خیر منائی گئی ہے کیونکہ گھوڑے کے بغیر سفرِ آخرت طے نہیں ہوتا۔ جہاں دیگر مذاہب میں اربابِ روحانیت کے لیے نفس چل کر رہبانیت کی زندگی بسر کرنا اور ہمیشہ کے لیے غاروں اور جنگلوں میں رہنا ضروری تھا، اسلام نے رُوح کی پرورش کے ساتھ جسم کی پرورش اور نفسانیت کو حدِ اعتدال پر رکھنے کی تعلیم بھی دی ہے۔ آیہ:-

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔۔۔ سے یہی تکمیلِ انسانیت اور تکمیلِ منزلِ مراد ہے اور کثرتِ ذکر، کثرتِ صوم و صلوة اور کثرتِ شبِ بیداری کے بغیر نہ نفس کا زور ٹوٹتا ہے، نہ اس کے اندر اعتدال واقع ہوتا ہے۔ بعض لوگ (علماء کرام تک) یہ اعتراض فرماتے ہیں کہ اسلام میں عبادات کا پروگرام تو نہایت مختصر تھا، صوفی لوگوں نے خواہ مخواہ اسے شکل بنا کر اپنے نفس پر مظالم ڈھائے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی ان آیات کو نہیں پڑھا، یا پڑھ کر نظر انداز کر دیا ہے:

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (ایسے مردانِ خدا بھی ہیں) جن کے جسم رات میں

بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ نیز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ قُلُوبُ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا نِّصْفَهُ (اے نبی! رات کو جاگو نصف شب

کے قریب یا اس سے کم و بیش، کیونکہ رات کا جاگنا نفس پر بھاری ہے)۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا؛ بے شک رات کا جاگنا نفس

کا زور کم کرتا ہے اور قول کو مضبوط کرتا ہے (یعنی اس سے انسان مستجاب الدعوات بن

جاتا ہے اور جو دعوت کرتا ہے پوری ہوتی ہے)

یاد رہے کہ نفس کشی کے بغیر اسلام کے احکام پر عمل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالموں کا علم خواہ کتنا

ہی وسیع ہوتا ہے، نفس کے پھندوں میں پھنس کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مثالی زندگیوں

پر ہرگز ہرگز پورے نہیں آسکتے۔ یہ لوگ کرام اور مشائخِ عظام کا وجود ہے کہ نفس کشی، شبِ بیداری اور

کثرتِ ذکر، قلتِ طعام، کھپ منام وغیرہ کی انہوں نے دنیا میں مثالیں قائم کر دی ہیں اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجاہدات اور مصلحتات زندگیوں کے مطابق زندگیاں بسر فرماتی ہیں۔

اقسام ذکر

جیسا کہ سابقہ ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔ انسان کے جسم کے اندر چھ روحانی مرکز ہیں جن کا احادیث نبویؐ میں بھی اشارہ ملتا ہے، یہ حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے، ان کو

لطائف ستہ کہا جاتا ہے اور جب ذکر اللہ کے ذریعے ان لطائف کو زندہ کیا جاتا ہے تو یہ تمام کے تمام ذکر ہو جاتے ہیں اور سارے جسم کے اندر ذکر اللہ جاری ہو جاتا ہے۔ خواہ آدمی جاگتا ہے یا سوتا ہے۔ قرآن مجید کی صلوٰۃ دائمی اور ذکر قیام، قعود ہم و جنوہ ہم سے مراد یہی لطائف ستہ کا ذکر ہے۔ جو ہر آن ہر لمحہ اور ہر لحظہ جاری رہتا ہے اور انسان کے مراتب قرب بلند سے بلند تر ہوتے رہتے ہیں۔ لطائف ستہ یہ ہیں: لطیفہ نفس، لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ نخعی۔ اس لحاظ سے ذکر کی سند و ذیل اقسام ہوتی ہیں جو اجازت شیخ کے بغیر برگز نہیں کرنا چاہیے۔ اجانت بے حد ضروری ہے۔ ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ جیسے کوئی مریض حکیم یا ڈاکٹر کی بجائے خود دوائی خانہ میں جا کر دوائیاں کھانا شروع کر دے۔

ذکر لسانی: ذکر لسانی وہ ذکر ہے جو زبان سے کیا جاتا ہے۔

ذکر قلبی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ قلب میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز دل ہے جو بائیں چھاتی میں ہے۔

ذکر روحی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ روح میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز دائیں چھاتی ہے۔

ذکر سنوی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ سر میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز لطیفہ قلب اور روح کے درمیان ہے۔

ذکر خفی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ خفی میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز پیشانی ہے۔

ذکر اخفی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ نخعی میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز امّ الدماغ یعنی سر کی چوٹی ہے۔

اشغال و مراقبات

یاد رہے کہ جو ذکر باطنی یا ذہنی طور پر دیگر لطائف میں کیا جاتا ہے ان کو اشغال (جمع شغل) اور مراقبات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ضرورتِ اذکار و مشاغل و مراقبات

وہیے تو صحابہ کرام بھی کثرتِ ذکر اور کثرتِ صوم

صلوٰۃ و تلاوت میں ضرب المثل تھے لیکن جوں

جوں زمانہ گذرنا گیا اور مسلمانوں کے قلوب پر غبار اور زنگ کے ڈھیر لگتے گئے، ان کو مٹانے اور مٹانے

کے لیے مزید محنت اور اذکار و مشاغل کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ نیز حدیثِ قدسی: **بِیْ یَسْمَعُ**

میں جو زائد نوافل کی تاکید وارد ہوئی ہے ان سے مراد بھی یہی زائد عبادت ہے۔ یعنی اذکار وغیرہ ہیں جن کی

ہر زمانے میں زیادہ سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

اب ہم مختلف اذکار، مشاغل و مراقبات کی اختصار کے ساتھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(ماخوذ از ضیاء العقول مصنف حاج امداد اللہ صاحبی و قول الجمیل منصف حمزہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

ذکر اسم ذات | ذکر اسم ذات سے مراد اسم مبارک اللہ، اللہ کا ورد ہے جس کی ضربیں کثرت سے لطائف ستر لگائی جاتی ہیں جس سے نفس کا زور ٹوٹتا ہے۔ تزکیہ نفس

ہوتا ہے۔ اور لطائف کے اندر ذکر اللہ جاری ہوتا ہے اور انوار الہی چمکتے ہیں۔

ذکر اسم ذات یک ضربی | ذکر اسم ذات کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً ذکر یک ضربی جس سے لطیفہ قلب پر اس کی ضرب لگائی جاتی ہے آواز کے زور سے

ذکر ہاتھ سے۔

ذکر اسم ذات زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار یومیہ کیا جاتا ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو بارہ ہزار بار یا یہ بھی نہ ہو سکے تو دس ہزار بار۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو چھ ہزار بار روزانہ کرنا چاہیے۔

ذکر لفظی و اثبات | ذکر لفظی و اثبات میں لا الہ الا اللہ کا ورد کیا جاتا ہے اور الا اللہ کی ضربیں مختلف لطائف پر لگائی جاتی ہیں۔ چشتیہ اور قادریہ سلسلہ میں یہ ذکر بارہ

سولہ روزانہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے ذکر بارہ تسبیح کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کمر سیدھی اور سر اُدسٹیا رکھیے۔ لا الہ الا اللہ کا ورد دو سو مرتبہ اس طرح کیا جائے۔ کہ لفظ لا کو ناف سے اس طرح کھینچا جاتے جیسے کوئی پھاوڑے سے مٹی ہٹاتا ہے۔ اور لفظ الا کہتے ہوئے سر کو دائیں جانب حرکت دے کر غیر اللہ کو میٹھ چھپے پھینک دے پھر سر کو بائیں طرف جھٹکا دے کر الا اللہ کی ضرب لطیفہ قلب پر لگاتے۔ اور ہر سو پر پہنچ کر کلہ طیبہ پورا کرے یعنی محمد الرسول اللہ کہے۔

ذکر اسم ذات دو ضربی | اس قسم کے ذکر میں اسم مبارک اللہ کی دو ضربیں لگائی جاتی ہیں ایک دائیں طرف لطیفہ روح پر اور دوسری بائیں طرف لطیفہ قلب پر

ذکر اللہ کی ضربیں | ذکر اللہ کی ضربیں لطیفہ روح پر، لطیفہ قلب پر، لطیفہ ستر پر لگائی جاتی ہیں۔

ذکر چہار ضربی | اس ذکر میں اسم مبارک اللہ کی ضربیں مندرجہ بالا تین لطائف کے علاوہ ایک ضرب لطیفہ نفس پر لگائی جاتی ہے۔

اسی طرح چار سو مرتبہ الا اللہ کی ضرب لطیفہ قلب پر لگائے۔ یہ کل چھ سو مرتبہ ہو گیا۔ اس کے بعد اسم اللہ اللہ کی ضربیں چھ سو بار دائیں طرف لطیفہ روح اور بائیں طرف لطیفہ قلب پر لگائے اور دو دفعہ اللہ اللہ کہنے

پرایک دانہ تسبیح کا گرانے۔ یہ کل بارہ سو ہو گئے۔

ذکر نفی اثبات کی بھی چار قسمیں بتائی گئی ہیں۔ لا الہ الا اللہ کو ذکر ناسوتی، ذکر الا اللہ کو ذکر ملکوتی، اللہ اللہ کو ذکر جبروتی اور ہو ہو کو ذکر لاہوتی کہتے ہیں۔

ذکر کو چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کہتے وقت غیر اللہ کی نفی کرے یعنی ہر قسم کے مقاصد کو چھوڑ کر صرف ایک مقصد یعنی حصول قرب الہی کو مقصود بالذات بھے۔

سالک مبتدی کو چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کہتے وقت لامعبود الا اللہ کا تصور کرے۔

سالک متوسط لامقصود الا اللہ کا اور

سالک منتہی لاموجود الا اللہ کا تصور کرے۔ اور ذات حق میں جم جائے۔ اس ذکر سے بہت جلدی

تزکیہ نفس ہو کر لطائف پر انوار الہی چمکتے ہیں اور شاہدہ حاصل ہوتا ہے۔

یہ ذکر سانس کے اندر جانے اور باہر آنے سے کیا جاتا ہے۔ جب سانس اندر

جائے تو خیال میں اسم مبارک اللہ کہے نہ کہ زبان سے اور سانس باہر آنے تو

ہو کہے۔ خیال میں نہ کہ زبان سے۔

بعض اوقات سانس اندر جاتے وقت اور باہر آتے وقت دونوں مرتبہ اسم مبارک اللہ کہا جاتا ہے۔

بعض اوقات سانس باہر آنے تو لا الہ اور اندر جاتے تو لا اللہ دل میں کہا جاتا ہے۔ اس سے بہت

جلد تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ عشق الہی سے دل لبریز ہوتا ہے اور انوار الہی چمکتے ہیں۔ یہ ذکر بغیر وضو بھی ہو سکتا ہے

اور چلتے پھرتے، گاڑی میں سفر کرتے، لیٹے ہونے، ہر وقت ہو سکتا ہے۔ لیکن مزیند رکھا جائے۔ اور زبان

ساکن ہو۔ ان اذکار سے شیطان کا زور کم ہوتا ہے۔ اور وہ بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے اور اس کا مومن پر بس

نہیں چلتا۔

جب شیطان دل میں کوئی وسوسہ یا خیال فاسد لے

تو چاہیے کہ سانس کو ناف سے کھینچ کر دل میں صبر

شیطان کے شر کو مٹانے کا طریقہ

کرے۔ اور لا الہ الا اللہ کی ضربیں دل پر لگائے ہوتے یہ خیال جمائے کہ ان ضربوں سے شیطان کا سر کھل

رہا ہوں۔ اور اس کا سر پاش پاش ہو گیا ہے۔ اور وہ دل سے بھاگ گیا ہے۔ اس سے بفضلہ تعالیٰ شیطان

کے شر سے نجات ملتی ہے اور شیطان ہلاک ہو جاتا ہے اور قلب نور الہی سے منور اور روشن ہو جاتا ہے۔

یہ ذکر بے صبر دم بھی ہو سکتا ہے لیکن صبر دم کے ساتھ زیادہ مؤثر ہے۔ کیونکہ دل کی رگوں پر چربی جم

جاتی ہے اور اس کی آڑ میں شیطان شکار کرتا ہے۔ جس دم سے یہ چربی پگھل جاتی ہے اور شیطان کو

کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔

جلس دم کا دوسرا طریقہ | ذکر جس دم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سانس قلب کے اندر بند کر کے قلب پر اسم مبارک اللہ اللہ کی ضربیں لگائے۔ یہ ذکر اکیس سے شروع کر کے اور روزانہ آہستہ آہستہ بڑھاتا جائے۔ کل تعداد اکی (طاق) ہونی چاہیے۔ جنت تعداد سے پرہیز کرے۔

جس دم اکثر پانی میں غوط لگا کر کیا جاتا ہے۔ اور سردی کے موسم میں کیا جاتا ہے۔ اگر پانی میسر نہ آسکے تو خشکی میں بیٹھ کر ہو سکتا ہے۔ لیکن موسم سرما ضروری ہے۔ موسم گرما میں پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ اس سے قلب میں بے حد حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بعض مشائخ کا دستور یہ رہا ہے کہ عشا کی نماز پڑھ کر پانی میں غوط لگا کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور ذکر اسم ذات میں مشغول ہوتے تھے۔ جب صبح کی آذان ہوتی تو باہر نکل کر نماز فجر ادا کرتے تھے۔ گویا ساری رات ایک سانس میں بسر کرتے تھے۔ یہ کام ورزش سے آسان ہو جاتا ہے۔ اور فوائد بے حد زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔

شغل سراپا | شغل سراپا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھیں بند کرے اور چہار زانو بیٹھ کر اللہ سمیع، اللہ بصیر، اللہ علیم کا ذکر اس طرح کرے کہ دل میں اللہ سمیع کہتے وقت لطیف نفس (ناف) میں کہے اللہ بصیر لطیف قلب میں کہے، اور اللہ علیم لطیف خفی (پیشانی) میں کہے۔ اور پھر تصور میں عرش معلیٰ پر ایک نظر ڈالے۔ اس کے بعد اللہ سمیع لطیف خفی میں۔ اللہ بصیر لطیف قلب میں اور اللہ علیم لطیف نفس میں دل سے کہے نہ کہ زبان سے۔

اس شغل میں تصور شیخ بہت ضروری ہے۔ یعنی یہ سمجھے کہ میں نہیں ہوں میرا شیخ ہے جو یہ شغل کر رہا ہے۔ اور میں شیخ کے ذریعے، اور شیخ اللہ کے ذریعے سمیع، بصیر اور علیم ہے۔

یہ شغل جس دم سے بھی کیا جاتا ہے اور جس دم سے بھی۔ جس دم میں سانس اندر لے چائے اور جتنی مرتبہ ہو سکے یہ دائرے مکمل کرے۔ پھر سانس چھوڑ کر آرام کرے اور پھر شروع کرے۔

حضور دم سے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سانس بند نہ کیا جائے بلکہ تھوڑے سانس لیے جائیں۔ مثلاً اگر عام طور پر ایک منٹ میں دس سانس لیتا ہے تو شغل کے دوران پانچ سات مرتبہ سانس لے۔ اس شغل سے قرب نوافل اور قرب فرائض حاصل ہوتا ہے۔ قرب نوافل سے مراد فانی الصفات الہی ہے۔ اور قرب فرائض میں فانی الذات الہی ہے یعنی سالک کا تعین ذات باری تعالیٰ میں گم ہو جاتا ہے۔

مراقبت

جب اُردا، وظائف اور اذکار کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے تو مراقبات شروع کرائے جاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

مراقبہ لیتین خلوت میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے اور چہار زانوں بیٹھ کر یہ تصور کرے کہ اللہ ہے۔ بس اس خیال میں جم جائے اور خطرات اور وساوس اگر دل میں آئیں تو دور کرتا رہے۔ بفضلہ تعالیٰ فلاح کثیر اور فوائد عظیم رونما ہوں گے اور انوار چمکیں گے۔

مراقبہ قرب خلوت میں چہار زانوں ہو کر بیٹھ جائے اور دل میں آیہ مبارک: نَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (ہم انسان کی شرگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں) کا مفہوم رکھ کر یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ میری شرگ سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے۔ اس سے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔

مراقبہ رویت خلوت میں چہار زانوں ہو کر بیٹھے اور دل میں آیہ مبارک: أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ كَمَا رَأَوْا نَبِيًّا بَانًا كَاللَّهِ تَعَالَىٰ دیکھ رہا ہے، کا مفہوم رکھ کر یہ خیال جائے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور قریب سے دیکھ رہا ہے۔ اس سے قلب اور دیگر لطائف پر انوار و تجلیات رونما ہوں گے۔ لیکن ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ باطنی طور پر روح انسانی پر یہ انوار چمکتے ہیں۔ جس کے اثرات بخنی نہیں رہتے۔

مراقبہ ذات مراقبہ ذات، ترہ ذقت شروع کیا جاتا ہے جب ذکرہ بِاللَّهِ الْبَارِئِ الرَّحْمٰنِ کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جاتا ہے۔ اور سیر الی اللہ کے لیے زمین تیار ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ سیر الی اللہ فقط آغاز ہے سیر فی اللہ کا ہے فنا فی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مراقبہ ذات کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں چہار زانوں بیٹھ کر آنکھیں بند کرے اور یہ خیال کرے کہ اندر، باہر، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں سُبْحٰنَاتِ الہی ہے اور کسی چیز کا وجود نہیں۔ حتیٰ کہ میں بھی نہیں ہوں۔ سب جگہ اللہ ہی اللہ ہے۔ اس مراقبہ کی مدد سے بفضلہ تعالیٰ سالک کی پرواز ذات حق میں

شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جس قدر کثرت سے اس مراقبہ میں شوق ہوگی، ذات باری تعالیٰ (یعنی روح حق) میں روح انسان کی پرواز تیز تر ہوتی جائے گی۔ اور مقام لاتعین میں داخل ہو جائے گا۔ اب جو تک ذات حق کی کوئی انتہا نہیں، سیر فی اللہ کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اور سالک ہمیشہ کے لیے ذات حق میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ بلکہ موت کے بعد عالم ارواح میں ذات حق میں اس کی پرواز جاری رہتی ہے۔ اور بہشت میں یہ پرواز قرب الہی کی طرف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گی۔ اس وجہ سے کہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں

شغل ہوا

مراقبہ ذات کے ساتھ ساتھ یا اس کے بعد شغل ہوا کیا جاتا ہے جو سیر فی اللہ میں بہت ہی متاثر مند اور معاون ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ تار یک کمرہ میں چہار زانوں بیٹھ کر آنکھیں کھلی رکھے اور سامنے دیوار پر ایک نقطہ تصور کر کے اس پر نظر جمائے رکھے اور آنکھ جھپکنے نہ پائے اس سے شروع میں آنکھوں سے پانی جاری ہوگا۔ لیکن اس کی فکر نہ کرے اور دل میں یہ خیال جمائے رکھے نہ

كان الله ولم يكن معه شيئا الله تھا اور اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہ تھا۔

اور الآن کما كان اب بھی وہی ہے اور اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔

اس سے سیر فی اللہ میں ترقی ہوگی۔ نیز اس شغل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ سالک سکر یعنی استراق سے مغلوب ہونے نہیں پائے گا بلکہ مزید فیضان انوار و تجلیات اور مراتب قرب طے ہوں گے۔ سالک مغلوب الحال ہونے کی بجائے ابوالحال رہے گا۔ یاد رہے کہ سکر وستی اور محویت یا استغراق میں مستغرق ہو کر سالک کی پرواز رک جاتی ہے۔ لیکن اس شغل کی برکت سے مراتب قرب بھی طے ہوتے رہتے ہیں۔ محویت بھی رہتی ہے۔ لیکن مغلوب الحال نہیں ہوتا۔ جو بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جس سے قرب کے آخری مقام بقا باللہ کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

شغل باطن و باطن

یہ شغل بھی اذکار و مشاغل کے ذریعے تزکیہ نفس کے بعد کیا جاتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر آنکھیں کھول کر سامنے دیکھے تو ہم الہی یا ظاہر کا تصور کرے۔ اور سر نیچے کر کے آنکھیں بند کرے اور اسم مبارک یا باطن کے معانی پر غور کرے۔ اس پر مداومت کے کچھ عرصہ بعد یا ظاہر کے ساتھ یا آخر بھی شامل کر دے۔ اور یا باطن کے ساتھ یا اول شامل کر دے۔ اس سے بھی جس قدر محویت اور محبت میں اضافہ ہوگا۔ مغلوبیت نہیں ہونے پائے گی۔

شغل دائرہ حقی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں چہار زانو ہو کر بیٹھ جائے۔ اور لطفہ سر جوہر سینه میں ہر کے گرد نور کا ایک سفید گول دائرہ تصور کرے جو لفظ حقی

کے طرح ہو۔ اور یہ خیال کرے کہ لطیفہ نثر سے ذکر اسم پاک حق حق جاری ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ بعد خیال کرے کہ سارے جسم بلکہ ہر بال سے لفظ حق حق جاری ہے۔

غرضیکہ مراقبات بہت ہیں جو مشائخ عظام حسب استعداد طالبان حق کو تعلیم فرماتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اذکار، مشاغل اور مراقبات اجازتِ شیخ کے بغیر ہرگز نہیں کرنے چاہئیں۔ کیونکہ جو مرض حکیم یا ڈاکٹر سے بے نیاز ہو کر اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوا خانے سے جو دوائی بھی میں آئے اٹھا کر کھائے تو ملاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

مراتب فنا یاد رہے کہ فنا کے کئی مراتب یا درجے ہیں۔ جس طرح ذکر کے پانچ مراتب، ذکر لسانی، ذکر نفس، ذکر قلب، ذکر روح، ذکر سر و نخی، اسی طرح فنا کے بھی پانچ درجے ہیں۔
اول غلبہ ذکر ربانی: (ذکر لسانی) جس کے ذریعے نفسانی خواہشات، غصہ، بغض، کینہ، لالچ، تکبر وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور صفات حمیدہ مثل محبت، ایثار، ہمدردی، عجز و نیاز کا غلبہ ہو جاتا ہے۔
دوم ذکر نفس: کے غلبہ کی وجہ سے نفس امارہ (نفس لوامر) کا زور کم ہو جاتا ہے اور کشف و الہام کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

سوم ذکر قلبی: کے غلبہ کی وجہ سے موجوداتِ عالم کے صفات و افعال حق تعالیٰ کے صفات و افعال میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شے میں افعالِ حق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور اطمینانِ قلب میں سر آتا ہے جو قرآن مجید میں نفسِ مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

چہارم ذکر روح: کے غلبہ سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی کثرتِ موجودات، وحدتِ ذات میں فنا ہو جائے یہاں تک کہ ذاتِ حق کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

پنجم ذکر غیبی: کے غلبہ سے مشاہدہ تبدیل ہو جائے گا۔ معانہ میں یعنی انسان کا اپنا تعین، تعینِ حق میں فنا ہو جائے اور خود نہ رہے۔ یہ معانہ ہے یعنی عین ہونا۔

اس کے بعد فنا الفناء کا درجہ ہے جہاں پہنچ کر سالک کو یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ میں فنا ہوں یعنی اس کی فنایت بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور یہ مقام بقا باللہ ہے۔ جو آخری مقام ہے۔

تو دریں گم شو کہ تو حیدر ایں بود
 گشدرن گم کن کہ تفسرید ایں بود
 حدیث پاک:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی نبی
 المرسل و ملک المقرب۔
 قرب حق میں مجھے وہ مقام حاصل ہے کہ
 جہاں نہ کوئی نبی پہنچے نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

نیز حدیث پاک:

مَنْ رَأَىٰ بِي فَقَدَرَأَىٰ الْحَقَّ
جس نے مجھے دیکھا حق کو دیکھا۔

دونوں احادیث سے یہی مقام مراد ہے۔ جو بدرجہ اتم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔

اسی مقام پر پہنچ کر حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ جب میں غائب تھا تو خدا کو ڈھونڈتا تھا اور خود کو پاتا تھا۔ اب تیس سال ہو گئے ہیں کہ خود کو ڈھونڈتا ہوں اور خدا کو پاتا ہوں۔

عارفین کا قول ہے:

مقام بقا باللہ سے مراد

النِّهَایَةُ رَجُوعٌ إِلَى الْبِدَایَةِ (آخری مقام کیا ہے شروع

کے مقام پر واپس آنے کا نام ہے) یعنی سالک جب مقام فنا فی اللہ میں ذات و صفات حق تعالیٰ سے متصف ہو جاتا ہے تو پھر وہ سیر من اللہ کے ذریعے پھر مقام دوئی پر واپس آتا ہے اور حدیث پاک بی بیع اور بی یبصر کے مطابق اندرونی بصیرت سے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ خلافت الہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ اور ہدایت خلق اور دنیا کے تکوینی امور پر اسے مامور کیا جاتا ہے۔ سطحی نظر کے لوگوں نے رہبانیت کا جو الزام اولیاء اللہ پر لگایا ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ مقام بقا باللہ پر پہنچ کر وہ انسان کامل بلکہ مکمل اور کمال بنتا ہے اور جس فرض شناسی بے نفسی، ایثار اور محبت سے خدمت خلق اور عبادت خالق اور ہدایت خلق میں منہمک ہوتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

(ضیاء القلوب صنف حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جو علمائے دیوبند کے پیرو مرشد ہیں کتاب مذکور میں یہ بھی فرمایا ہے: اس مرتبہ میں بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا سے داخل ہوتا ہے۔ اور اس وقت وجوب و امکان مساوی ہو جاتے ہیں کسی کو کسی پر غلبہ نہیں ہوتا۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ، اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے اور سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور وہ ذی اختیار ہو جاتا ہے اور خدا کی جن تجلی کو چاہتا ہے اپنے اوپر کر لیتا ہے اور جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے متصف ہو کر اس کا اثر ظاہر کر سکتا ہے۔ چونکہ اس میں خدا کے اوصاف (صفات) پائے جاتے ہیں۔ اور وہ خدا کے اخلاق سے مزین ہوتا ہے (بمصدق حدیث: تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ) اور اس نے جمالِ اسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً کو دیکھا ہے۔ اور نورِ علیٰ نور ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے حال اس کے تابع ہو گیا ہے

(ضیاء القلوب ص ۳۶: مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اپنے اور بے انوار کی پہچان

جب سالک کا دل خدا کا ذکر کرنے لگتا ہے اور ذکر تمام اعضا میں سرایت کر جاتا ہے اور غیر خدا سے دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور روحانیت سے تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ تو انوار الہی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ کبھی وہ انوار اپنے اندر اور کبھی باہر نظر آتے ہیں۔ تو اچھے انوار وہی ہیں جن کو وہ دل سینہ اور سر میں یادوں کی طرف اور کبھی بدن میں پائے اور جو انوار کبھی دائیں طرف اور کبھی سامنے نظر آئیں وہ بھی اچھے ہیں لیکن ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے۔

رنگوں کی پہچان

کسی رنگ کا نور اگر داہنے شانے کے برابر ظاہر ہو تو وہ فرشتوں کا نور ہے۔ اگر سفید رنگ کا ہو تو کرانا کا تبین کا ہے۔ اگر سبز پوش خوبصورت آدمی یا

کوئی اچھی صورت ظاہر ہو تو وہ فرشتہ ہے۔ جو ذکر کی حفاظت کو آیا ہے۔

اور اگر داہنے شانے سے ہٹا ہوا یا آنکھ کے برابر ہے تو وہ مرشد کا نور ہے۔ جو راستہ کا فریق ہے۔

اور اگر سامنے ہے تو وہ نور محمدی ہے۔ جو سیدھے راستے کی تعلیم فرماتا ہے۔ اگر بائیں شانے کے متصل ظاہر

ہو تو فرشتوں کا نور ہے۔ اگر بائیں شانے سے دور ظاہر ہو تو خواہ کسی رنگ کا ہو وہ شیطان کا نور ہے

اور بعض کہتے ہیں کہ دنیا کا نور ہے۔ اسی طرح جو صورت یا آواز پیچھے سے یا بائیں طرف سے ہو وہ شیطان

کا دھوکا ہے لاجول سے دفع کرنا چاہیے اور اعوذ باللہ من الشطن الرجیم پڑھنا چاہیے

اور اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور اگر نور اوپر سے آئے تو وہ ان فرشتوں کا نور ہے جو حفاظت کیلئے

مقرر ہیں۔ اگر اس سے دل میں خوف پیدا ہو اور اس کے نکل جانے کے بعد بھی اور اس کے دفع ہوجانے

کے بعد بھی باطنی حضور نہ رہے تو وہ شیطان کا نور ہے۔ لاجول پڑھنا چاہیے۔۔۔ اگر دھوئیں یا آگ

کے رنگ کا نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہو تو یہ خناس کا نور ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے۔ اگر

سینہ کے اندر یا دل پر ظاہر ہو تو وہ صفائے دل کا نور ہے۔ اگر سر کی جانب سے ظاہر ہو تو وہ بھی روح

کا نور ہے۔ اور آفتاب کے رنگ کا نور بھی روح کا نور ہے۔ اور بعض اس کو نور ذات ٹھہراتے ہیں۔ تو اگر

یہ اوپر سے کا ہے نور ذات ہے۔ اگر سامنے کا ہے تو روح کا ہے، اگر چاند جیسا ہے تو دل کا ہے۔ اور

بعض کے نزدیک ایک سامنے کا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ذکر سلطاناً نصیراً اور سلطاناً محموداً کی طرف

سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بھی نور ذات ہے۔ لیکن سالک کو چاہیے کہ مطلوب کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ ہو۔

حضرات قادریہ کے اذکار و مشاغل بھی کم و بیش اسی نوعیت کے ہیں۔

ذکر برائے شفا کے مریض | واہنی طرف یا اَحَدُ بآئیں طرف یا صَمَدُ آسمان کی طرف یا وَشْرًا اور دل میں یا فَوْدًا ایک ہزار مرتبہ ضرب لگائے اور مریض کے لیے دعا کرے بفضلہ تعالیٰ شفا پائے گا۔

مقاصد کے حصول اور آئندہ حالات سے واقفیت کے لیے | نماز تہجد کے بعد ایک ہزار بار واہنی طرف یا حَتِّی، بآئیں طرف یا حَتِّیَوْم، آسمان کی طرف یا وَهَابُ اور دل میں یا اللہ کی ضربیں لگائے اور دعا کرے۔ انشاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

کشفِ قبور کے لیے | پہلے اکسیر بار یا رَبِّ کہے پھر آسمان کی طرف یا رُوح اور قبر کی طرف یا رُوح اور دل کی طرف یا رُوح الرُوح کی ضرب لگائے انشاء اللہ خواب یا بیداری میں صاحبِ قبر کا حال معلوم ہو جائے گا۔

کشفِ قبور کا دوسرا طریقہ | پہلے قبر پر بیٹھ کر میت پر فاتحہ پڑھے اور پھر آسمان کی طرف اَکْشِفْ لِي یا فَوْدًا اور دل پر اَکْشِفْ لِي یا نُورًا اور میت پر عن حالہ کی ضرب لگائے اور میت کی طرف متوجہ ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ کا تصور کرے اور واہنی طرف یا اَحْمَدُ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ کا تصور کرے اور واہنی طرف یا اَحْمَدُ بآئیں طرف یا مُحَمَّدًا اور یا رَسُوْلَ اللہ ایک ہزار بار پڑھے بفضلہ تعالیٰ بیداری یا خواب میں زیار ہوگی۔

حاجت براری کا ذکر | جو شکل پیش آئے اس کے موافق اسمائے حسنہ میں سے کوئی نام لے کر رضی، یا چہار رضی ذکر میں مشغول ہو جائے مثلاً کُتْلُ رُزْق کے لیے یا رِزْقًا اور مریض کی شفا کے لیے یا سَاقِی اور موزی جانور سے بچنے کے لیے یا حَفِیْظًا اور فتح کے لیے یا صَمَدًا اور دشمن کے دفع کے لیے یا مَذِلُّ اور بلا کے دفع کے لیے اور دل کی تسکین اور مضبوطی کے لیے یا حَقِّی یا حَتِّیَوْم پڑھے۔ علیٰ ہذا القیاس مناسب اسمِ الہی کا اور دوسرے کام کے لیے کرے۔

مشائخ کے تصرفات کرنے اور توجہ دینے کا طریقہ | شیخ تمام خیالات سے خالی ہو کر اپنے نفسِ ناطقہ کی طرف سے مرید پر اس نسبت میں توجہ کرے جس کا القا مرید پر ضروری ہو۔ اور اپنے قلب کی توجہ مرید پر جانتے۔ اور یہ

نیاں جمائے کہ میری کیفیت جذب مرید میں اثر کر رہی ہے۔ مرید کے تمام لطائف میں ذکر جاری کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ کہ ہر لطیفہ پر یکے بعد دیگرے توجہ کرے۔ اور انوار، مراقبات اور لطائف کے اتقا میں توجہ کرے۔ اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اسے فائدہ پہنچانے

زندہ اور مردہ اہل اللہ کی نسبت معلوم کرنے کا طریقہ | اگر زندہ ہے تو اس کے سامنے بیٹھے اگر مردہ ہے تو اس کی قبر

کے سامنے بیٹھے۔ اور اپنے دل کو تمام باتوں سے خالی کر کے اور اپنے آپ کو ہر نسبت سے باہر کر کے علام الغیوب کی بارگاہ میں دعا کرے کہ یا علیہ، یا خبیر، یا مبین مجھے آگاہ کر اور اس کی ہلنی کیفیت مجھ پر منکشف فرما۔ پھر اس کی رُوح کی طرف پوری توجہ کرے۔ اور تھوڑی دیر بعد اپنی رُوح اس کی رُوح کے ساتھ ملا دے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد اپنی طرف توجہ ہو تو اگر اپنے اندر کچھ کیفیت پائے تو سمجھے یہ نسبت اسی شخص کی ہے۔

کسی دل کے خطرات معلوم کرنے کا طریقہ | اپنے دل کو تمام خیالات اور حدیثِ نفس سے خالی کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جائے

پھر جو کچھ اچھا یا بُرا خیال دل میں آئے، اسی کی طرف سے خیال کرے۔

اسندہ واقعات معلوم کرنے کا طریقہ | دل سے تمام خیالات دور کر کے بارگاہِ الہی میں دعا کرے کہ یا علیہ، یا خبیر، یا مبین مجھے اس

واقعہ کی خبر دیدے۔ اور پھر پوری توجہ ملا۔ اعلیٰ کی طرف جہاد سے بفضلہ تعالیٰ آواز غیبی یا شاہدہ یا خواب کے ذریعے معلوم ہو جائے گا۔

مرض سلب کرنے کا طریقہ | دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اپنے آپ کو اس مرض میں مبتلا سمجھے جو مرید کو ہے۔ تو وہ مرض اس کی طرف منتقل ہو جائے

گا۔ اور یہ انسان کی جھجھکیوں میں سے ہے۔ اور پھر یہ تصور کرے کہ اس مرض اپنے پاؤں کے ذریعے زمین میں داخل کر رہا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ شفا ہوگی۔

مرض سلب کرنے اور گناہ گار سے گناہ دور کرنے کا دوسرا طریقہ | صاحبِ نسبت وضو کر کے دو رکعت نماز

نفل ادا کرے۔ اور درود اور استغفار پڑھ کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ درگاہِ الہی میں التجا کرے کہ مریض یا گناہ گار سے مرض اور گناہ دور ہو جائے۔ اس کے بعد مریض یا گناہ گار کے سامنے بیٹھے اور پوری

ہمت کے ساتھ سانس لے۔ اور سانس لیتے وقت یہ خیال کرے کہ مرض سے اس کا مرض اور گناہ گار ہے اس کا گناہ دور ہو رہا ہے اور ایک لمبی سانس لے کر یہ تصور کرے کہ اس کا مرض یا اس کا گناہ زمین پر گر رہا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ مرض شفا یاب ہو گا۔ اور گناہ گار گناہ سے توبہ کرے گا۔

بلا دفع کرنے کا طریقہ | جس بلا کو دفع کرنا ہو۔ اپنے دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اس بلا کی صورتِ مثالیہ کا تصور کرے۔ اور پوری ہمت اور توجہ سے اس بلا کے دفع کرنے کی طرف مائل ہو کر خدا سے دعا کرے۔ انشاء اللہ بلا دفع ہو جائے گی۔

احتیاط کی ضرورت | یاد رہے کہ ان باتوں کا اظہار اور تاثر اکثر متوسط درجہ کے سالکوں سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ نسبتی دنیا کی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لیے ان سے یہ باتیں کم واقع ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم رہے کہ عارف کے تمام مکشوفات کا صحیح ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اس میں غلطی کا احتمال بھی ہوتا۔ اس لیے ایسی باتوں کو برکس و ناکس کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دوسرا طریقہ | عشاء کی نماز کے بعد نئے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر ادب سے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جمال مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے حصول کی دعا کرے۔ اور پھر دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کا یہ تصور کرے کہ سفید شفاف لباس ہے اور سر پر سبز رنگ کی دھاری ہے اور منور چہرہ ہے۔ اور پھر

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ کی دائیں طرف ضرب لگائے۔ الصلوة والسلام علیک یا نبی اللہ کی بائیں طرف اور الصلوة والسلام علیک یا حبیب اللہ کی ضربیں دل پر لگائے اور پھر متواتر جس قدر ہو سکے درود شریف پڑھا ہے۔ ایک ہزار بار پڑھے تو بہتر ہے۔ اس کے بعد اکبیں بازو صورت نصر پڑھ کر جمال مبارک کا تصور کرے اور اس طرح سو جائے کہ سر قطب کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف ہو اور دائیں کمرہ پر سو جائے۔ اپنے ہاتھ کی دائیں سبیلی پر الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ دم کر کے ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سو جائے۔ یہ عمل شب جو یا شب دو شنبہ کو کرے اور چند بار کرنے سے بفضلہ تعالیٰ مقصد حاصل ہو گا

نماز استخارہ | جس کام کو شروع کرنا ہو حدیث شریف میں اس کے متعلق استخارہ کرنے کی تاکید آئی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے ادا کرے۔ پہلی رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ پڑھے اور

سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

Marfat.com

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ
 مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُونَ مَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُونَ مَا لَا أَعْلَمُ وَ
 أَنْتَ الْعَلَامُ الْغُيُوبِ . اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ
 لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَأَقْدِرْهُ
 لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ
 لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَأَصْرِفْهُ
 عَنِّي وَأَصْرِفْنِي عَنْهُ وَأَصْرِفْنِي عَنْهُ وَأَقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ
 ثُمَّ أَرْجِيهِ .

استحارہ کا دوسرا طریقہ | مشائخِ چشتیہ نے کہا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد استحارہ کی نیت سے
 دو رکعت نفل پڑھے۔ اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین ترنم
 قل بواہ پڑھے۔ سلام کے بعد اول و آخر دو دشریف کے ساتھ یہ دعا پڑھے۔

يَا سَلَامُ سَلِّمْنِي يَا مَن سَوَّاهُ بَار

يَا عَلِيمُ عَلِّمْنِي ، اِيك سَوَّار يَا فَتِيْرَ فَتَوْرِي ، اِيك سَوَّار .

يَا خَيْرُ آخِرِي اِيك سَوَّار يَا مَسِيْنُ بَيْنِي لِي اِيك سَوَّار پڑھے۔

اس کے بعد اس طرح سو جائے کہ سر قطب کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف ہر گنگونہ کرے اور

دو دشریف پڑھا ہوا سو جائے۔ اس عمل کو دو شنبہ جمعرات کو شروع کرے۔ اگر ایک شب
 معلوم نہ ہو تو تین یا سات رات تک کرے انشاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

اگر کوئی طالبِ حق ان اذکار و مشاغل پر

عمل کرنا چاہے تو احقر راقم الحروف سے خط و کتابت یا ملاقات کے ذریعے پوچھ سکتا ہے۔ اگر یہ
 عام طور پر تربیت دینے والے کی طرف سے اس قسم کا بلاوا نہیں دیا جاتا۔ لیکن چونکہ یہ زمانہ
 روحانیت کے قحط کا زمانہ ہے اور قحط کے زمانہ میں بھوکے عوام کو کھانا ماہم پہنچانے کے لیے
 خصوصی انتظامات کیے جاتے ہیں۔ لہذا راقم الحروف کی یہ دعوت بھی اس قحط سالی میں خصوصی
 نوعیت کی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَدْعُ الْمُبِينُ

الْآنَ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

مقامِ گنجشک

رحمۃ اللہ علیہ

معارف و حقائق اور تاریخی واقعات کا حسین مرقع

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے مشائخِ عظام و خلفاء و درخلفاء، تا زمانہ حال، اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے مستند تاریخی حالات، ملفوظات و تعلیمات، مسلکِ اولیاء پر اعتراضات کے و شہ آں و حدیث کی روشنی میں جوابات، سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اُوراد، وظائف، اشغال و مراقبات،

تالیف

مولانا الحاج (کپتان) واجد بخش سیال چشتی صابری